بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک آزادی کشمیر کے بانی غازی کشمیر

سَردار فتح محمد خان
کریلوی

کے مجاہدانہ اور ایمان افروز حالاتِ زندگی

از سید محمود آزاد

بتعاون: سردار علی شان جہال

باہتمام: سردار سرفراز خان

انتساب

سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم

کے فرزند گرامی سردار سکندر حیات خان

کے نام

جنہوں نے اپنے والد گرامی کی مجاہدانہ روایات کو

برقرار رکھتے ہوئے اپنا مقام خود پیدا کیا۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرآدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

سردار سکندر حیات خان حضرت علامہ اقبال کے اس شعر کی تفسیر ہیں۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

فہرست عنوانات

1- غازی کشمیر
سردار فتح محمد خان کریلوی
2- ڈوگرہ خاندان
3- خاندانی پس منظر
4- سردار فتح محمد خان کریلوی
5- ڈوگرہ پولیس میں
6- پھلور میں تربیت
7- قومی خدمت کی شاہراہ پر
8- دارورسن کی آزمائش
9- سردار فتح محمد خان کی حکمت عملی
10- وادی میں تحریک
11- کمشن
12- مسلم کانفرنس کا قیام
13- پہلا سالانہ اجلاس
14- ریاستی حالات
15- اسمبلی کے قواعد وضوابط
16- گوشوارہ ممبران اسمبلی
17- منتخب ممبران

18- فہرست سوالات

19- مسلم کانفرنس کا تیسرا سالانہ اجلاس

20- شیخ عبداللہ کی نئی راہ

21- مسلم کانفرنس کا چوتھا سالانہ اجلاس

22- ذمہ دار اسمبلی کا مطالبہ

23- مسلم کانفرنس کا پانچواں سالانہ اجلاس

۲۴- اسمبلی کے انتخابات ۱۹۳۸ء

۲۵- گوشوارہ ممبران ریاستی اسمبلی

۲۶- مسلم کانفرنس نازک مرحلہ میں

۲۷- مسلم کانفرنس کی تجدید

۲۸- نواب بہادر یار جنگ اور کانگریسی لیڈروں کا دورہ

۲۹- حضرت قائداعظم کی آمد

۳۰- نیشنل کانفرنس کی نئی حکمت عملی

۳۱- مسلم کانفرنس کی حکمت عملی

۳۲- اسمبلی کے انتخابات ۱۹۴۷ء

۳۳- گوشوارہ ممبران

۳۴- سردار فتح محمد خان کریلوی کی پارلیمانی جدوجہد

۳۵- بجٹ پر تنقیدی بیان

۳۶- ڈوگرہ فوج کی نقل وحرکت

۳۷- ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کی قرارداد
۳۸- قرارداد کا ردعمل
۳۹- غازی کشمیر
۴۰- ۱۴ اگست
۴۱- جہاد کی تیاری
۴۲- سردار فرح محمد خان کریلوی میدان جہاد میں
۴۳- جنگ بندی کے بعد
۴۴- مسلم کانفرنس کارکنوں سے رابطہ
۴۵- سیاسی عمل
۴۶- فوجیوں کے ساتھ ان بن
۴۷- کریلوی صاحب کا عزم نو
۴۸- افسوسناک سیاست
۴۹- کے ایل ایم
۵۰- مارشل لاء
۵۱- کے ایچ خورشید اور بی ڈی نظام
۵۲- بی ڈی نظام
۵۳- بعد کا دور
۵۴- سٹیٹ کونسل
۵۵- پاکستان میں تحریک

۵۶- ضیاء الحق کا دور

۵۷- رحلت

۵۸- تعزیت

۵۹- اخبارات کی تعزیت

۶۰- مہاجرین کے تاثرات

۶۱- عادات واطوار

۶۲- مجلسی زندگی

۶۳- اصابت رائے

۶۴- مہمان نوازی

۶۵- حلم اور بردباری

۶۶- ذاتی کاغذات

۶۷- حصہ دوئم دستاویزات

۶۸- حصہ سوئم سردار سکندر حیات خان

۶۹- پیدائش اور ابتدائی تعلیم

۷۰- کے ایل ایم کی تحریک

۷۱- مارشل لاء

۷۲- ممبر اسمبلی کی حیثیت سے کامیابی

۷۳- قائد ایوان

۷۴- مرزائیوں کے خلاف قرارداد

۷۵- خان عبدالقیوم خان سے ملاقات

۷۶- ایکٹ ۱۹۷۴ء کا نفاذ

۷۷- مسلم کانفرنس کے مسلم لیگ میں ادغام کی تجویز

۷۸- سردار عبدالقیوم خان کے خلاف عدم اعتماد

۷۹- سردار عبدالقیوم خان کی گرفتاری

۸۰- سردار محمد ابراہیم خان کی پی پی میں شمولیت

۸۱- انتخابات میں مسلم کانفرنس کا بائیکاٹ

۸۲- قائم مقام صدر مسلم کانفرنس کی حیثیت سے

۸۳- مسلم کانفرنس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کردار

۸۴- تاریخی رول

۸۵- مسلم کانفرنس کی تنظیم نو کے لئے کوشش

۸۶- پی این اے میں شمولیت

۸۷- مسلم کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے انتخاب

۸۸- تقسیم کشمیر کی مخالفت

۸۹- بھٹو حکومت کا دباؤ اور وزارت عظمیٰ کی پیش کش

۹۰- پی این اے اور بھٹو کے درمیان مذاکرات

۹۱- سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے انتخاب

۹۲- حیات خان کا دور حکومت

۹۳- مسلم کانفرنس پھر آزمائش میں

۹۴- محاسبہ ٹربیونل کا قیام

۹۵- ۱۹۸۵ء کے انتخابات

۹۶- تعمیر و ترقی اور تحریک آزادی کے لئے کوشش

۹۷- بیرونی دورے

۹۸- قائد کشمیر چیئر اور ادارہ مطالعہ کشمیر کا قیام

۹۹- شمالی علاقہ جات کو نمائندگی دینے کی کوشش

۱۰۰- کشمیر پراپرٹی اور منگلہ ڈیم کی رائلٹی

۱۰۱- بلدیاتی انتخابات

۱۰۲- ترقیاتی منصوبوں کے لئے اقدامات

۱۰۳- انتظامی یونٹوں کا قیام

۱۰۴- صحافت کے فروغ کی کوشش

۱۰۵- متفقہ شریعت بل کی منظوری

۱۰۶- مہاجرین کی آبادکاری

۱۰۷- آزاد کشمیر کا لیاقت علی

۱۰۸- مسلم کانفرنس کی صدارت سے دستبرداری

۱۰۹- کشمیر لبریشن الائنس کا قیام

۱۱۰- دورہ سعودی عرب

۱۱۱- کل جماعتی کشمیر کانفرنس

۱۱۲- وزیراعظم پاکستان کی پیش کش

۱۱۳- ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات
۱۱۴- سردار سکندر حیات خان کے خلاف الزامات کی تحقیقات کے لئے عدالتی کمیشن کا قیام
۱۱۵- سردار سکندر حیات خان کا صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے انتخاب
۱۱۶- صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے
۱۱۷- سردار سکندر حیات خان کے خلاف سازشیں
۱۱۸- صدارتی اختیارات میں مداخلت
۱۱۹- اصلاح احوال کے لئے کوششیں
۱۱۲۰- آئینی ترامیم کی واپسی
۱۲۱- وزیراعظم کے نام طویل خط
۱۲۲- آزاد کشمیر کے معاملات میں وفاقی حکومت کی سردمہری
۱۲۳- مسلم کانفرنس سے الگ کرنے کی کوشش
۱۲۴- دورہ سعودی عرب
۱۲۵- دورہ یورپ
۱۲۶- قومی حکومت کی تجویز
۱۲۷- کونسل کو فعال بنانے کی کوششیں
۱۲۸- مسلم کانفرنس کی تنظیم نو
۱۲۹- آزاد کشمیر کا صدارتی انتخاب
۱۳۰- سردار سکندر حیات خان کا انتخاب

۱۳۱- سردار سکندر حیات خان کی نامزدگی کا اعلان

۱۳۲- سردار سکندر حیات خان کی صدر پاکستان سے ملاقات

۱۳۳- صدارتی انتخابات کے شیڈول کا اعلان

۱۳۴- صدارتی انتخاب میں دوبارہ کامیابی

۱۳۵- آزاد کشمیر کی آزادی

۱۳۶- ۳۰ جون ۱۹۹۶ء کے عام انتخابات اور مسلم کانفرنس کی ناکامی

۱۳۷- سردار سکندر حیات خان کے نام سردار عبدالقیوم خان کا خط اور اس کا جواب

۱۳۸- سردار سکندر حیات خان سابق وزیر اعظم آزاد جموں و کشمیر

۱۳۹- ایوان صدر- مظفر آباد

۱۴۰- سردار سکندر حیات خان کے عادات و اطوار

پیش لفظ

سردار فتح محمد خان کریلوی کا نام سب سے پہلے ہم نے اس وقت سنا جب انہوں نے راجہ پونچھ کے خلاف اعلان بغاوت کرتے ہوئے 1927ء کے اواخر میں کسٹم چوکیاں جلائیں اوران کی اس بغاوت کو کچلنے کے لئے نہ صرف یہ کہ ریاست پونچھ کی ساری مشینری حرکت میں آ گئی بلکہ مہاراجہ کشمیر نے بھی سردار فتح محمد خان کریلوی کے علاقہ تھکیالہ پراوہ کا محاصرہ کرنے کے لئے جموں سے ڈوگرہ فوج پونچھ بھیجی۔ اس زمانے میں جموں شہر میں بچے بچے کی زبان پر سردار فتح محمد خان کریلوی کا نام تھا اور پونچھ کے علاقے تھکیالہ پراوہ میں ڈوگرہ راج کے خلاف ان کے اعلان بغاوت اور ڈوگرہ حکام کی ان کے اوران کے خاندان کے دوسرے افراد کے خلاف کارروائیوں کے نتیجے میں علاقے میں پیدا ہونے والے بحران کی صدائے بازگشت ریاست بھر میں گونج رہی تھی۔

کریلوی صاحب کے سارے متعلقین گرفتار ہو چکے تھے۔ لیکن کریلوی صاحب ڈوگرہ فوج اور پولیس کے ہاتھ نہیں آ رہے تھے۔ بلکہ وہ خفیہ طور پر اپنی تحریک کو آگے بڑھا رہے تھے۔ اس وقت ریاست میں سیاست نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان ہی ایام میں جب وہ جموں آئے تو چودھری غلام عباس، مستری یعقوب علی، شیخ عبدالحمید، سردار گوہر رحمٰن وغیرہ سے ملے اور راقم کی ان سے ملاقات بھی اس دوران ہوئی اس وقت چودھری غلام عباس وکالت کی تعلیم مکمل کر کے جموں آئے تھے اور پریکٹس کرنے کی سوچ رہے تھے اور شیخ عبداللہ غالباً باغ دلاور خان کے ہائی سکول میں سائنس ٹیچر تھے۔

کریلوی صاحب نے اپنی اس تحریک اور ڈوگرہ بربریت کے بارے میں جموں کے باشعور مسلمانوں سے تبادلہ خیال کیا اور ان سے تعاون کا وعدہ لیا۔ ازاں بعد جب جموں میں یکے بعد دیگر شعائر اسلامی کی توہین کی گئی تو اس پر جموں کے مسلمانوں کا خون کھول اٹھا۔ کئی جگہوں پر زبردست احتجاجی جلسے اور جلوس ہوئے جن میں کریلوی صاحب بھی شامل ہوئے۔ اس کے بعد کریلوی صاحب اور ہمارا طویل سفر شروع ہوا اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ ان سے رفاقت رہی۔

میں نے ذاتی طور پر کریلوی صاحب میں جو خوبیاں اور عظمت دیکھی وہ یہ تھی کہ وہ مقصد کے ساتھ سچی لگن رکھتے تھے۔ ایک بے لالچ اور بے لوث انسان تھے۔ ذاتی مفاد اور تشہیر کا ان کے ذہن میں کبھی کوئی تصور تک نہیں دیکھا۔ وہ جو بات کہتے تھے وہ کر گزرنے کے لئے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔

مسلم کانفرنس کا قیام 1932ء میں عمل میں آیا۔ اس سے پہلے وہ ایک سیاسی رہنما اور مجاہد کی حیثیت سے شہرت پا چکے تھے اور ان کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں احترام کا ایک جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ مسلم کانفرنس کے قیام کے وقت اور اس کے بعد بھی جماعت میں انہوں نے کبھی کسی بڑے عہدے کی خواہش نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ ایک سرفروش رضا کار بن کر جماعت میں رہے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ ہر مشکل وقت میں جماعت کے کام آئے۔ جماعت کی شیرازہ بندی اور احیاء میں بنیادی کردار ان ہی کا تھا۔

1947ء سے پہلے اور بعد کئی مرحلے ایسے بھی آئے کہ کریلوی صاحب جماعت کے صدر یا سیکرٹری جنرل بن سکتے تھے۔ وہ جماعت کے ساتھ وفاداری اور ریاست میں سیاسی جدوجہد کے اعتبار سے چودھری غلام عباس اور شیخ عبداللہ سے سینئر تھے۔ لیکن کسی مرحلہ پر بھی

ان کی طرف سے کسی عہدے کا مطالبہ سامنے نہیں آیا۔ زندگی بھر ان کی یہی ادا رہی۔

1947ء کے دوران وہ ایک مجاہد کی حیثیت سے پونچھ کے کئی محاذوں پر مجاہدین کی قیادت کرتے رہے اور مجاہدین نے ان کی رہنمائی میں کئی علاقے فتح کیے۔ جنگ بندی کے بعد سیاسی عمل شروع ہوا تو کئی مرتبہ وہ آزاد کشمیر کے صدر بھی بن سکتے تھے اور جماعت کی باگ ڈور بھی سنبھال سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس کی کوشش نہیں کی اور پیشکش کو ٹھکرا دیا اور معذرت کی۔ میرے دل میں سردار فتح محمد خان کریلوی کے ان ہی اوصاف کے سبب بے حد عزت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے عظیم کردار کے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ میری تحریک آزادی اور مسلم کانفرنس کی جدوجہد میں ان سے طویل رفاقت رہی اور ان کی ذات اور کردار کا گہرا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔

زیر نظر کتاب سردار فتح محمد خان کریلوی کی سیاسی سوانح عمری ہونے کے ساتھ ساتھ تحریک آزادی کشمیر کی مختصر تاریخ بھی ہے اس کے کئی واقعات مجھے پڑھ کر سنائے گئے ہیں۔ مصنف نے نہایت غیر جانبدارانہ انداز میں ٹھوس تاریخی حقائق کے ساتھ کریلوی صاحب مرحوم کی سیاسی جدوجہد اور مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ جو ہماری قوم خاص کر پڑھی لکھی نوجوان نسل کو تحریک آزادی کے مختلف اہم پہلوؤں اور حقیقتوں سے روشناس ہونے میں بڑی جامع اور ٹھوس راہنمائی فراہم کرسکتی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ ہماری آنے والی نسلوں کو ایسے بزرگوں کی راہوں پر چلنے کی ہمت دے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے کارناموں کو ہمیشہ روشن رکھے۔ آمین

2 جنوری 1995ء اے آر ساغر

از لیاقت روڈ۔ راولپنڈی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

زیر نظر کتاب تحریک آزادی کشمیر کے بانی اور غازی کشمیر سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم ومغفور کی عظیم الشان قومی خدمات کا ایک انتہائی مختصر خاکہ ہے۔ان کی ملکی وقومی خدمات اس قدر ہیں کہ انہیں قلمبند کرنے کے لئے کم وبیش دو ہزار صفحات درکار ہیں۔راقم نے کوشش کی ہے کہ انتہائی اختصار کے ساتھ ان کی شخصیت کا ایک پرتو اوران کی جدوجہد کا مختصر خاکہ قارئین کے سامنے رکھا جائے تاکہ قارئین کرام اندازہ لگا سکیں کہ ہماری ریاست کی آزادی کی جنگ لڑنے اورقومی ترقی کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹانے والے کیسے کیسے لوگ موجود تھے۔

راقم کو سردار فتح محمد خان کریلوی کی سوانح عمری لکھتے ہوئے بعض حیرت ناک پہلو سامنے آئے اورکم وبیش براعظم پاک وہند کی قومی تاریخ میں کوئی دوسرا راہنما ایسا نظرنہیں آتا جس نے اپنے ملک اورقوم کے لئے اس قدر بے لوث خدمت انجام دی ہواورجس نے اپنی ساری زندگی میں ہرطرح کی اہلیت اورموقع میسر ہونے کے باوجود اقتدار سے اس قدر بے نیازی کا ثبوت دیا ہو۔

راقم نے کریلوی صاحب مرحوم کے حالات زندگی لکھتے ہوئے ملک کی جدوجہد آزادی اورسیاسی حالات وواقعات کی تفصیلات بڑی اختصار سے قلمبند کی ہیں اورزیادہ یہی کوشش کی ہے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی سے متعلق واقعات ہی کو پیش کیا جائے۔لیکن سچی بات یہ ہے کہ راقم کریلوی صاحب کی عظیم اورگرامی القدر شخصیت کو اس طرح خراج عقیدت اوران کے کارناموں کو اس انداز سے اجاگر نہیں کرسکا جس کے وہ مستحق تھے۔انہوں نے ساری زندگی کبھی

اپنے بارے میں ایک فقرہ بھی کسی سے لکھوانے کی کوشش نہیں کی اوراس کا میں خود عینی شاہد ہوں کیونکہ راقم نے ان سے دو تین مرتبہ ذاتی طور پر اس خواہش کا اظہار کیا کہ راقم ان کی قومی خدمات کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتا ہے اوراس سلسلے میں وہ ایک تفصیلی انٹرویو دیں تو انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے اللہ کی راہ پر کیا ہے اور ملک وقوم کی خاطر کیا ہے۔اس حوالے سے نہ کسی شہرت کے خواہش مند ہیں نہ کوئی معاوضہ چاہتے ہیں۔اس سے میرے دل میں کریلوی صاحب کے بارے میں جواحترام پیدا ہوااس میں اضافہ اس وقت ہوا جب میں نے ان کے بارے میں قلم اٹھایااوران کے معاصرین سے ان کے بارے میں پوچھا تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ وہ اپنی زندگی اسی فقیرانہ انداز سے حصول مقصد کے لئے گامزن رہےاورانہوں نے کبھی بھی نام ونمود یا اقتدار کی خواہش نہیں کی۔ایک وہ آدمی ہوتا ہے جواس پوزیشن میں نہیں ہوتا کہ اس کو کچھ ملے اور وہ اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہےاورایک وہ جو سب کچھ حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے اور وہ ہر لحاظ سے اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بادشاہ گر ہونے کے باوجود بادشاہت کوٹھکرا دیتا ہے۔کریلوی صاحب ایسے ہی عظیم لوگوں میں شامل تھے۔کاش میں ان کی شان کے شایان ان پر کتاب لکھ سکتا۔تاہم میں نے مخلصانہ انداز میں ایک عظیم قومی شخصیت کے کارناموں کے ان پہلوؤں کواحاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے جو قومی تاریخ کاایک انتہائی قیمتی باب ہیں اور یقیناًیہ کتاب پڑھتے ہوئے سب سے پہلی بار آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ تحریک آزادی کے بانی سردار فتح محمد خان کریلوی ہی ہیں۔اس میں شک نہیں کہ 1832ء میں پونچھ پر ڈوگروں نے حملہ کیااور پھر ۱۸۹۹ء کے لگ بھگ سردار بہادر علی خان نے ڈوگرہ راجہ پونچھ کے خلاف حقوق ملکیت کی تحریک چلائی۔وہ تحریکیں وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئیں اور جس تحریک کا آغاز 28-1827ء میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے کیا۔اسی تحریک

کے نتیجے میں وادی کشمیر میں بیداری پیدا ہوئی اور پھر 1932ء میں جس کی وجہ سے جموں کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ آزادی کی اسی تحریک کا نتیجہ تھا کہ باقی مسلمانوں کے دلوں سے ڈوگرہ بربریت کا خوف وہراس ختم ہوا اور مسلمان آزادی کی طرف بڑھنے لگے۔ اسی تحریک کے نتیجے میں 1947ء میں ریاست میں انقلاب برپا ہوا اور ریاست میں جنگ آزادی لڑی گئی۔

مرحوم سردار فتح محمد خان کریلوی کے ورثاء میں 6 بیٹے، سابق صدر سردار سکندر حیات خان، ممبر قانون ساز اسمبلی سردار محمد نعیم خان، پرنسپل ڈگری کالج فتح پور سردار سرفراز خان، سردار فیض محمد خان، سردار نواز خان اور سردار آفتاب خان ہیں۔

سردار سکندر حیات خان کے دونوں بیٹے سردار فاروق سکندر اور سردار طارق سکندر پنجاب یونیورسٹی سے لاء گریجویٹ ہیں اور پیشہ وکالت سے وابستہ ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس خاندان کی خاندانی روایات کو سردار سکندر حیات خان نے برقرار رکھا اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں آپ سردار سکندر حیات خان کے حالات زندگی بھی پوری تفصیل سے پڑھیں گے۔

سید محمود آزاد

ازہاڑی گہل ضلع باغ

اظہار تشکر

سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم کے حالات زندگی پر مشتمل کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہم نے ان کے ذاتی ریکارڈ اور دستاویزات بالخصوص کشمیر اسمبلی پرجا سبھا میں ان کی تقاریر کی کارروائیوں (جن کا 12 سالہ ریکارڈ مرحوم کی ہدایت پر پبلک لائبریری جلال آباد مظفر آباد میں محفوظ کیا گیا ہے) کے علاوہ بعض اخبارات و جرائد کی تحریروں اور مرحوم کے ہم عصر بزرگوں، ساتھیوں، سیاسی راہنماؤں کے تاثرات اور فوٹو گرافر دوستوں کی تصاویر سے بھی استفادہ کیا ہے جس پر ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی کی سوانح حیات کے مختلف ابتدائی اور اہم پہلوؤں کو مرتب کرنے میں ہم نے مرحوم راہنما کے اس طویل تاریخی انٹرویو (جو سردار علی شان جہال نے ان سے مارچ 1988ء میں لیا تھا اور اس کی آڈیو ریکارڈنگ ہمارے پاس محفوظ ہے) سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے، اہم تصاویر اور دستاویزات بھی شامل کی گئی ہیں جس کے مطالعہ سے یقیناً ہماری نئی نسل اپنی قومی سیاست اور تاریخ کے اہم پہلوؤں سے روشناس ہوگی۔

مصنف

غازی کشمیر

سردار فتح محمد خان کریلوی

سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم و مغفور کی داستان حیات ایک بہادر' نڈر اور سرفروش مجاہد کی سوانح عمری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مجبور و محکوم قوم کی تاریخ بھی ہے ایسی قوم کی تاریخ جسے معاشی' اقتصادی' صنعتی، تعلیمی اور تجارتی میدان میں پسماندہ رکھ کر زندہ درگور کر دیا گیا تھا اور جس کی زبان پر حاکمان وقت کے خلاف کسی قسم کی شکایت نہ آ سکتی تھی ایسی قوم جو غلامی اپنا مقدر بنا چکی تھی اور جس کے دل میں رات دن حاکمانِ وقت کا خوف طاری رہتا تھا۔

یہ تھی پونچھ کی سرزمین جہاں مسلمان 98 فیصد تھے اور دو فی صد ڈوگرے اور ہندو ان پر حکومت کرتے تھے اگر ہم سرزمین پونچھ کے ماضی کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالیں تو اندارہ ہوگا کہ ماضی میں اس ملک کی سیاسی حد بندیاں مختلف رہی ہیں۔ جب کشمیر میں کوئی مضبوط حکومت قائم ہوتی تھی تو وہ اپنی طاقت سے اس علاقہ کو کشمیر کے ساتھ ملحق کر لیتی تھی اور جب کشمیر کی حکومت کمزور پڑتی تھی تو ملک کے زیریں حصہ پر پوٹھوار کے راجے حکومت کرنے لگتے تھے اور بعض دفعہ یہاں کے مقامی باشندے بھی متحد ہو کر یہاں اپنی حکومت قائم کر لیتے تھے جسے کوٹہ راج کہا جاتا تھا۔ 1586ء میں جب اکبر بادشاہ نے کشمیر کو اپنی وسیع سلطنت کا ایک صوبہ بنایا تو اس نے

پونچھ کی حکومت کا پروانہ کہوٹہ کے ایک راٹھور چودھری سراج الدین کے نام جاری کر دیا۔ سراج الدین کے بعد سرزمین پونچھ کے بالائی حصہ پر اس خاندان سے راجہ فتح محمد خان 1646ء تا 1700ء راجہ عبدالرزاق خان 1701ء تا 1747ء راجہ رستم خان 1747ء تا 1787ء راجہ شہباز خان 1787ء تا 1792ء راجہ بہادر خان 1792ء تا 1798ء حکومت کرتے رہے اور زیریں حصہ پر پونچھ کے قبائل بھی ان کو اپنی زمینوں کا لگان ادا کرتے رہے۔ اس وقت تک راجگان راٹھور کی حکومت صرف کہوٹہ اور سدھروں تک رہ گئی تھی اور ملک کے باقی حصہ پر بھی یہاں کے مقتدر قبائل قابض ہو چکے تھے۔

1819ء میں جب کشمیر پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قبضہ کیا تو سدھروں کے راٹھور راجاؤں نے کشمیر کے سکھ صوبیدار کو اپنے علاقہ کا لگان دینا منظور کیا مگر زیرین حصہ کے قبائل بدستور خودسر رہے۔ 1832ء میں جب لاہور دربار کی طرف سے پونچھ کا سولہ سو مربع میل رقبہ ڈوگرہ راجا ہیرہ سنگھ کو جاگیر کے طور پر ملا تو والیان سدھروں و کہوٹہ نے ڈوگرہ راجہ کی اطاعت کر لی مگر پونچھ کے زیریں حصہ پر قابض قبائل نے ڈوگروں کو خراج دینے سے انکار کر دیا جس کے نتیجہ میں ڈوگرہ راجا گلاب سنگھ نے 1832ء کے لگ بھگ تحصیل سدھنوتی کے زیریں حصہ پلندری اور منگ وغیرہ پر حملہ کیا جس میں سدھن قبیلہ کے ہزاروں لوگ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور اس قبیلہ کے دو سرداروں ملی خان و سبز علی خان کے زندہ جسموں سے کھالیں اتار دی گئیں۔

ملدیال قبیلہ کے سردار شمس خان اور راجولی خان نے بھی ڈوگرہ راجا کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا تھا جب گلاب سنگھ سدھنوتی میں قتل عام کرانے کے بعد باغ پہنچا تو اس نے راجا شیرباز خان والی سدھروں کے نام حکم بھیجا کہ شمس خان اور راجولی خان کو گرفتار کر کے

میرے حضور پیش کرو ورنہ تمہارا حشر بھی ملی خان اور سبز علی خان جیسا ہوگا چنانچہ شمس خان اور راجولی خان کو دھوکے سے شہید کیا گیا اور جب ان دو بہادر مجاہدوں کے سر مہاراجہ گلاب سنگھ کو پیش کیے گئے تو اس نے یہ دونوں سر بھمبر کے مقام پر لوہے کے پنجروں میں رکھوائے تاکہ اس طرف کے قبائل میں ڈوگرہ حکومت کی دھاک بیٹھ جائے اس دوران ڈوگرہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے جموں کا علاقہ بھی جاگیر کے طور پر لے لیا تھا اور اب اس کی نظریں کشمیر پر تھیں۔

ڈوگرہ خاندان: ڈوگرہ خاندان کے تین بھائیوں سوچیت سنگھ، گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ نے معمولی حیثیت سے ترقی کر کے لاہور دربار میں عروج حاصل کیا تھا اور پونچھ کا علاقہ دھیان سنگھ کے بیٹے ہیرا سنگھ کو جاگیر کے طور پر ملا تھا جب لاہور کی خانہ جنگی کے دوران گلاب سنگھ کے بھائی بھتیجے اور بیٹا ادھم سنگھ مارے گئے تو دھیان سنگھ کے دوسرے دو بیٹے موتی سنگھ اور جواہر سنگھ ریاست پونچھ کے وارث تھے۔ لیکن گلاب سنگھ نے 1846ء میں 75 لاکھ نانک شاہی سکوں کے عوض معاہدہ امرتسر کے تحت انگریزوں کے ساتھ کشمیر کا سودا کیا تو اس نے چالاکی سے یہ سارا پہاڑی علاقہ راجوری اور پونچھ وغیرہ بھی معاہدہ میں شامل کرا لیا اور اس طرح وہ ہیرا سنگھ کی جاگیر کا بھی مالک بن گیا۔

جواہر سنگھ اور موتی سنگھ ابتدا میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس جموں میں رہے اور ریاست پونچھ کی ساری آمدن مہاراجہ گلاب سنگھ کے خزانے میں جمع ہوتی رہی کچھ عرصہ بعد جب جواہر سنگھ اور موتی نے اپنے بھائی ہیرا سنگھ کی ریاست کا مطالبہ کیا تو گلاب سنگھ نے اپنی طرف سے ان کو ریاست پونچھ بطور جاگیر دینے کا وعدہ کیا کیونکہ معاہدہ امرتسر کی رو سے اب پونچھ کے علاقہ کا وارث گلاب سنگھ تھا اور وہ موتی سنگھ اور جواہر سنگھ کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتا تھا۔

ان دونوں بھائیوں نے برطانوی ریذیڈنٹ کے پاس لاہور میں دعویٰ دائر کیا مگر انہیں ناکامی ہوئی اور بالآخر انہیں مہاراجہ گلاب سنگھ کی شرائط ہی تسلیم کرنی پڑیں۔

1909ء بکرمی کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے خود موتی سنگھ کو راج تلک دے کر پونچھ کی حکومت عطا کی اور جواہر سنگھ کو جسروٹہ کا علاقہ جاگیر کے طور پر دیا گیا جیسا کہ سطور گزشتہ میں ذکر آچکا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے سدھنوتی کے علاقہ میں بے تحاشا خونریزی کے بعد ریاست پونچھ پر قبضہ کیا تھا اس نے اس علاقہ کا سول نظم ونسق برقرار رکھنے کے لئے جموں سے ڈوگرہ افسر متعین کئے جن میں اکثر مہاراجہ کے رشتہ دار تھے اور ان کو مہاراجہ گلاب سنگھ کی طرف سے ہدایت تھی کہ ریاست پونچھ کے مسلمانوں کو خوفزدہ اور حراساں رکھا جائے تاکہ یہ کسی طرح بھی متحد ہو کر ڈوگرہ حکومت کے خلاف آواز نہ بلند کر سکیں اس کے ساتھ ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکمت عملی یہ تھی کہ یہاں کے مسلمانوں کو بھوک اور افلاس میں مبتلا رکھا جائے تاکہ یہ حکومت کے سامنے سر نہ اٹھا سکیں۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے لوگوں سے زرعی اراضیات کا لگان وصول کرنے کے لئے نمبرداری نظام رائج کیا اور اس طرح بہت تھوڑی مدت میں ڈوگروں کو ریاست پونچھ کے کونے کونے سے نمبرداروں کا ایک ایسا گروہ ہاتھ آگیا جو حکومت کے مکمل وفادار تھے اور جہاں بھی کسی بڑے ڈوگرہ افسر کو بیگاریوں کی ضرورت ہوتی تھی نمبردار افلاس زدہ لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر لے جاتے اور کئی کئی دنوں تک ان مظلوموں سے بیگار میں کام کرایا جاتا تھا مہاراجہ گلاب سنگھ نے پونچھ کی اکثر زرخیز زمین اپنے رشتہ داروں کو جاگیر کے طور پر دے دی تھیں اور ڈوگرہ جاگیرداران زمینوں کی کاشت مسلمانوں سے بیگار کے طور پر کرایا کرتے تھے۔

اگر کوئی مسلمان زمیندار بروقت زمین کا مالیہ ادا نہ کرے تو نمبردار کو یہ اختیار تھا کہ وہ

اس کا مال مویشی نیلام کر کے سرکاری خزانے میں مالیہ داخل کرائے اس میں کسی قسم کی پس وپیش نہ ہو سکتی تھی مہاراجہ گلاب سنگھ نے پونچھ کا قبضہ لینے کے بعد ایمن آباد کے ایک ہندو دھنپت رائے کو پونچھ کا وزیر مقرر کیا تھا اور اسے شدت سے یہ ہدایت تھی کہ وہ پونچھ کے مسلمانوں کو پسماندہ رکھنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرے اور نمبرداروں کے گروہ کو حوصلہ افزائی کر کے قابو میں رکھے۔

راجہ موتی سنگھ کے پونچھ آنے سے پہلے یہاں یہی نظام رائج تھا جب موتی سنگھ نے پونچھ کی راج گدی سنبھالی تو اس نے بھی ان قوانین پر سختی سے عمل کیا اس نے ریاست پونچھ کے محصولات کی تمام چنگیوں کا ٹھیکہ جہلم کے ایک تاجر ہاڑا سنگھ کو دیا جس نے مختلف مقامات سے سودی کاروبار کرنے والے ہندو تاجر بلا کر پونچھ کے مرکزی مقامات پر بسائے اور پھر ان کی دیکھا دیکھی سود خوروں نے پونچھ کے کونے کونے میں دکانیں کھول لیں۔ راجہ موتی سنگھ کے بعد 1945ء بکرمی میں راجہ بلدیو سنگھ اس کا جانشین ہوا اور اس کے برسر اقتدار آنے تک ریاست پونچھ کے تمام مسلمان ڈوگرہ حکام اور سود خور تاجروں کے چنگل میں پھنس چکے تھے۔ راجہ موتی سنگھ کے زمانے تک پونچھ میں تعلیم و تعلم کا کوئی رواج نہ تھا البتہ راجہ بلدیو سنگھ نے چند دیہات میں پرائمری سکول اور شہریوں میں ایک ہائی سکول قائم کرایا۔

اس وقت کشمیر کی ڈوگرہ حکومت اراضیات کی پیمائش کرا رہی تھی راجہ بلدیو سنگھ نے بھی بندوبست شروع کرایا اور حکمت عملی یہ اختیار کی کہ خانہ ملکیت میں راجہ کا نام لکھا جائے اور مالکان اراضی کو کاشتکار کی حیثیت دی جائے۔ راجہ بلدیو سنگھ کی اس جارحانہ کارروائی کے خلاف سدھنوتی میں سردار بہادر علی خان نے آواز بلند کی اس نے اپنے قبیلہ سدھن کے علاوہ دوسرے قبائل کا بھی تعاون حاصل کیا سردار بہادر علی خان کی اس جدوجہد میں کریلوی صاحب مرحوم کے

چچا سردار نوازش علی خان نقشبندی بھی شامل ہیں اور راجہ پونچھ بلدیو سنگھ کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں رٹ دائر کی مگر بہت ہی جلد راجہ بلدیو سنگھ نے اپنے خیر خواہوں کے ذریعہ سردار بہادر علی خان کو زہر دلوا کر شہید کرا دیا اس رٹ سے ریاستی مسلمانوں کو اس قدر فائدہ ضرور ہوا کہ راجہ پونچھ نے خانہ ملکیت میں زمیندار کا نام لکھوا کر لوگوں کے حقوق ملکیت تسلیم کر لئے۔ راجہ بلدیو سنگھ کے بعد 1977ء بکرمی میں راجہ سکھدیو سنگھ برسر اقتدار آیا جو ابھی لاہور چیفس کالج میں زیر تعلیم تھا اور اس کی جگہ ایک سپیشل ریذیڈنٹ انگریز کاروبار حکومت انجام دیتا رہا جب راجہ سکھدیو سنگھ نے تعلیم سے فارغ ہو کر حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے رفاع عامہ کے کاموں کی طرف بھی توجہ دینے کی کوشش کی۔ مگر جموں کے ڈوگرہ کا جو گروہ حکومت کے تمام عہدوں پر قابض تھا وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں مارنا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے راجہ سکھدیو سنگھ کے جذبات سرد پڑ گئے۔ اس وقت مہاراجہ پرتاب سنگھ نے مرنے کے بعد کشمیر میں 1925ء میں مہاراجہ ہری سنگھ برسر اقتدار آ چکا تھا اور اس نے حکمران بنتے ہی اس طرف توجہ دینی شروع کی کہ وہ راجہ پونچھ کو موقوف کر کے ریاست کا الحاق کشمیر کے ساتھ کر دے لیکن اس کی یہ سازش برطانوی حکام نے کامیاب نہ ہونے دی۔ راجہ سکھدیو سنگھ کے بعد 1984ء بکرمی میں راجہ جگدیو سنگھ پونچھ کا حکمران ہوا اور یہ وہ زمانہ تھا جب سردار فتح محمد خان کریلوی نے ڈوگرہ بربریت کے خلاف اعلان جہاد کرتے ہوئے اپنے آپ کو ملک اور قوم کی خدمت کے لئے وقف کیا اور اس راہ پر چلتے ہوئے نہ صرف انہیں بلکہ ان کے سارے خاندان کو زبردست آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

خاندانی پس منظر: قبل اس کے ہم سردار فتح محمد خان کریلوی کے مجاہدانہ کارناموں کا احاطہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خاندانی تاریخ کے بھی کچھ درخشندہ اوراق پیش نظر رکھے جائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے ماحول سے کس حد تک متاثرہ تھے اور

بہادری شجاعت اور دلیری کا کتنا حصہ انہیں خاندانی طور پر ورثے میں ملا تھا۔ پنجاب کے بالائی حصوں بالخصوص بھمبر اور اس کے نواحات میں صدیوں سے آباد جیب راجپوتوں کا ذکر ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ نے اپنی گراں قدر کتاب تاریخ راجپوتان پنجاب میں بڑی تفصیل سے کیا ہے اور ان حالات سے منشی محمد دین فوق نے استفادہ کرتے ہوئے چبوں اور ان کی شاخ دوئمالوں کا ذکر اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ میں بالوضاحت کیا ہے منشی محمد دین فوق نے سردار فتح محمد خان کریلوی کے خاندانی حالات لکھتے ہوئے سر لیپل گریفن کی مشہور کتاب پنجاب چیفس سے بھی مدد لی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ کے صفحہ 161-163 پر لکھا ہے کہ موضع کریلہ داخلی مچیان میں سردار اللہ دتہ خان ایک بزرگ گزرے ہیں جو والی پونچھ راجہ موتی سنگھ کے زمانے میں اعزاز رکھتے تھے اور انہیں راجہ بلدیو سنگھ کے زمانے میں سردار کا خطاب ملا تھا۔

سردار اللہ دتہ خان ایک بے حد مخیّر اور دین دار شخص تھے انہوں نے اپنے قرب و جوار میں جہاں دینی تعلیم کے فروغ کے لئے بے حد کوشش کی وہاں فلاح عامہ کے کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جس کا اعتراف ڈوگرہ افسروں اور اہلکاروں نے بھی کیا ہے انہوں نے اپنی کوشش اور دلی لگن سے کئی دینی مدرسے قائم کرائے تا کہ مسلمانوں کے بچے دینی تعلیم حاصل کر سکیں ان کا سلسلہ بیعت قادریہ نوشاہیہ سلسلہ سے تھا اور اس لحاظ سے انہیں اپنے علاقہ میں ایک روحانی رتبہ بھی حاصل تھا وہ منکسر المزاج اور مسکین طبع بزرگ تھے ان کے والد راجہ رستم خان کی لوح تربت پر لفظ مسکین کندہ ہے جو آج بھی پڑھا جاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سردار اللہ دتہ خان پر اپنے والد گرامی کا اثر غالب تھا اور یہ لوگ بڑے حلیم الطبع تھے۔

سردار اللہ دتہ خان کے والد کا نام رستم خان تھا اور یہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں جموں میں تحصیل دار تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ ان کی دل سے قدر کرتے تھے۔ سردار فتح محمد خان

کریلوی مرحوم کے ذاتی کاغذات میں مہاراجہ جموں کشمیر کا ایک خط راجہ موتی سنگھ کے نام ہے جس میں راجہ پونچھ سے کہا گیا ہے کہ وہ رستم خان کی اراضیات کا نہ صرف خاص خیال رکھیں بلکہ اس خط میں یہاں تک تحریر ہے کہ مہاراجہ کشمیر نے راجہ پونچھ کو سردار رستم خان کی زمین سے گھاس کٹانے تک کی ہدایت کی سردار رستم خان جموں میں بحیثیت تحصیلدار کتنا عرصہ متعین رہے اس کا کوئی واضح ریکارڈ نہیں البتہ جب راجہ موتی سنگھ نے ریاست پونچھ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کی دعوت پر سردار رستم خان پونچھ چلے آئے اور یہاں کئی سرکاری ذمہ داریاں اس سے متعلق ہو گئیں رستم خان کے والد کا نام منور خان تھا اور ان کے والد مرزا خان تھے اور یہی مرزا خان دوٹمالان کریلہ مجہان کے جد اعلیٰ تھے اور اسی وجہ سے دوٹمالوں کی اس شاخ کو مرزیال بھی کہتے ہیں۔

دوٹمال راجپوتوں کے حالات فوق نے اس خاندان کے قلمی شجروں اور سینہ بہ سینہ چلی آنے والی روایات کی روشنی میں لکھے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ چب اور دوٹمال یک جدی ہیں اور ان کا سلسلہ نسب بھی وہی ہے جو حضرت بابا شادی شہید کا ہے شجرہ کی روشنی میں دوٹمال راجپوت حضرت بابا شادی شہید کے برادر دوئم پرپ چند کی شاخ سے ہیں جس نے حضرت بابا شادی شہید کے شہید ہونے کے بعد دین اسلام قبول کیا تھا۔

جب انہوں نے کسی مسلمانوں بزرگ کی دعوت پر دین اسلام قبول کیا تو حضرت بابا شادی شہید کے برادر دوئم ہونے کے نسبت سے ان کا نام ہی دوئم خان ہو گیا اس نے مسلمان ہونے کے بعد بھمبر کی حکومت ترک کر دی کیونکہ اس کے دائرہ اسلام میں آنے کے بعد دوسرے تمام راجپوت ان سے خار کھاتے تھے اسی وجہ سے وہ راجوری کی طرف چلا آیا اور یہاں اقامت اختیار کر لی منشی محمد دین فوق لکھتے ہیں کہ راجوری میں راجہ دوئم خان کے محلات کے آثار موجود

ہیں۔جنہیں وہاں راجدھانی کہا جاتا ہے اور راجہ دوئم خان کا مقبرہ بھی اسی جگہ موضع ناڑ وانی داخلی راجدھانی راجوری میں موجود ہے جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے اور قرب وجوار کے لوگ بڑی تعداد میں یہاں حاضر ہو کر بچوں کی موتراشی کی رسم ادا کرتے ہیں۔راجوری کے علاقہ رام گڑھ' تھکیالہ' پڑاوہ علاقہ پونچھ اور پہاڑی پیر سید فضل شاہ کے ملحقات بڑی تعداد میں دوئمال آباد ہیں جن کا نسبی تعلق راجہ دوئم خان کے تین بیٹوں راجہ کمان خان' راجہ بیرونی خان اور راجہ مولاداد خان کی شاخوں سے ہے۔سردار مولاداد خان کی شاخ کے لوگ موضع کریلہ مجہان میں آباد ہیں جس کی پانچویں پشت سے سردار سورج خان ہوئے ہیں ان کے پانچ فرزندوں سردار روپال خان' سردار گکھر خان' سردار ماکو خان سردار بوہر خان اور سردار گوہر خان کی شاخوں کے لوگ یہاں بڑی تعداد میں آباد ہے اور علاقہ پڑاوہ میں سردار روپال خان کی ایک شاخ موضع کریلہ مجہان اور کھنڈار میں بھی آباد ہیں اور علاقہ پڑاوہ میں بوہر خان کی شاخ آباد ہے۔تھکیالہ پڑاوہ بنیادی طور پر جموں کا حصہ اور بعد میں بطور مستاجری اس علاقے کو پونچھ کے ساتھ شامل کیا گیا تھا۔

سطور گزشتہ میں جن بزرگ سردار اللہ دتہ خان کا ذکر ہوا ہے ان کا تعلق انہی شاخوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہے۔سردار اللہ دتہ خان کے چار فرزندوں سردار سیف علی خان ،سردار عطاء اللہ خان اور سردار نوازش علی خان سے سردار فرز خان بڑے تھے سردار فرز خان کے چار بیٹے سردار فتح محمد خان کریلوی' سردار غلام محمد خان ،سردار سرور خان اور سردار محمود احمد خان تھے۔مگر سردار فتح محمد خان کریلوی نے جو مجاہدانہ اور سرفروشانہ کارنامے انجام دیئے انہی کے سبب اس پورے خاندان کا نام روشن ہوا اور خود سردار فتح محمد خان کریلوی نے بے مثال شہرت حاصل کی جس کا تفصیلی تذکرہ آگے آئے گا۔

خاندانی پس منظر پر نگاہ ڈالیں تو یہ بات بلاشبہ تسلیم کرنی پڑے گی کہ اپنے علاقہ میں سردار فتح محمد خان کریلوی کا خاندان کئی پشتوں سے باعزت اور باوقار چلا آ رہا تھا اور خاندانی حشمت اور اقتدار کا پرتو سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم کی ذات میں شروع سے ہی موجود تھا اور یہی وہ جوہر تھا جس نے سردار فتح محمد خان کریلوی کے دل میں بہادری اور شجاعت کے جذبات ابھارے اور انہیں کسی مرحلہ پر بھی احساس کمتری یا احساس محرومی کا شکار نہیں ہونے دیا۔ بقول ایک ہندو جرنلسٹ ماسٹر روشن لال ایڈیٹر روزنامہ سچ جموں مقبوضہ کشمیر سردار فتح محمد خان کے جسم میں اللہ کے خوف کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ (ایڈیٹوریل نوٹ)

سردار فتح محمد خان کریلوی کے خاندانی ریکارڈ میں کئی دعوت نامے ایسے ہیں جوان کے بزرگوں کو والیان ریاست پونچھ کی طرف سے ارسال کئے جاتے تھے۔ راجہ پونچھ کے ہاں سرکاری طور پر جو تقریب بھی منعقد ہوتی تھی اس خاندان کے افراد کو ضرور مدعو کیا جاتا تھا اور وہاں ان کے خاندانی مقام و مرتبے کے مطابق ان کی پذیرائی کی جاتی تھی سردار رستم خان اس دور کے لحاظ سے ڈوگرہ سرکار میں ایک معزز عہدہ فائز رہتے تھے ان کے فرزند سردار اللہ دتہ خان اپنے علاقہ میں بھی معزز تھے اور ڈوگرہ دربار میں بھی ان کی قدر و منزلت تھی اور پھر سردار فتح محمد خان کریلوی کے والد گرامی سردار فروز خان بھی اپنے وقت میں نامور شخصیت کے مالک تھے اور ہمیشہ اپنے علاقہ کی ترقی اور بہتری کے لئے کوشاں رہتے تھے کریلہ منڈھیر کے قریب ان کا بنوایا ہوا وہ تالاب اب تک موجود ہے جس کا پانی اس سارے علاقے کے لوگ استعمال کرتے تھے اور یہ روایت بھی عام ہے کہ سردار فیروز خان اپنے علاقے کے تمام جھگڑوں تنازعوں کے فیصلے خود ہی کیا کرتے تھے اور اس لحاظ سے سردار فروز خان کو اپنے علاقہ میں ایک سربراہ کی حیثیت حاصل تھی۔

سردار فتح محمد خان کریلوی: مصدقہ روایات اور خاندانی ریکارڈ کے مطابق سردار فروز خان کے گھر 1899ء میں سردار فتح محمد خان کریلوی پیدا ہوئے۔ پونچھ میں یہ راجہ بلدیو سنگھ کے اقتدار کا زمانہ تھا جو 1892ء سے لے کر 1918ء تک رہا سردار فتح محمد خان کریلوی نے ابتدائی تعلیمی مراحل نہایت کامیابی سے طے کیے اور جیسا کہ انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ ان دنوں انہوں نے پوری ریاست پونچھ میں پرائمری میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہیں کشتی اور کبڈی سے بھی خاص دلچسپی تھی اور اپنے ہم عمر لڑکوں کو پچھاڑ دیا کرتے تھے کیونکہ وہ ابتدائی عمر میں ہی بڑے صحت منداور طاقتور تھے اور خاندانی وجاہت وحشمت ان کے چہرے سے ٹپکتی تھی اس کے ساتھ ساتھ بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو حساس دل اور متجسس دماغ دیا تھا خاندانی طور پر وہ ایک آسودہ حال گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن اپنے گردو پیش میں پھیلے ہوئے افلاس، غربت اور جہالت کا بھی مشاہدہ کیا کرتے تھے۔

جیسا کہ اوراق گزشتہ میں ذکر آچکا ہے کہ ریاست پونچھ میں سب سے بڑا عذاب نمبرداری نظام تھا جس کے چنگل میں ریاست پونچھ کے مسلمان جکڑے ہوئے تھے دوسرا عذاب اس ملک میں وہ ہندو تاجر تھے۔ جنہوں نے سودی کاروبار کا جال بچھا کر معاشی اور اقتصادی طور پر لوگوں کو مفلوج کر رکھا تھا اور تیسرا عذاب ڈوگرہ حکام کا مسلمانوں کے ساتھ توہین آمیز رویہ تھا اور ان ساری باتوں کو سردار فتح محمد خان کریلوی نے پوری شدت سے اس وقت محسوس کرنا شروع کیا تھا جب وہ زیر تعلیم تھے اور ان کی عمر 13-14 سال تک تھی۔

ڈوگرہ پولیس میں: لیکن یہ بات حیران کن ہے کہ جب وہ مروجہ تعلیم سے فارغ ہوئے اور سن شعور میں قدم رکھے تو مقدر انہیں ڈوگرہ پولیس کی ملازمت کی طرف لے گیا اس بارے میں روایات کے علاوہ ان کا اپنا کہنا یہ تھا کہ ابتدا سے ہی وہ نہایت صحت منداور مضبوط قدو قامت

کے مالک تھے جو شخص انہیں دیکھتا تھا یہی کہتا تھا کہ یہ نوجوان محکمہ پولیس کے لئے نہایت مناسب وموزوں ہے لوگوں کی اس قسم کی آراء نے ان کے دل میں یہ خواہش ڈالی کہ وہ محکمہ پولیس میں بھرتی ہوں خوبصورت وردی زیب تن کریں اور خوبصورت دکھائی دیں سردار فتح محمد خان' کریلوی نے ایسا ہی کیا لیکن قدرت کاملہ نے ہاتھ توڑنے اور مظلوم کے سامنے سپر بننے کے لئے پیدا کیا تھا پولیس کی ملازمت تو محض ایک امتحان تھا اور ایک ایسا تجربہ جو آگے چل کر قدم قدم پر سردار فتح محمد خان کریلوی کے کام آیا۔

1919ء میں وہ ریاستی پولیس میں ملازم ہوئے اور ابتدائی تربیت نہایت محنت وجانفشانی سے حاصل کی مختلف مقامات پر متعین رہ کر وہ خدمات بھی بجالاتے رہے اور ڈوگرہ حکام کا طرز عمل بھی دیکھتے رہے کہ ڈوگرہ حکام کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ اور توہین آمیز تھا اور مسلمانوں کو خوفزدہ حراساں رکھنے کے لئے یہ ان کی پالیسی تھی تاکہ مسلمان دبے دبائے رہیں لیکن ڈوگرہ راجہ پونچھ کے تمام چھوٹے بڑے افسر اس کے حکم اور پالیسی سے زیادہ ہی مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے تھے راجہ پونچھ کے وضع کردہ بعض قوانین انتہائی انسانیت سوز تھے مثلاً اگر کوئی شخص کسی جنگلی درندے کو مارے تو اس کے خلاف باقاعدہ قتل کا مقدمہ درج ہوتا تھا حتیٰ کہ شیر ریچھ اور اسی طرح کے دوسرے جانوروں سور وغیرہ کے بارے میں بھی سور رکھشا کا قانون رائج تھا گویا اگر کوئی شخص سور کو مارے تو اس کے خلاف بھی قتل کا مقدمہ درج ہوتا تھا اور اس قسم کے دلخراش مناظر سردار فتح محمد خان کریلوی ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتے تھے سردار فتح محمد خان فطری طور پر ایک بہادر اور صاف باطن انسان تھے۔ بہادر اور شجاع آدمی کسی کمزور انسان پر زیادتی ہوتے نہیں دیکھ سکتا اس کا خون کھول اٹھتا ہے لیکن سرکاری ملازمت کے سبب وہ اپنے دل پر جبر کر لیتے تھے مگر بعض دفعہ مظلوم کے حق میں ظالم کے

ساتھ الجھ بھی پڑتے تھے۔

پھلور میں تربیت: اس زمانے میں محکمہ پولیس میں ترقی پانے کے لئے پھلور سے تربیت حاصل کرنی پڑتی تھی اور پھلور پورے ہندوستان میں سب سے بڑی پولیس اکیڈمی تھی جہاں چند منتخب پولیس افسروں کو ہی داخلہ ملتا تھا اپنے مضبوط قد و قامت اور وجاہت کے سبب سردار فتح محمد خان کریلوی کو بھی تربیت حاصل کرنے کے لئے اس اکیڈمی میں بھیجا گیا جہاں انہوں نے بڑی محنت اور کامیابی سے سارے کورس پاس کئے اور اس دور میں تربیت حاصل کرنے والے سارے گروپ میں پہلی پوزیشن حاصل کی اس شاندار کامیابی پر پھلور اکیڈمی کے منتظمین نے انہیں اپنے ادارہ میں بطور افسر انسٹرکٹر لینے کا ارادہ کیا اور حکومت پونچھ سے باقاعدہ اجازت مانگی لیکن راجہ پونچھ نے اجازت نہ دی اور سرکاری طور پر جواب لکھا کہ ایسے قابل پولیس افسر کی ضرورت ہماری ریاست کو آپ سے زیادہ ہے۔

پھلور کے دوران قیام ایک طرف انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ تربیت کی طرف پوری پوری توجہ دی اور دوسری طرف وہ ہندوستان کے سیاسی نشیب و فراز کا مشاہدہ بھی کرتے رہے پھلور میں ہندوستان پنجاب کے تمام حصوں سے پولیس افسر تربیت حاصل کرتے تھے سردار فتح محمد خان کریلوی ان افسروں سے مل کر تبادلہ خیال کیا کرتے تھے ان سے ان کے علاقہ کے سیاسی، معاشی، تعلیمی اور اقتصادی حالات پر گفتگو کرتے اور پھر اس کا موازنہ اپنی پسماندہ ریاست کے حالات سے کرتے اس کے ساتھ ساتھ پھلور کی تربیت گاہ میں ہندوستان پنجاب کے سارے اخبارات اور رسائل آتے تھے جن کا مطالعہ کریلوی صاحب بڑی توجہ سے کرتے رہے۔

انہوں نے اپنی اس دور کی دلچسپیوں اور مشاغل پر کئی دفعہ روشنی ڈالی اور بتایا کہ ان کے دل میں قومی خدمت کا جذبہ درحقیقت پھلور ہی کے دوران قیام پیدا ہوا اور مختلف علاقوں سے

آئے ہوئے زیر تربیت پولیس افسروں سے تبادلہ خیال نے ان کی ذات میں فکری انقلاب پیدا کیا پھلور کی اس عظیم الشان اکیڈمی میں ہندوستان کی اکثر ریاستوں سے بھی بڑی تعداد میں پولیس افسر تربیت حاصل کرنے آتے تھے اس طرح سردار فتح محمد خان کریلوی کو دوسری ریاستوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے کا موقع ملا اور اندازہ ہوا کہ ریاست پونچھ اور جموں کشمیر کے علاوہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں لوگ کسی طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں اور وہاں کے والیان ریاست کا اپنی رعایا کے ساتھ کیا سلوک ہے اور ان کے داخلی اختیارات وقوانین کیا ہیں اس کا اکثر ذکر کریلوی صاحب خود بھی کیا کرتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی آئندہ زندگی اور طرز عمل کا خاکہ پھلور میں قیام کے دوران مرتب کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ جس پہلو پر انہوں نے کئی دفعہ روشنی ڈالی وہ یہ تھا کہ وہ پھلور کے دوران قیام کانگریس، مسلم لیگ اور مجلس احرار کے جلسوں میں بڑی باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے اور انہیں ہندوستان کے نامی گرامی لیڈروں کو قریب سے بھی دیکھنے کا موقع ملا وہ ان کی تقریریں بھی غور سے سنتے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی پھلور میں رہ کر ایک طرف پولیس کے قواعد وضوابط سیکھتے رہے اور دوسری طرف سیاسی جلوسوں میں شرکت کرکے سیاسی تربیت بھی حاصل کرتے رہے یہ اس تربیت ہی کا فیض تھا کہ وہ ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے خم ٹھونک کر میدان میں آئے اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی انہیں خوفزدہ یا ہراساں نہ کر سکی کیونکہ انہوں نے ہندوستان کے بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں کا انداز خطابت اور رنگ و آہنگ قریب سے دیکھا تھا اور اس کا بہت گہرا اثر لیا تھا۔ جو ان کی ذات پر ہمیشہ قائم رہا اور اسی عمل نے ان کے اندر تنظیم اور قیادت کی بے مثال جرأت پیدا کی۔

ایک نشست میں انہوں نے بتایا تھا کہ لوگ خواہ اپنے طور پر کچھ بھی کہیں لیکن یہ

حقیقت ہے کہ میں نے پھلور کے دوران قیام ہی ڈوگرہ پولیس کی ملازمت ترک کر کے قومی خدمت کا ارادہ کرلیا تھا میرے لئے پولیس کے محکمہ میں ترقی ملنے یا نہ ملنے کی بات بالکل ثانوی تھی اگر میں نے ملازمت ہی کرنی ہوتی تو اپنی حکومت کو پھلور سے استعفیٰ لکھ کر بھیج سکتا تھا۔اور اسی ادارے میں معزز عہدہ بھی لے سکتا تھا جس کی مجھے پیش کش کی گئی تھی لوگوں کا یہ تاثر کہ میں نے محض ترقی نہ ملنے کی وجہ سے ڈوگرہ حکومت کے خلاف بغاوت کی ایک مضحکہ خیز بات ہے عام حالات میں ایک معمولی پولیس افسر کس طرح اس قسم کا اقدام کرسکتا ہے۔ایک سوال کے جواب میں انہوں نے وضاحت کی کہ جب میں نے پوری طرح اندازہ لگالیا کہ مسلمانوں کے ساتھ جتنا ذلت آمیز سلوک ڈوگرہ حکومت اور اس کے چھوٹے بڑے افسر کرتے تھے اس کی مثال ہندوستان کی کسی بھی چھوٹی بڑی ریاست سے نہیں دی جاسکتی تھی ۔ یہ حالات دیکھ کر میں نے اپنے دل میں یہ طے کرلیا تھا کہ میں ڈوگرہ حکومت کی ملازمت ہرگز نہیں کروں گا بلکہ میری آئندہ زندگی اس کام میں صرف ہوگی کہ میں ریاستی مسلمانوں کے دلوں میں جرأت پیدا کروں اوران کے دلوں سے وہ خوف وہراس زائل کروں جو ڈوگرہ حکومت نے بے پناہ مظالم کے ذریعہ ان پر طاری کرر کھا ہے۔

قومی خدمت کی شاہراہ: جب سردار فتح محمد خان کریلوی پھلور سے پولیس کا کورس پاس کر کے آئے تو وہ مکمل طور پر بدل چکے تھے چند دن بعد وہ چھٹی لے کر اپنے علاقہ میں آئے اور پوری سنجیدگی سے آئندہ لائحہ عمل مرتب کرنا شروع کردیا۔

اس وقت ان کے علاقہ تھکیالہ پڑاوہ کے چاروں طرف ڈوگرہ حکومت نے کم وبیش 13 کسٹم چوکیاں قائم کررکھی تھیں اوران چوکیوں پر متعین عملہ نے غریب لوگوں کا ناک میں دم کرر کھا تھا اگر کوئی شخص اس علاقہ سے معمولی چیز بھی باہر لے جائے تو اس کی کسٹم وصول کی جاتی

تھی اور باہر سے جس قدر اشیاء خوردنی نمک تیل' تمباکو گڑ وغیرہ لایا جائے تو اس کی بھی کسٹم وصول ہوتی تھی بعض دفعہ تو چنگیوں پر متعین عملہ عجیب وغریب قسم کی بے ہودگیاں کرتا تھا ہندو ڈوگرے خواتین کی جامع تلاشی کے بہانے ان کے بے حرمتی کے مرتکب ہوتے تھے جو عوام علاقہ کے لئے ناقابل برداشت تھیں مثلاً اگر اس علاقہ میں باہر سے کوئی بارات آئے تو دولہا سے چنگی وصول کی جاتی تھی اور جب ڈولی باہر جائے تو ڈولی کی چنگی کے علاوہ کسٹم کا عملہ ڈولی کی باقاعدہ تلاشی لیتا تھا کہ کہیں اس میں رکھ کر کوئی ایسی چیز تو باہر نہیں لے جائی جارہی۔ جس کی چنگی واجب الادا ہے اس قسم کے افسوسناک واقعات یہاں کا معمول تھا۔ علاقہ کے لوگوں نے اس افسوسناک اور توہین آمیز سلوک کے خلاف بارہا حکام بالا کو درخواستیں دیں لیکن وہاں سننے والا کون تھا یہی جواب ملتا کہ چونگی کے قوانین میں کوئی رورعایت نہیں ہوسکتی۔ سرکار نے جن اشیاء پر چونگی مقرر کر رکھی ہے وہ ہر حال میں وصول کی جائے گی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ سردار فتح محمد خان کے والد سردار فروز خان اس علاقہ میں باوقار حیثیت کے مالک تھے اور ڈوگرہ راجہ اور اس کے افسران ان کے مقام و مرتبے کا ہمیشہ لحاظ رکھا کرتے تھے جب علاقہ کے لوگوں کو چنگیوں کا عملہ پریشان کرتا تو لوگ سردار فروز خان یا ان کے بھائیوں کے پاس آکر فریاد کرتے کہ لوگوں کو ان چنگیوں کی مصیبت سے بچاؤ لیکن اس معاملہ میں سردار فروز خان بھی مجبور تھے کیونکہ ان کا مشورہ بھی ڈوگرہ حکام نے کبھی قبول نہیں کیا۔

دارورسن کی آزمائش: یہ ساری باتیں سردار فتح محمد خان کریلوی کے ذہن میں تھیں جب وہ شہر پونچھ سے گاؤں آئے تو انہوں نے اپنی تحریک کا آغاز ان چنگیوں سے کرنے کا عزم کیا اور اس کے لئے اپنے والد چچاؤں اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے انہوں نے پہلے کوئی مشورہ نہیں کیا اور یہ بات تو واضح ہے کہ اس کام کے لئے ان کو کون مشورہ دے سکتا تھا ڈوگرہ حکومت

کی دہشت اور دبدبہ ایسا تھا کہ لوگ اس کے خلاف ایک فقرہ بھی زبان سے ادا کرتے ہوئے کانپتے تھے اور یہاں سردار فتح محمد خان نے ساری چنگیوں کو جلانے اور عملہ کی پٹائی کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے دھروتی کے مقام پر علاقہ کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ایسی پرجوش اور شعلہ افشاں تقریر کی کہ سارے لوگ ششدر رہ گئے لوگوں کو پہلی دفعہ اس بات کا احساس ہوا کہ ان کے علاقہ کا ایک نوجوان اس قدر شعلہ بیان مقرر ہے اور جب سردار فتح محمد خان کریلوی نے دوٹوک انداز میں لوگوں سے کہا کہ کل علاقہ کے چاروں طرف قائم کی گئیں ان ساری چنگیوں کی اینٹ سے اینٹ بجادو تو لوگ خوفزدہ ہو کر لرز اٹھے۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ ڈوگرہ حکومت کی قائم کردہ چنگیوں کو طاقت کے ذریعہ ختم کیا جائے اور چنگیوں پر متعین عملہ کو مار پیٹ کر بھگایا جائے یہ ناممکن بات تھی جسے عملی جامہ پہنانے پر سردار فتح محمد خان کریلوی تل گئے تھے اور اپنے آپ کو اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے بھی ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔

اس موقع پر انہوں نے اپنی پراثر تقریر کے ذریعہ لوگوں کے حوصلے بڑھائے اور ان کے اندر جرأت پیدا کی۔ انہوں نے کہا کہ اس کام کی جو سزا ملے گی سب سے پہلے یہ سزا میں اور میرا خاندان بھگتے گا کیونکہ چنگیاں ختم کرنے کا مشورہ تمہیں میں دیتا ہوں اگر تم مردوں کی طرح میدان میں اترو گے تو پھر کسی کو تمہاری ڈولی کی بے حرمتی کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور پھر تم سے کبھی کوئی ناجائز چنگی وصول نہیں کرے گا اور اگر یونہی روتے دھوتے رہے اور درخواستیں دیتے رہے تو تمہاری درخواستوں پر کوئی عمل نہیں کرے گا اور یہ سلسلہ ہماری آنے والی نسلوں تک جاری رہے گا تم اٹھو قدم بڑھاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں اور میرے جیتے جی تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

دوسرے روز تھکیالہ پڑاوہ کے چاروں طرف آگ کے شعلے بلند ہوئے اور اس علاقہ

کے لوگوں نے مل کر ساری کسٹم چوکیاں جلا دیں اور جس قدر عملہ ان چوکیوں پر متعین تھا اس کے سارے ارکان ڈر کر شہر پونچھ کی طرف بھاگ گئے سردار فتح محمد خان کریلوی نے اپنی تقریر میں سود خور ہندو تاجروں کی بھی شدید مذمت کی تھی اور کہا تھا کہ انہوں نے ہمارے سارے معاشرے کو مفلوج کر رکھا ہے۔ تھکیالہ پڑاوہ کے سینکڑوں مسلمانوں نے ان تاجروں کے سودی قرضہ میں اپنی اراضیات ان کے پاس گروی رکھی تھیں اور کئی مسلمان مقروضوں کی اراضیات ان سود خوروں نے قرق کرا کے اپنے نام کرالی تھیں اور سودی کاروبار میں ڈوگرہ حکومت ان تاجروں کی پوری پوری سرپرستی کرتی تھی کیونکہ ان کو ایک طے شدہ پالیسی کے تحت پوری ریاست پونچھ میں پھیلایا گیا تھا اور جیسا کہ صفحات گزشتہ میں ذکر آ چکا ہے کہ ڈوگرہ حکومت مسلمانوں کو معاشی طور پر پسماندہ اور قلاش رکھنا چاہتی تھی۔ جب چنگیوں کو نذر آتش کیا گیا تو مسلمان مقروضوں نے مل کر سود خور ہندو دکانداروں کے مکان جلا ڈالے اور اس طرح اس پورے علاقہ میں اس قدر خوف وہراس پھیلا کہ سارے ہندو دکاندار بال بچوں کو لے کر شہر پونچھ کی طرف بھاگ گئے اور انہوں نے راجہ پونچھ کے سامنے اس طرح واقعات بیان کئے کہ وہ خود ڈر کر اپنی رہائش گاہ سے نکلا اور قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا۔

چنگی کے عملہ اور سود خور دکانداروں نے راجہ پونچھ اور اس کے اعلیٰ حکام کو بتایا کہ سردار فتح محمد خان اور ان کے والد سردار فروز خان ہزاروں مسلح مسلمانوں کا جتھہ لے کر موتی محل پر قبضہ کرنے کے لئے آ رہے ہیں' راجہ پونچھ نے اس خوفناک واقعہ کی فوراً اطلاع برطانوی حکام کو دی اور برطانوی حکام نے اس طرف جہاز بھیجے تا کہ معلوم ہو سکے کہ بغاوت کس نوعیت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس علاقہ پر برطانوی جہازوں نے پروازیں کیں۔ اس کی تصدیق آزاد کشمیر کے بانی صدر سردار محمد ابراہیم خان جو اس وقت میٹرک کے طالب تھے کے

19 اپریل 1993ء کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے جو کتاب ہذا کے دستاویزی حصے میں شامل ہے۔

سردار فتح محمد خان کی حکمت عملی

اور اس واقعہ کے فوراً بعد ایک طرف ریاست پونچھ کی ساری پولیس اور جس قدر فوج تھی حرکت میں آئی اور دوسری طرف راجہ پونچھ کی حفاظت کے لئے مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ نے بھی جموں سے فوج کو پونچھ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور سردار فتح محمد خان کریلوی کے سارے علاقہ کو محاصرہ میں لے لیا گیا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نہایت زیرک اور معاملہ فہم انسان تھے۔ انہوں نے بڑے غور وفکر کے بعد اس تحریک کا آغاز کیا تھا وہ خفیہ رہ کر حالات کا جائزہ لے رہے تھے اور دوسری طرف پولیس کا بھی گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈوگرہ فوج نے علاقہ میں ڈیرے ڈال دیئے تھے اور ڈوگرہ فوج کا جو دستہ اس طرف آیا تھا اس کی کمانڈ اس وقت کے لیفٹیننٹ جو بعد میں کرنل عدالت خان مشہور ہوئے کر رہے تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کے والد سردار فیروز خان گرفتار ہونے سے ایک دو دن پہلے کرنل عدالت خان کے پاس گئے اور واضح لفظوں میں وارننگ دی کہ اگر انہوں نے فوج کے ذریعے اس علاقہ کے لوگوں پر ذرا بھی زیادتی کی تو یہاں لاشوں کے انبار لگ جائیں گے۔

اس واقعہ کے دوسرے تیسرے روز سردار فروز خان اور ان کے دوسرے بھائی سردار نوازش علی خان اور دیگر قریبی رشتہ دار گرفتار کر لئے گئے اور نہایت بے رحمی کے ساتھ انہیں پونچھ کی جیل میں پہنچایا گیا۔ گرفتار ہونے والوں کی کل تعداد 80 کے لگ بھگ تھی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کی گرفتاری کے لئے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے مگر ڈوگرہ پولیس انہیں کسی

طرح بھی گرفتار نہ کر سکی وہ بدستور اپنے علاقے میں چھپ کر ڈوگرہ پولیس اور فوج کو خوفزدہ کرتے رہے اور بالآخران کی گرفتاری یا ان کا سر پیش کرنے پر دس ہزار روپے بھاری انعام مقرر کیا گیا۔ یہ واقعہ اکثر مرتبہ سید حسن شاہ گردیزی مرحوم نے بیان کیا کہ سردار فتح محمد خان کے گاؤں کریلہ مجہان میں پولیس کی جو تعزیری چوکی مقرر کی گئی تھی اس کے انچارج سید خادم حسین شاہ تھے جو ان دنوں ڈوگرہ پولیس میں اے ایس آئی تھے۔ ایک رات سید خادم حسین شاہ سو رہے تھے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی ان کے پاس پہنچے اور انہیں جگا کر کہا شاہ جی میں خود ہی آپ کے پاس چلا آیا ہوں تا کہ آپ مجھے گرفتار کر لیں اور آپ کو ترقی بھی ملے اور انعام بھی مگر یہ یاد رکھیں کہ میں آپ کے جداعلیٰ کی سنت ادا کرتے ہوئے ظالم کے خلاف جہاد کر رہا ہوں اور آپ مجھے گرفتار کر کے کس کی سنت ادا کریں گے۔

سید حسن شاہ گردیزی بتاتے تھے کہ سید خادم حسین شاہ نے ایک لمحہ تک سوچا اور پھر کریلوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا میرا نام ہے خادم حسین اگر آپ میرے جداعلیٰ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ بے فکر ہو کر تشریف لے جائیں۔ کریلوی صاحب وہاں سے کہیں چلے گئے اور دوسرے تیسرے روز سید خادم حسین شاہ نے شہر پونچھ جا کر پولیس کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اس کے بعد عمر بھر کریلوی صاحب کے ساتھی رہے جو اس کے مصداق ہے کہ تنہا سوئے منزل چلے اور قافلہ بنتا گیا۔ یہ واقعہ 1929ء کے اختتام اور 1930ء کے شروع کا ہے۔

تحصیل مینڈھر میں ہندو سود خوروں کا جو حشر ہوا تھا اس کی بازگشت تحصیل سدھنوتی اور باغ میں بھی سنائی دی اور ان مقامات کے لوگ سود خوروں کو کھا جانے والی نظر سے دیکھنے لگے۔ اس زمانے میں اخبارات کا کوئی وجود نہ تھا۔ جب لوگوں کی زبانی سردار فتح محمد خان کریلوی کے

اس مجاہدانہ کارنامہ کی بات پھیلی تو پوری ریاست پونچھ میں ان کا اور ان کے والد سردار فروز خان کا نام بچے بچے کی زبان پر تھا۔ فروز خان' راجہ نوازش علی خان وزیر لٹو جموں تے کشمیر پونچھ اپنی جاگیر۔ یہ فقرے لوگوں کی زبانوں پر قدرتی طور پر آئے اور سالہا سال تک گاتے جاتے رہے۔ ادھر پنجاب کے مسلم اخبارات میں بھی اس بغاوت کی خبریں بہت نمایاں سرخیوں میں شائع ہونے لگی تھیں۔

ڈوگرہ پولیس اور فوج کی انتہائی کوشش تھی کہ اس بغاوت کے اصل محرک سردار فتح محمد خان کریلوی کو ہر قیمت پر گرفتار کیا جائے مگر اس موقع پر کریلوی صاحب گرفتار نہیں ہونا چاہتے تھے بلکہ باہر رہ کر اپنی اس تحریک کو مضبوط بنیادوں پر منظم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے پنجاب کے مسلم اخبارات اور سیاسی رہنماؤں سے بھی رابطہ قائم کر لیا تھا۔ بیرونی رابطہ کے لئے وہ راولپنڈی اور لاہور کے دورے بھی کرتے تھے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے خفیہ طور پر اپنے علاقہ میں بھی چلے آتے تھے۔

ان واقعات پر انہوں نے متعدد مرتبہ خود بھی روشنی ڈالی ہے۔ ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ اس بڑھتی ہوئی تحریک کو ختم کرانے کے لئے ڈوگرہ حکومت کی طرف سے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا۔ اس کمیشن کے سامنے میرے چچا نوازش علی خان بھی پیش ہوئے۔ یہ کمیشن خواجہ سیف الدین اور گورکھ سنگھ پر مشتمل تھا۔ اس کمیشن کے سامنے مسلمان اور ہندو دونوں مذاہب کے لوگ پیش ہوئے اور کمیشن کو ڈوگرہ حکام کے ظلم و زیادتیوں سے آگاہ کیا اور مطالبہ کیا کہ ہم یہ ظالمانہ ٹیکس نہیں ادا کریں گے۔ میں نے اور میرے چچا نوازش علی خان نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ان ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف ہم نے ہی لوگوں کو ابھارا ہے۔

ہمارے اس اعتراف سے لوگوں کے حوصلے بہت بلند ہوئے اور ہم پر لوگوں کا اعتماد

بڑھ گیا۔ ہم نے کمیشن کے خلاف نعرے لگوائے۔ جب مجسٹریٹ نے ہماری باتیں سنیں تو اس نے کہا بھائی اس فتح محمد خان کو پانی پلاؤ اس کو کیا ہو گیا ہے کہ مجسٹریٹ کے سامنے ایسی بغاوت کی باتیں کرتا ہے۔ میں نے کہا یہ سب کچھ میں نے سوچ سمجھ کر کیا ہے اور میں اس پر قائم ہوں اگر آپ مجھے گرفتار کر سکتے ہیں تو کر لیں میرا راستہ الگ ہے اور تمہارا الگ۔ آگے چل کر فرماتے ہیں سردار گلاب خان ہولاڑ والے اس وقت کسٹم انسپکٹر تھے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ میرے ساتھ راجہ پونچھ کے پاس چلیں، ہم اس سے بات کرتے ہیں تا کہ وہ اس علاقہ سے کسٹم چوکیاں اٹھا لیں۔ اس وقت میرے خاندان سمیت علاقہ تھکیالہ پڑاوہ سے 84 آدمی گرفتار کئے جا چکے تھے اور ان کو پونچھ لے جایا گیا تھا۔ میں ان دنوں مفرور تھا اور میری گرفتاری کے لئے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے جب میں گرفتار نہ ہو سکا تو انہوں نے میرے والد کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں کریلوی صاحب اور ان کے والد گرامی پر سردار ایوب خان آف باغ کی عدالت میں بغاوت کے جرم میں ان پر مقدمہ چلا۔ عدالت میں ان کے والد کے نام کو اس طرح پکارا جاتا تھا چلوب کار "بنام فروز خان بت شکن"۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کے اس انٹرویو سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خطرناک صورت حال کے باوجود وہ خود کمیشن اور مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوئے، بیان دیا اور پھر گرفتاری سے بچ کر نکل گئے۔ وہ بتاتے ہیں کہ جب میرے والد کو گرفتار کر کے جندروٹ لے گئے تو اسی رات میں اپنے گاؤں چلا آیا۔ اس وقت عزیز احمد نامی ایک وکیل بھی میرے ساتھ تھا۔ ڈوگرہ فوج نے ہمیں محاصرے میں لے لیا تھا لیکن فوج بھی مجھے گرفتار نہ کر سکی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کی ضمانتوں کا بھی بندوبست کیا تھا لیکن صورت حال اس قدر خطرناک ہو چکی تھی کہ گرفتار شدگان کی ضمانتیں کرانا آسان نہ تھا۔ اپنے

انٹرویو میں وہ بتاتے ہیں کہ میرے والد مکرم اور نانا کو پونچھ لے جایا گیا اور انہیں دس دس سال قید بامشقت اور ایک ایک ہزار روپے جرمانے کی سزائیں سنائی گئیں۔ اس سے قبل میری گرفتاری پر دس ہزار روپے انعام اور میرے چچا نوازش علی خان کی گرفتاری پر پانچ ہزار روپے انعام مقرر کیا گیا تھا لیکن پھر بھی ہمیں کوئی گرفتار نہ کر سکا۔ ہمارے علاقہ کے 24 دیہات پر سات لاکھ روپے اجتماعی تعزیری جرمانہ عائد کیا گیا تھا۔ تین ماہ تک میرے والد اور نانا جیل میں رہے لیکن جب حکومت کو عوامی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا اور ہندو مسلم افراد پر مشتمل کمیشن کی زبانی اصل حالات معلوم ہوئے تو حکومت کو تحقیقات کرانی پڑیں۔ کمیشن نے لکھا کہ اکثر رپورٹیں غلط اور بے بنیاد ہیں چنانچہ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ پر اکثر سزائیں اور جرمانے معاف ہوئے اور اس طرح میرے والد اور سردار ماموں منصور خان کو رہا کر دیا گیا لیکن پانچ افراد ایسے تھے جنہیں رہا نہ کیا گیا۔

ان ساتھیوں کی رہائی کے لئے میں نے ایک اور راہ نکالی۔ دوست محمد خان نیلا گنبد لاہور میں کاروبار کرتے تھے اور ان کا تعلق پونچھ سے تھا۔ سید وزیر حسین وزیر پونچھ لاہور قیام کے دوران قیام نیلا گنبد والی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ میں بھی وہاں نماز پڑھنے گیا۔ نماز کے بعد میں نے سید وزیر حسین سے ملاقات کی اور اس کے مشورہ سے مزدوروں کو جمع کر کے راجہ پونچھ پر پتھراؤ کرایا۔ جب راجہ پونچھ نے یہ حالت دیکھی تو اس نے ہمارے پانچ ساتھیوں کی ضمانت رہائی کا حکم دے دیا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم نے اگرچہ اپنی تحریک کے ابتدائی دور پر مجمل روشنی ڈالی ہے لیکن اس کی روشنی میں ایک مربوط اور مفصل خاکہ مرتب ہوتا ہے خود گرفتاری سے بچنا ان کی سیاسی بصیرت' تدبر اور حکمت عملی کا زندہ ثبوت ہے۔ اتنے بڑے انقلابی اقدام کے بعد اگر

اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں سمیت وہ خود بھی گرفتار ہو جاتے تو ایک طرف یہ تحریک دب جاتی اور دوسری طرف ان کے بارے میں کسی کو علم تک نہ ہوتا کہ ان پر کیا بیتی اور وہ کہاں کس حال میں ہیں۔ راجہ ان کو اور ان کے ساتھیوں و رشتہ داروں کو ساری زندگی جیل میں رکھتا لیکن کریلوی صاحب نے اپنی سیاسی بصیرت اور تدبر سے اس تحریک کو عوامی بنیادوں پر آگے بڑھایا اور مسلم اخبارات کے ذریعہ راجہ پونچھ کے ظالمانہ طرز عمل کو طشت از بام کر دیا۔ کرنل خان محمد خان عرف خان آف منگ مرحوم نے جن کا انتقال 20 جولائی 1995ء کو ہوا ایک واقعہ کا ذکر اکثر مرتبہ کیا ہے جس کا خاکہ راقم کے ذہن میں محفوظ ہے۔ وہ بتاتے تھے کہ جن دنوں سردار فتح محمد خان کریلوی نے منہدڑ میں ڈوگرہ حکومت کے خلاف بغاوت کی اور چونگیاں جلوائیں ان دنوں میں نے راولپنڈی گارڈن کالج میں داخلہ لیا تھا اور سردار فتح محمد خان کریلوی کا نام پونچھ کے بچے بچے کی زبان پر تھا جہاں کہیں دو چار آدمی اکٹھے ہوتے تھے سردار فتح محمد خان کی ذات ضرور زیر بحث آتی تھی اور لوگ ان کی دلیری' بہادری اور شجاعت کی وجہ سے دل سے ان کی قدر کرتے تھے میں چونکہ شروع سے ہی بہادر آدمی کی قدر کرتا ہوں میرے دل میں بھی سردار فتح محمد خان کریلوی سے ملنے اور انہیں دیکھنے کی بڑی آرزو تھی لیکن ان دنوں وہ زیر عتاب تھے اور ان کا کسی کو بھی پتہ نہ تھا کہ کہاں ہیں؟۔ اپنی تحریک کے سلسلہ میں وہ راولپنڈی اور لاہور کے دورے کرتے تھے لیکن ان سے ملنا مشکل تھا کیونکہ ان کے آنے اور جانے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ ان دنوں سردار گل احمد خان کوثر آف سدھن گلی راولپنڈی صدر احاطہ شیخ فضل الٰہی میں رہتے تھے اور یہاں سے ایک ہفت روزہ اخبار "یثرب" نکالا کرتے تھے جو ڈاک کے ذریعے پونچھ کے اکثر باشعور اور پڑھے لکھے لوگوں کو بھیجا جاتا تھا۔ میں اکثر سردار گل احمد خان سے ملنے جایا کرتا تھا کیونکہ وہاں اکثر ملکی حضرات سے علاقہ کی خیر خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔ ایک دن میں اور

میرے دو اور ساتھی ایس ایس خان (صالح شیر خان آف راولاکوٹ) اور سائیں گلاب کا بھائی یعقوب خان جب سردار گل احمد خان کے ہاں پہنچے تو ان کے پاس ایک نہایت بارعب شخص بیٹھا ہوا بڑے پرجوش انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ سردار گل احمد خان نے جب تعارف کرایا تو ہم سردار فتح محمد کریلوی سے نہایت ادب و احترام کے ساتھ ملے اور کئی گھنٹے تک ان کی تحریک سے متعلق گفتگو ہوتی رہی جس سے اندازہ ہوا کہ سردار فتح محمد خان کو اللہ تعالیٰ نے بہادری، دلیری اور شجاعت کے ساتھ ساتھ انسانی ہمدردی اور غریب پروری کے جذبہ سے بھی مالا مال کیا ہے۔

ان سے جس قدر گفتگو ہوئی یعقوب خان نے اسے ایک رپورٹ کی صورت میں مرتب کیا یہ رپورٹ جب دو تین دن بعد یثرب میں شائع ہوئی اور پرچہ پونچھ کے حکام تک پہنچا تو راجہ پونچھ نے سردار گل احمد خان اور ان کے اخبار یثرب کا داخلہ ریاست پونچھ میں بند کر دیا کیونکہ اس رپورٹ میں راجہ پونچھ اور اس کے چھوٹے بڑے افسروں کے مظالم کی داستان نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کی گئی تھی۔ جب ہمیں اس واقعہ کا علم ہوا تو ہم نے وہ رپورٹ دوبارہ نقل کر کے پنجاب کے تمام مسلم اخبارات زمیندار، انقلاب اور سیاست وغیرہ میں بھیجی جہاں وہ شائع ہوئی۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلتا گیا اور کارواں بنتے گئے۔ خان آف منگ نے سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ سردار فتح محمد خان کریلوی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ڈوگرہ خاندان کے طاری کردہ اس سکوت کو سو سال بعد توڑا جو اس نے 1832ء میں پونچھ پر حملہ کر کے طاری کیا تھا اور جس کے بعد ڈوگرہ حکومت کے خلاف تحریک چلانا تو رہا ایک طرف کوئی شخص حکومت کے خلاف ایک فقرہ بھی زبان سے ادا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

سردار گل احمد خان کوثر سے متعلقہ ایک واقعہ سردار گلاب خان مرحوم ایڈیٹر ہفت روزہ

سرفروش راولاکوٹ نے بھی بتایا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جن دنوں سردار گل احمد خان کے اخبار "یثرب" کا داخلہ ریاست میں بند ہوا وہ کثرت سے قادیان جایا کرتے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کے ذریعہ برطانوی حکام سے راجہ پونچھ پر دباؤ ڈلوایا جائے تاکہ وہ سردار گل احمد خان اور ان کے اخبار یثرب پر عائد پابندی ختم کردے۔ سردار گل احمد خان ہی کے توسط سے سردار فتح محمد خان کریلوی بھی پہلی دفعہ قادیان گئے تاکہ وہ بھی اپنے معاملہ میں خلیفہ قادیان کا تعاون حاصل کرسکیں ان دنوں مولانا غلام حیدر جنڈالوی بھی قادیان جاتے رہتے تھے۔

سردار گلاب خان کا کہنا ہے کہ قادیان میں طے یہ ہوا تھا کہ ریاست پونچھ کے معززین کا بھی ایک وفد برطانوی ریذیڈنٹ سے ملے تاکہ وہ مؤثر طریقے سے اسے راجہ پونچھ کے مظالم سے بھی آگاہ کرے اور سردار گل احمد خان کوثر کا معاملہ بھی پیش کرے۔ خلیفہ قادیان کے ذریعہ جب برطانوی ریذیڈنٹ سے وفد کی ملاقات کے لئے وقت مانگا گیا تو اس نے بتایا کہ میں کوہ مری جارہا ہوں وفد کے اراکین مجھ سے وہاں ملیں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق وفد کے تمام اراکین کوہ مری آئے اور "یثرب" میں شائع ہونے والی رپورٹ کا ترجمہ سردار فتح محمد خان کریلوی نے انگریزی میں کرایا۔ سردار گلاب خان نے بتایا کہ جب وفد برطانوی ریذیڈنٹ کے سامنے پیش ہوا تو خود سردار فتح محمد خان کریلوی نے وہ رپورٹ برطانوی ریذیڈنٹ کے ہاتھ میں دی اور کہا کہ جناب یہ ہے وہ "جرم" جس کی پاداش میں اخبار یثرب اور اس کے ایڈیٹر کا داخلہ بند کردیا گیا۔

برطانوی ریذیڈنٹ نے وہ ساری رپورٹ پوری توجہ سے پڑھی اور وہ پہلی دفعہ ریاست پونچھ کے عوام کی مظلومیت سے آگاہ ہوا اور اس نے اس پر فوری کارروائی کرنے کا

وعدہ کیا۔

قادیان جانے اور خلیفہ قادیان سے مدد حاصل کرنے کا ذکر سردار فتح محمد خان کریلوی نے خود بھی متعدد بار کیا ہے اور بتایا تھا کہ میں قادیانیوں کے دینی عقائد سے آگاہ نہیں تھا میں ان کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتا تھا اور یہ بات تو مشہور تھی کہ خلیفہ قادیان مرزا بشیر الدین محمود کشمیری مسلمانوں کے معاملہ میں بڑی گہری دلچسپی لیتے ہیں اور کشمیری مسلمانوں کی غلامی و پسماندگی کے بارے میں ان کے مضامین ان کے اخبار ''الفضل'' میں بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔ جب میں قادیان گیا ان سے ملا اور اپنی تحریک کے بارے میں ان سے بات چیت کی تو انہوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس قدر اخلاق و مروت سے پیش آئے کہ میں ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا لیکن بعد میں جب ان کے دینی عقائد اور ان کی اصل حقیقت کا پتہ چلا تو میں نے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر قادیان جانا ترک کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے بڑا عرصہ مجھ پر نظر رکھی مگر میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ ایک خواب میں ایک ولی اللہ نے مجھے ان کے جال سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا جس پر میں نے عمل کیا۔

اس دارو گیر کے دور میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے چوتھی جنگ لڑی جس کی مثال بہت ہی کم ملے گی اس زمانے میں ٹرانسپورٹ کی سہولت قطعاً تھی منہڈرا اور کوٹلی کے لوگ اکثر کہوٹہ تک پیدل سفر کرتے تھے اور کہوٹہ سے آگے راولپنڈی تک کہیں کسی کو پرانی سرانی بس ملا کرتی تھی لیکن اس کے باوجود سردار فتح محمد خان کریلوی ہفتہ میں راولپنڈی اور لاہور کے کئی سفر کرتے تھے۔ ان کی رابطہ مہم بھی حیران کن تھی کیونکہ انہوں نے بہت ہی جلد پنجاب کے تمام بڑے بڑے مسلمان رہنماؤں اور صحافیوں سے تعارف حاصل کر لیا تھا اور ہر وقت ان کو ریاستی حالات اور اپنی تحریک سے آگاہ رکھتے تھے۔ دوسری طرف انہوں نے ریاست پونچھ کی چاروں

تحصیلوں کا تفصیلی دورہ کر کے یہاں کے باشعور لوگوں سے رابطہ قائم کر لیا تھا اور ان کو ہر وقت اپنے حالات و معاملات سے مطلع کیا کرتے تھے۔ انہوں نے سرینگر اور جموں کے پڑھے لکھے لوگوں سے بھی رابطہ قائم کر لیا تھا اور ان دنوں شیخ محمد عبداللہ اور اس کے ساتھی سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔

سردار صاحب اپنے ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں کہ میں جب جموں گیا اور چودھری غلام عباس سے ملا تو انکی تازہ تازہ مونچھیں آئی تھیں میں نے دلمیں دینی جمیعت اور مسلمانوں کے لئے سچی ہمدردی کے جذبات دیکھے یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی ینگ مینز مسلم ایسوی اشن کو متحرک نہ کیا گیا تھا اور یہ جموں کے مسلمان نوجوانوں کی ایک رفاہی اور اصلاحی تنظیم تھی۔ اپنے اسی انٹرویو میں سردار فتح محمد خان کریلوی انتہائی پر جوش الفاظ میں کہتے ہیں کہ جن دنوں میں نے پونچھ میں حکومت کے خلاف بغاوت کر کے تحریک کا آغاز کیا تھا ان دنوں ہمارے یہ بعض لیڈر ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور جو پیدا ہو چکے تھے وہ ابھی طفل مکتب ہی ہوئے ہونگے۔

مرحوم سرار فتح محمد خان کریلوی کے اس تاریخی بیان سے جو بات صاف طور پر عیاں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں انقلابی تحریک کا آغاز سب سے پہلے ریاست پونچھ سے انہوں نے کیا اور جموں میں بندش خطبہ "عید" توہین قرآن کریم اور مسجد کی آتشزدگی کے واقعات بعد میں پیش آئے اور ان واقعات کی مذمت کے لئے جموں میں جو احتجاجی جلسے ہوئے ان میں اپنے علاقے سے لوگوں کو ساتھ لے کر سردار فتح محمد خان کریلوی نے شرکت کی اور اپنی پر جوش تقریروں کے ذریعہ مسلمانان جموں کے دلوں سے ڈوگرہ حکومت کا ڈر او خوف ختم کیا۔ انہوں نے اس بات کے لئے پوری پوری کوشش کی کہ مسلمانان جموں کو بھی اس طرح تحریک کے لئے تیار کیا جائے جس طرح انہوں نے پونچھ کے مسلمانوں کو جگایا تھا۔ اس وقت

مسلمانوں کے دل میں حوصلہ پیدا کرنا اور غلامی کا احساس دلا کر بیدار کرنا سب سے بڑی بات تھی جس کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی رات دن سرگرم تھے۔ مرحوم سردار فتح محمد خان کریلوی کی تحریک نے تحصیل مہنڈر اور حویلی کے مسلمانوں کو ایک نیا جوش اور ولولہ دیا تھا اور ان کے دلوں سے ڈوگرہ حکومت و حکام کا ڈر بالکل ختم ہو گیا تھا۔ اس عظیم الشان تحریک کے بعد تحصیل سدھنوتی میں ابتدائی طور پر مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی' مولانا غلام حیدر ساکن پھلیاں اور باغ سے سید خادم حسین شاہ صاحب شہید 6 ستمبر 1947ء جس نے کریلوی صاحب کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وسطی باغ سے مولانا عبداللہ خان کفل گڑھی اور غزلی بائے سے سید احمد شاہ گردیزی اور مشرقی باغ سے پیر سید علی اصغر شاہ سامنے آئے اور انہوں نے اپنے اپنے حلقوں میں لوگوں کو ڈوگرہ غلامی کا احساس دلا کر بیدار کیا۔ اسی دوران انہوں نے سردار فتح محمد خان کریلوی سے رابطہ قائم کیا۔ اسی زمانہ میں پلندری والے صوبیدار خان محمد خان کو اصلاحی کام کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

اس دور میں سردار فتح محمد خان کریلوی پر تحصیل مہنڈر اور حویلی کے لوگ جان چھڑکتے تھے۔ سردار کمال خان آف پورا بلندری سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم کے پرانے ساتھی اور بہت عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔ انہوں نے بارہا اس بات کا تذکرہ کیا کہ جب کریلوی صاحب اپنی اس تحریک کے بعد کبھی گھوڑی پر سوار ہو کر پونچھ جاتے تو راستہ کے دونوں طرف لوگ قطار در قطار انہیں دیکھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور انکی بہادری' دلیری اور شجاعت پر رشک کرتے اور جب ان کی سواری پونچھ کے شہر میں داخل ہوتی تو سینکڑوں لوگ درخواستیں لے کر ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتے اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ایک دربار لگ جاتا۔ اس دور میں پہاڑی زبان میں لوگوں نے ان کے بارے میں کئی گیت بنا لئے تھے اور گیت اکثر عوام میں

گائے جاتے تھے۔ منشی علی گوہر مرحوم کی زبانی جو اشعار سنے گئے وہ آغاز مغموم کے پاس لکھے ہوئے موجود ہیں۔ ان کو حاصل کرنا ہوگا۔ مسلمانوں نے جوش عقیدت میں ان کے لئے ایک نعرہ بھی بنالیا تھا جو اس طرح تھا۔ ''فتح محمد راجہ تے نوازش علی وزیر لے لو جموں تے کشمیر''

پونچھ انہیں جاگری' لٹو ڈوگرہ بے پیر یہ گیت نما نعرہ تھا جو صرف تحصیل مہنڈر اور حویلی میں ہی نہیں لگایا جاتا تھا بلکہ تحصیل باغ اور سدھنوتی کے لوگوں میں بھی اس کی مقبولیت تھی اور جہاں بھی کوئی سرکاری ملازم کسی پر زیادتی کرتا لوگ اکٹھے ہو کر یہ نعرہ لگانا شروع کر دیتے تھے۔ اس زمانے میں بیاہ شادیوں میں اکثر خواتین آپس میں مل کر لوگ گیت گایا کرتی تھیں اور یہ گیت ان کے اپنے موزوں کردہ ہوتے تھے۔ خواتین نے سردار فتح محمد خان کی بہادری اور انکی تحریک سے متعلقہ بھی کئی گیت بنائے تھے جو وہ اکثر شادیوں میں لگایا کرتی تھیں اور ان گیتوں کے بعد بول اب تک لوگوں میں مشہور ہیں مثلاً یہ کہ

''فتح محمد خان پونچھا نا سردار میاں' جس لوگ کہیتے بیدار میاں' پڑھو لا الہ الا اللہ''

جب سردار محمد خان شہر پونچھ میں دربار منعقد کیا کرتے تھے تو غریب اور پسماندہ لوگ ان سے باقاعدہ اپنی اپنی تکالیف بیان کیا کرتے تھے اور ان کے ازالہ کے لئے درخواستیں پیش کرتے تھے۔

سردار فتح محمد خان کریلوی اعلان کیا کرتے تھے کہ کوئی سرکاری ملازم کسی مظلوم پر زیادتی نہ کرے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ اپنا حشر دیکھ لے گا ہم کوئی رو رعایت نہیں کرینگے۔ کریلوی صاحب کو دیکھ کر سود خود ہندو تاجر اور راجہ پونچھ کے رشتہ داروں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ راجہ پونچھ کے تمام رشتہ دار غریبوں سے اپنی اپنی زمینوں میں بیگار پر کام کراتےتھے لیکن جب سردار فتح محمد خان کریلوی میدان میں آئے تو انہوں نے پونچھ شہر میں کئی دفعہ اعلان کرایا کہ کوئی شخص خواہ

وہ کسی حیثیت کا ہی کیوں نہ ہو اگر کسی غریب مسلمان سے بیگار پر کام کرائے گا تو اس کی چمڑی ادھیڑ دوں گا۔ انہوں نے اسی طرح کا اعلان سودی کاروبار کرنے والوں کے بارے میں بھی کر رکھا تھا اور اس سے یہ ہوا کہ پہلے والی لوٹ گھسوٹ سے لوگ بچ گئے۔ سردار کمال خان نے کئی دفعہ اس دور کے واقعات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ ڈر اور خوف نام کی کوئی چیز سردار فتح محمد خان کریلوی کے قریب سے نہ گزری تھی اور جب ریاست پونچھ کے لوگ انہیں دیکھتے تھے تو بے تحاشہ نعرے لگاتے تھے۔

وادی کشمیر میں تحریک

جیسا کہ سطور گزشتہ میں ذکر آ چکا ہے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی کی تحریک کے فوراً بعد جموں میں یکے بعد دیگرے شعائر اسلامی کی توہین کی گئی تھی اور اس سلسلہ میں سردار فتح محمد خان کریلوینے بھی بھرپور کردار ادا کیا تھا اور انہی ایام میں چودھری غلام عباس نے بھی جموں ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن متحرک کی تھی اور اس کے بعد سری نگر فتح کدل کے مقام پر شیخ عبداللہ اور انکے ساتھیوں نے ایک ریڈنگ روم قائم کیا تھا جس میں گو با نہر سیا کثر اخبارات ورسائل منگوا کر پڑھا کرتے تھےاور بیرونی حالات کے تناظر میں اپنےملکی حالات پر بھی باہم گفتگو کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اخبارات کے ذریعے اور لوگوں کی زبانی پونچھ میں چلنے والی تحریک کے بارے میں بھی کافی معلومات حاصل کرلی تھیں۔

ادھر جموں کے باشعور مسلمانوں نے مل کر طے کیا کہ چار انتہائی اہم افراد پر مشتمل ایک نمائندہ وفد سری نگر جائے جو وہاں ریڈنگ روم کے ممبران کو ساتھ لے کر مہاراجہ ہری سنگھ سے ملے اور جموں میں رونما ہونے والے افسوسناک واقعات کی تحقیقات کا مطالبہ کرے۔ اسی سلسلہ میں جموں سے جو وفد تیار کر کے روانہ کیا گیا تھا اس میں سردار گوہر رحمٰن، مستری یعقوب

علی اور شیخ عبدالحمید شامل تھے اور چودھری غلام عباس ان کے قائد تھے۔ میمنڈر سے سردار فتح محمد خان کریلوی' مفتی ضیاالدین ضیا اور باغ سے سید احمد شاہ گردیزی آف ہل سرنگ بھی سری نگر پہنچ چکے تھے۔ وہاں یہ طے ہوا کہ جموں' پونچھ اور سری نگر کے نمائندے مل کر مہاراجہ ہری سنگھ سے بات چیت کریں اسی سلسلہ میں سری نگر سے میر واعظ مولوی یوسف شاہ اور میر واعظ رحمت اللہ ہمدانی کو بھی وفد میں شامل کیا گیا۔

وفد کے تمام اراکین نے یہ فیصلہ کیا کہ خانقاہ معلی میں بیٹھ کر مہاراجہ کو پیش کرنے کے لئے ایک فہرست تیار کی جائے۔ وفد کے ارکان میں ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک اجنبی شخص نے نمودار ہو کر ڈوگرہ حکومت کیخلاف دھواں دھار تقریر شروع کر دی۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں یادداشتیں پیش کرنے سے ہماری بات کوئی نہیں سنے گا اب وقت آ گیا ہے کہ تم اینٹ کا جواب پتھر سے دو اور مہاراجہ کا یہ محل اٹھا کر جھیل ڈل میں پھینک دو۔ پولیس قریب ہی تھی۔ پولیس والوں نے آگے بڑھ کر اسے گرفتار کر لیا اور وفد کے تمام اراکین ہکا بکا رہ گئے۔ وفد کی ملاقات کا معاملہ دھرے کا دھرا رہ گیا اور لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کون تھا۔ کافی دیر بعد معلوم ہوا کہ یہ کسی انگریز کا ملازم ہے اور اس کا نام عبدالقدیر ہے۔ دوسرے دن ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سری نگر رائے زادہ تلوک چند نے وفد کے اراکین اور کشمیر معززین کو بلا کر دھمکی دی کہ حکومت کے خلاف تقریروں کا سلسلہ بند کیا جائے۔

حکومت نے سری نگر کی جامع مسجد کے دروازے پر ایک نوٹس چسپاں کر رکھا تھا کہ حکومت کے خلاف تقریر کرنے والے کو سخت سزا دی جائیگی۔ 10 جولائی 1931ء کو جموں کے وفد اور معززین کشمیر نے یہ نوٹس اتار کر مسجد میں جلسہ منعقد کیا اس جلسہ میں سردار فتح محمد خان کریلوی پیش پیش تھے۔ شیخ عبداللہ بھی سرکاری ملازمت (اپنی سائنس ٹیچری) ترک کر کے

سب سے پہلے اس جلسہ میں شامل ہوئے۔ تمام مقررین نے عبدالقدیر کو تحفظ دینے کا عہد کیا کیونکہ اس کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم ہو چکا تھا اور اس کی سماعت سری نگر جیل میں ہو رہی تھی اس نے چونکہ کشمیری مسلمانوں کے حق میں تقریر کی تھی اس لئے کشمیری مسلمانوں کی اس سے ہمدردی ایک فطری امر تھا۔

13 جولائی 1931ء کے روز جب کشمیری مسلمانوں کا ایک جلوس مقدمہ کی کارروائی سننے سری نگر جیل کے سامنے پہنچا تو یہاں ڈوگرہ پولیس نے اندھا دھند گولیاں برسائیں جن سے موقع پر ہی مسلمان شہید ہو گئے اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے کشمیر کی وادی میں صف ماتم بچھ گئی اور اسی رات گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ چودھری غلام عباس گرفتار کر لئے گئے اور سردار فتح محمد خان کریلوی گرفتاری سے بچ کر اس حادثہ جانکاہ کی خبر پریس کو دینے لاہور پہنچ گئے۔ بعض روایات کیمطابق مفتی ضیا الدین ضیا بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے اور یہ سفر انہوں نے براستہ کوہالہ راولپنڈی طے کیا۔

لاہور پہنچ کر کریلوی صاحب نے سب سے پہلے سری نگر میں رونما ہونے والے اس افسوسناک حادثہ کی خبر روزنامہ زمیندار' انقلاب اور سیاست کو دی اور اس کے فوراً بعد مسلم اکابرین کے ساتھ ملاقاتیں کر کے زبانی حالات بتائے وہ حضرت علامہ اقبال' مولانا ظفر علی خان' ملک برکت علی' میاں امیر الدین اور سید محسن شاہ ایڈووکیٹ سے ملے اور ان کو ڈوگرہ حکومت کی اس ظالمانہ اور بہیمانہ کارروائی سے آگاہ کیا۔ دوسرے روز تمام مسلم اخبارات نے سری نگر میں ہونے والے اس ظلم کی داستان شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کی اور عبدالمجید سالک نے اپنے روزنامہ انقلاب میں شہداء کشمیر 13 جولائی کو ایک منظوم خراج عقیدت پیش کیا جس کا پہلا شعر اس طرح ہے۔

تم ہی سے اے مجاہد جہان میں ثبات ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

اس زمانے میں حفیظ جالندھری نے ایک معرکتہ الآ رنظم ''ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا،، لکھی تھی جس کے یہ اشعار

چھوٹے چھوٹے ڈھیر مٹی کے قطار اندر قطار
راہ آزادی کے لڑنے مرنے والوں کے مزار
معرکہ اس خاک پر گزرا ہے وارو گیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

وادی کشمیر اور پونچھ کے بچے بچے کی زبان پر تھے۔

سری نگر کے اس افسوسناک وقعہ کے پیش نظر لاہور کے مسلم اکابرین نے کشمیری مسلمانوں کی بیرونی امداد کا فیصلہ کیا اور ہنگامی طور پر ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی گئی ج سکے سربراہ بدقسمتی سے قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود بن گئے لیکن اکابرین لاہور نے جلد ہی انہیں موقوف کر کے اس ادارہ کی سربراہی حضرت علامہ اقبال کو سونپی جو خود بھی کشمیر الاصل تھے اور جن کے دل میں کشمیری مسلمانوں کی غلامی کا شدید احساس تھا۔

اس دوران سردار فتح محمد خان کریلوی نے اپنے ساتھیوں سمیت بھرپور اور تاریخی کردار ادا کیا کیونکہ ان کے رابطے مسلم اخبارات کے ساتھ پہلے سے تھے اس وجہ سے ہر روز ان سارے اخبارات میں ڈوگرہ بربریت کے خلاف خبریں اور مضامین شائع ہونے لگے۔ اس دوران وہ دیگر مسلمانوں رہنماؤں کے علاوہ حضرت علامہ اقبال سے بھی ملاقاتیں کر کے اپنی ریاست کے حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ اس دور میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے

سری نگر میں رابطہ قائم کر رکھا تھا اور وادی کی تمام اہم خبریں ہر دوسرے تیسرے روز لاہور میں ان کے پاس پہنچ جاتی تھیں اور وہ خبریں مسلم اخبارات میں شائع کرا دیتے تھے اس کا ذکر انہوں نے خود بھی کئی دفعہ کیا اور مفتی ضیاالدین ضیا مرحوم بھی بتایا کرتے تھے۔ وادی کشمیر کے مسلمانوں کی داستان مظلومیت اخبارات کے ذریعہ طشت ازبام کرنے تک کریلوی صاحب لاہور ہی میں رہے اور اس کے بعد حالات کا جائزہ لینے سری نگر چلے آئے جہاں انہوں نے دیکھا کہ کشمیری مسلمانوں کے دلوں میں ڈوگرہ حکومت کا خوف ختم ہو چکا ہے اور اس کی اس کی جگہ اب آزادی کا جذبہ کروٹیں لے رہا ہے۔

ادھر جب آل انڈیا یا کشمیر کے کمیٹی کے سربراہ حضرل علامہ اقبال بنے تو انہوں نے برطانوی حکام کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے انسان حقوق کی بحالی کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ پر دباؤ ڈالیں۔ ڈوگرہ حکومت نے چودھری غلام عباس اور شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے فوراً بعد کئی ایسے مسلمان سرکاری ملازموں کو معطل کر دیا تھا جن کے خلاف سیاست میں حصہ لینے کا شبہ تھا۔

جب برطانوی ریذیڈنٹ نے مہاراجہ ہری سنگھ کو مجبور کیا تو اس نے جسٹس سر برجور لال کی سربراہی میں حالات کی چھان بین کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا اور اس کمیشن نے اس ساری کارروائی کے خلاف رپورٹ دی۔ اس وقت پنجاب کے سارے اخبارات مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت پر آگ برسا رہے تھے وہ زمانہ تھا جب احراریوں نے کشمیر چلو تحریک کا آغاز کیا اور اس حیران کن تحریک میں کوہالہ سے لے کر سوچیت گڑھ تک ریاست کی سرحد پر 50 ہزار احراری رضاکار گرفتار ہوئے لیکن تین ماہ بعد یہ سارے رضاکار اور احراری لیڈر کشمیریوں کا کوئی مطالبہ منوائے بغیر رہا ہو گئے۔

اس دوران کشمیر کے حالات کے بارے میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے مہنڈر اور حویلی میں کئی جلسے کئے اور یہاں کے مسلمانوں کو وادی کشمیر کے حالات سے آگاہ کیا وہ بدستور جموں اور وادی کے ساتھیوں سے ملتے رہے۔ تمام اخبارات کا مطالبہ تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ 13 جولائی کے حادثہ اور اس کے علاوہ مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی دوسری زیادتیوں کی تحقیقات ایک غیر جانبدار کمیشن کے ذریعہ کرائے۔

کمیشن:

مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت بے حد بدنام اور بے وقعت ہو چکی تھی۔ اسوجہ سے مہاراجہ نے اپنی پوزیشن برطانوی حکام کے سامنے صاف کرنے کے لئے سر گلنسی کی سربراہی میں تمام حالات و معاملات کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرانے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جس میں چودھری غلام عباس اور غلام احمد عشائی مسلمانوں کے نمائندے تھے اور ہندوؤں کی نمائندگی پنڈت لوک ناتھ شرما اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کو سونپی گئی۔ جب اس کمیشن نے اپنا کام شروع کیا تو سردار فتح محمد خان کریلوی نے تاریخی کردار ادا کیا۔ راجہ پونچھ کی کوشش تھی کہ اس علاقہ کو کمیشن کے دائرہ کار سے باہر رکھا جائے تاکہ اس کے مظالم سامنے نہ آسکیں لیکن سردار فتح محمد خان کریلوی نے انتہائی کوشش سے کمیشن کے دائرہ کار کو پونچھ تک لانے کی منظوری حاصل کی اور پھر ایک بالغ نظر سیاسی مدبر کی حیثیت سے ریاست پونچھ کے تمام سیاسی، اقتصادی، معاشی تعلیمی اور تجارتی حالات کمیشن کے سامنے پیش کرائے۔

اس وقت تک اگرچہ سردار فتح محمد خان کریلوی کے تمام ساتھی اور رشتہ دار رہا ہو چکے تھے۔ مگر راجہ پونچھ نے ان کے خلاف قتل، ڈکیتی اور آتشزنی کے جو مقدمات قائم کرائے تھے یہ بدستور زیر سماعت تھے۔ ہندوؤں نے سردار فتح محمد خان کریلوی کے والد فیروز خان پر ایک الزام یہ بھی لگایا تھا کہ

انہوں نے مہنڈر کے علاقہ میں مختلف مندروں سے بت توڑے ہیں۔ ان دنوں چمیاٹی غربی باغ والے سردار محمد ایوب خان راجہ پونچھ کے جج ہوا کرتے تھے۔ سردار ایوب خان کی عدالت میں سردار فروز خان کے مقدمہ کی سماعت کے دوران جب سردار فروز خان بت شکن کے نام سے پکارہ جاتا تھا تو ہندو بہت برہم ہوتے تھے اور راجہ کو بھی اس پر اعتراض تھا مگر جج محمد ایوب خان اسی طرح پکارہ کرتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ سردار فروز خان کے خلاف چونکہ بڑا اور مذہبی نوعیت کا الزام ہی یہی ہے کہ انہوں نے بت توڑے ہیں اس لئے ان کے نام کے ساتھ ان کے جرم کا پکارہ بھی ضروری ہے۔

یہ مقدمات انتہائی اہم نوعیت کے تھے۔ چنگیاں جلنے کیوجہ سے جو جائیداد تلف ہوئی اس کی مدعی تو ڈوگرہ سرکار تھی لیکن سود خور ہندو تاجروں نے ایک عجیب چالاکی سے اپنے مقدمات درج کرائے تھے۔ ان کے مکانات جلنے کی وجہ سے چونکہ ان کے بھی کھاتے تو جل چکے تھے اس لئے انہوں نے لوگوں کی طرف واجب الادا رقم حسب منشا لکھوائی۔ جس کی طرف 110 روپئے تھے اس کی طرف 200 لکھوائے اور جس کی طرف 200 تھے اس کی طرف 400 لکھے گئے اور اسی تناسب سے انہوں نے اپنے جلنے والے مکانات کی مالیت بھی لکھوائی۔ کہا جاتا تھا کہ یہ ڈوگرہ حکومت کے اعلیٰ افسروں کی سازش تھی تاکہ اس طرح مسلمانوں کو دبایا جاسکے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی اس ساری چالاکی سے واقف تھے اس وجہ سے انہوں نے گلنسی کمیشن کے سامنے یہاں کی ساری صورت حال اصل رنگ میں پیش کرائی اور شہادتی بھی پیش کیں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے گلنسی کمیشن کے سامنے ثابت کیا کہ پونچھ میں جو بغاوت ہوئی اور جس سے کسٹم چنگیاں اور ہندو تاجروں کے مکانات جلے یہ سب ڈوگرہ راجہ پونچھ کی رعیت پر زیادتیوں کو پسماندہ رکھنے کے لئے یہاں ہندو تاجروں سے سرپرستی کر کے حکومت نے

تھکیالہ پڑاوہ کے چاروں طرف ناجائز طور پر 13 کسٹم چوکیاں قائم کر رکھیں تھیں۔ وہاں لوگوں سے کسٹم وصول کیا جانے لگا اور مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی جانے لگی ایسی صورت حال کی تاب نہ لا کر اگر لوگ بغاوت نہ کرتے تو کیا کرتے۔ یہ جو کچھ ہوا کس کی ذمہ دار ریاست پونچھ کی ظالم اور جابر حکومت ہے۔

کریلوی صاحب کے اس بہادرانہ موقف سے ان تمام مقدمات کی اہمیت ختم ہوگئی جو حکومت پونچھ نے گزشتہ دو تین سال سے تھکیالہ پڑاوہ کے مسلمانوں پر قائم کر رکھے تھے اور ان کی ذمہ داری انکے خاندان پر ڈالی گئی تھی۔ ادھر وادی کشمیر اور جموں میں جو واقعات یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوئے تھے اور ان کے بارے میں مہاراجہ ہری سنگھ کا جو جابرانہ رویہ تھا اس کی نمائندگی چودھری غلام عباس اور غلام احمد عشائی نے بڑے تدبر اور سیاسی بصیرت سے کی اور بتایا کہ ریاست جموں کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی 90 فیصد ہے مگر اس کے باوجود یہاں کی حکومت اس کے ساتھ اقلیت والا سلوک کر رہی ہے۔

گلنسی کمیشن چونکہ بڑی حد تک غیر جانبدار تھا اس وجہ سے اس نے تحقیقات کے بعد بڑی عمدہ رپورٹ مرتب کی جو ریاستی مسلمانوں کے لئے بہت حوصلہ افزا تھی اس نے سرکاری دفاتر میں کام کرنے والوں کے لئے جو معیار مقرر کیا اس کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) سیکرٹریٹ اور اس کے تمام دفاتر میں کلرکوں کا معیار تعلیم مڈل تک ہو۔

(۲) محرر انکلیر اور دیگر تمام کلرک میٹرک پاس ہوں۔

(۳) ڈپٹی سیکرٹری اور ان سے بالا عہدوں کے لئے گریجوایٹ ہوں۔

(۴) پٹواری پرائمری پاس ہوں۔

(۵) گرداور مڈل تک ہو۔

(۶) نائب تحصیلدار میٹرک پاس ہوں۔

(۷) تحصیلدار اور اس سے بالا عہدوں کے لئے گریجوایٹ ہوں۔

(۸) کسٹم اسسٹنٹ اور محلدار مڈل پاس ہوں۔

(۹) اسٹنٹ انسپکٹر میٹرک پاس ہوں۔

(۱۰) جنگلات کے فارسٹر مڈل پاس ہوں۔

(۱۱) رینجر جنگلات میٹرک پاس ہوں۔

(۱۲) اسسٹنٹ کنزرویٹر جنگلات گریجوایٹ ہوں۔

(۱۳) عدالتوں کے جج گریجوایٹ ہوں۔

(۱۴) جیل وارڈ کے لئے کوئی معیار نہیں۔

(۱۵) سرکاری چھاپہ خانہ کے ملازم مڈل پاس ہو۔

(۱۶) پولیس کانسٹیبل کے لئے کوئی معیار نہیں۔

(۱۷) حوالدار پولیس مڈل پاس ہو۔

(۱۸) اسسٹنٹ انسپکٹر پولیس اور اس سے بالا عہدوں کے لئے میٹرک پاس ہوں۔

(۱۹) اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اور اس سے بالا عہدوں کے لئے گریجوایٹ ہوں۔

(۲۰) محکمہ تعلیم میں اساتذہ پرائمری پاس ہوں۔

(۲۱) اسسٹنٹ انسپکٹر محکمہ تعلیم اور اس سے بالا افسران گریجوایٹ ہوں۔

(۲۲) ہیڈ ماسٹر اور پروفیسر گریجوایٹ ہوں۔

(۲۳) محکمہ صحت میں چھوٹے ملازم مڈل پاس ہوں۔

(۲۴) ریشم خانے میں جونیئر اسسٹنٹ میرٹک پاس ہوں۔

(۲۵) کوآپریٹو انسپکٹر میٹرک پاس ہوں۔

(۲۶) اسسٹنٹ رجسٹرار اور اس سے بالا عہدوں کے لئے گریجوایٹ ہوں۔

گلنسی کمیشن کے اراکین نے ریاست کی سرکاری ملازمتوں کے لئے یہ معیار اس وقت مقرر کیا جب رہائشی مسلمانوں میں پڑھے لکھے افراد کی بہت کمی تھی اس طرح ڈوگرہ حکومت کے ذمہ دار افسروں کا یہ موقف تھا کہ جب مسلمانوں میں پڑھے لکھے لوگ ہیں ہی نہیں تو ان کو سرکاری ملازمت کیسے دی جائے۔ اس مشکل کے پیش نظر کمیشن کے اراکین نے بعض محکموں میں تعلیمی معیار کو کم کرایا تا کہ مسلمانوں کو ملازمتوں میں لیا جا سکے اس جدوجہد میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے بھی بھرپور کردار ادا کیا لیکن ریاست میں جو ہندو بیوروکریسی مسلط تھی اس نے گلنسی کمیشن کی کوئی تجویز بھی روبہ عمل نہ آنے دی۔ مہاراجہ ہری سنگھ کا وزیراعظم ہری کرشن کول بے حد عیار شخص تھا جونہی گلنسی کمیشن نے اپنی سفارشات پیش کیں اس نے ان کو بے اثر بنانے کے لئے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ریاست کے مختلف حصوں میں ہندو مسلم فسادات کرا دیئے تا کہ یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آپس میں ٹھن جائے۔ گلنسی سفارشات کے بعد

جب مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے رویہ

مسلم کانفرنس کا قیام

گلنسی سفارشات کے بعد جب مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے رویہ میں کسی حد تک تبدیلی پیدا کی تو ریاست میں ایک منظم اور متحرک سیاسی جماعت کے قیام کی امید بندھ گئی اس وقت چودھری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ قید و بند کی وجہ سے عوام میں بے حد مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ انہوں نے ریاست جموں کشمیر کے کونے کونے کے دورے کئے۔ جن میں سردار فتح محمد خان کریلوی ان کے ساتھ رہے۔ ان دوروں کا مقصد یہ تھا کہ عوام کے حوصلے بھی بلند کئے

جائیں اور سیاسی جماعت کے قیام کے بارے میں ملک کے باشعور لوگوں کو بھی آگاہ کیا جائے ریاستی دوروں کے بعد چودھری غلام عباس اور سردار فتح محمد خان کریلوی لاہور گئے تاکہ ریاست میں سیاسی جماعت کے قیام کے بارے میں حضرت علامہ اقبال اور دوسرے مسلم اکابرین سے بھی مشورہ کیا جائے ان تمام مسلمان رہنماؤں اور نامور صحافیوں سے سردار فتح محمد خان کریلوی کے پہلے سے ہی روابط تھے کیونکہ وہ ان سے کئی دفعہ ملاقات کر چکے تھے۔ مولانا ظفر علی خان، چراغ حسن حسرت، عبدالمجید سالک، غلام رسول مہر، مرتضیٰ احمد میکش، منشی محمد دین فوق اور سید حبیب جلال پوری سے کریلوی صاحب کے خاصے مراسم تھے۔ حضرت علامہ اقبال نے اس بات پر بہت خوشی کا اظہار کیا کہ کشمیری مسلمان اپنے انسانی حقوق کے لئے سیاسی جماعت بنانے کا عزم رکھتے ہیں ایک روایت کے مطابق اس جماعت کا نام حضرت علامہ اقبال نے تجویز کیا تھا اور اس کے دستور اساسی کی تدوین کے لئے انہوں نے سید محسن شاہ ایڈووکیٹ اور ملک برکت علی سے کہا تھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلم کانفرنس کے دستور اساسی کا مسودہ چودھری غلام عباس کا مرتبہ کردہ ہے لیکن اس کی ترتیب وتدوین میں حضرت علامہ اقبال اور ملک برکت علی کا مشورہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پنجاب کے تمام مسلم اکابرین سیاست وصحافت سے طویل مشاورت کے بعد 45 دفعات پر مسلم کانفرنس کا دستور اساسی مرتب کیا گیا۔ جس کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

دستور اساسی:

۱۔ اس انجمن کا نام آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس ہوگا اور اس کا صدر مقام سری نگر میں ہوگا۔

۲۔ آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے اغراض ومقاصد حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) مسلمانان ریاست جموں وکشمیر کی تنظیم

(ب) اتحاد بین المسلمین قائم کرنا اور اسے مضبوط رکھنا۔

(ج) مسلمانان ریاست جموں کشمیر کے سیاسی حقوق کی حفاظت۔

(د) مسلمانان ریاست جموں کشمیر اخلاقی، تعلیمی، معاشرتی، تمدنی و اقتصادی اصلاح اور ترقی کے لئے جدوجہد کرنا۔

۳۔ آل جموں کشمیر کانفرنس کا نظام حسب ذیل ہوگا۔

۱۔ آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے ممبران زیر دفعہ (5) درج رجسٹر ہونگے۔

۲۔ آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کی کونسل جو زیر دفعہ (12) قائم ہوگی۔

۳۔ آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی زیر دفعہ (14) منتخب کی جائے گی۔

۴۔ صوبہ جاتی مسلم کانفرنس جو زیر دفعہ (37) قائم اور مسلم کانفرنس کے ساتھ ملحق ہو چکی ہے۔

۵۔ وزارت ضلع کی مسلم کانفرنس جو زیر دفعہ (38) قائم اور مسلم کانفرنس کے ساتھ ملحق ہو چکی ہے۔

۶۔ تحصیل مسلم کانفرنس کے ساتھ ملحق ہو چکی ہے۔

۷۔ ذمہ دار انجمنیں جن کا قیام والحاق زیر دفعہ (40) اس کانفرنس کے ساتھ ہو چکا ہو۔

۸۔ ہر ایسی انجمن جس کا الحاق زیر دفعہ (41) اس کانفرنس کے ساتھ ہو چکا ہو اس خاکہ کی مفصل تشریح و توضیح 45 دفعات میں پوری طرح کر دی گئی اور اس کے بعد جماعت کے پہلے سالانہ اجلاس کی تیاری شروع ہوئی، جس کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے علاقہ میں آئے اور ریاست پونچھ کی چار تحصیلوں کے مرکزی مقامات پر جلسے کر کے لوگوں کی جماعت کو قیام اور فوائد سے آگاہ کیا اور اس کام میں کئی کئی دن تک

پہاڑی علاقوں میں سفر کرتے رہے تاکہ مسلم کانفرنس کے قیام کی اطلاع ریاست پونچھ کے تمام مسلمانوں کو ہو جائے۔

پہلا سالانہ اجلاس:

15,14 اور 16 اکتوبر 1932ء کو آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس بمقام پتھر مسجد سری نگر میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں تحصیل حویلی مہنڈر سدھنوتی اور باغ سے چیدہ چیدہ لوگوں نے شرکت کی اور اس اجلاس کے انعقاد میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے انتھک محنت کی تھی۔ اس تاریخی اجلاس کی دو نشستوں میں میرواعظ مولوی یوسف شاہ شامل رہے مگر آخری نشست میں اپنے عقیدت مندوں کو لیکر الگ ہو گئے کیونکہ اس وقت کشمیر کی وادی میں شیخ عبداللہ نے کافی شہرت حاصل کر لی تھی اور شیخ عبداللہ کے ساتھ میرواعظ کے اختلافات تھے۔ میرواعظ مولوی یوسف شاہ کا بڑا الزام یہ تھا کہ شیخ عبداللہ مرزائیوں سے مالی امداد حاصل کر رہا ہے اور کشمیر میں مرزائیت کی تبلیغ کرا رہا ہے۔

مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس بے حد کامیاب رہا اور اس میں شیخ عبداللہ کو جماعت کا صدر اور چودھری غلام عباس کو سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ جماعت کی مجلس عاملہ میں سردار فتح محمد خان کریلوی بھی شامل کر لیے گئے اور واپس آنے کے بعد انہوں نے پوری ریاست پونچھ میں جگہ جگہ جلسے کئے اور جماعت کی شاخیں قائم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان کی بڑی خواہش یہ تھی کہ ریاست پونچھ میں آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کی جڑیں مضبوط ہوں تاکہ یہاں کے ڈوگرہ راجہ اور اس کے اعلیٰ حکام پر جماعت کا رعب پڑے اور یہ ظلم و زیادتی سے باز آئیں۔

ان دنوں ریاست پونچھ کی چار تحصیلوں اور کوٹلی میرپور سے جس قدر باشعور لوگ مسلم کانفرنس میں شامل ہوئے اور ملکی و قومی خدمت کے لئے آگے آئے انہیں اس میدان میں آگے

لانے کا سہرا سردار فتح محمد خان کریلوی کے سر ہے۔ اس کا اعتراف تمام پرانے سیاسی کارکنوں کو ہے۔

پہلے سالانہ اجلاس کی کامیابی کے بعد شیخ عبداللہ اور چودھری غلام عباس لاہور کے دورے پر چلے گئے تھے تاکہ وہ وہاں کے مسلم رہنماؤں سے ملکر اپنا آئندہ لائحہ عمل تیار کرلیں۔ اس دوران سردار فتح محمد خان کریلوی پونچھ میر پور اور کوٹلی کے دورے کر کے ان تمام علاقوں میں جماعت کی رکن سازی اور شیرازہ بندی کرتے رہے۔

جب چودھری غلام عباس اور شیخ عبداللہ سری نگر واپس آئے تو جماعت کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا گیا تاکہ اس بات پر غور کیا جائے کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے گلنسی سفارشات کے مطابق جن مطالبات کے پورا کرنے کی حامی بھری تھی سرکاری سطح پر اس پر کہاں تک عمل ہوا ہے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی بھی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شامل ہوئے اور انہوں نے اپنی جماعتی کارگزاری کی مکمل رپورٹ پیش کی اور اسی طرح دوسرے تمام علاقوں سے بھی اراکین مجلس عاملہ نے رپورٹیں پیش کیں۔

جماعت کا دوسرا سالانہ اجلاس:۔

دوسرے سالانہ اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ بھی مجلس عاملہ کے اسی اجلاس میں ہوا اور سردار فتح محمد خان کریلوی کی تجویز پر طے پایا کہ یہ اجلاس میر پور میں منعقد کیا جائے تاکہ جموں، پونچھ، میر پور اور کوٹلی کے مسلمان بھی بڑی تعداد میں شرکت کرسکیں اور راجہ پونچھ اور اس کے اعلیٰ حکام کو بھی مسلمانوں کی جماعتی طاقت کا احساس ہو سکے۔ میر پور کا یہ اجلاس سردار فتح محمد خان کریلوی کے لئے اس وجہ سے زیادہ اہم تھا کہ اس کے لئے سارے انتظامات کی ذمہ داری ان کے سر تھی اور انہی کی تجویز پر اس کے میر پور میں انعقاد کا فیصلہ ہوا تھا۔

سید حسن شاہ گردیزی مرحوم میرپور کے اس تاریخی اجلاس کی شان وشوکت کا ذکر ہمیشہ کیا کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ریاست کے کسی بھی حصہ میں لوگوں کا اتنا بڑا اجتماع ایک معجزے سے کم نہ تھا کیونکہ اس زمانے میں نہ تو سڑکیں تھیں اور نہ ٹرانسپورٹ تھی۔ مجبوراً لوگوں کو پیدل ہی سفر کرنا پڑتا تھا اور پونچھ کے تمام حصوں سے جلسہ دیکھنے کے لئے لوگ پیدل میرپور پہنچے تھے۔

اس جلسہ میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر حضرت علامہ اقبالؒ سے استدعا کی گئی تھی وہ خود تو تشریف نہ لا سکے البتہ انہوں نے اپنے گراں قدر جذبات کا اظہار ایک مفصل خط میں کیا اور جلسہ کی کارروائی کے دوران یہ خط پڑھ کر حاضرین کو سنایا گیا۔ یہ اجلاس 15، 16 اور 17 ستمبر 1933ء کو منعقد ہوا تھا جس میں ایک عام اندازے کے مطابق دو لاکھ افراد نے شرکت کی تھی۔ میرپور کے اس تاریخی اجلاس نے اس سارے پسماندہ علاقہ میں لوگوں کے حوصلے بلند کئے۔ میرپور، کوٹلی، پونچھ اور مظفرآباد سے کئی باشعور مسلمان سیاست میں آئے جنہوں نے آگے چل کر نام پیدا کیا۔ راولاکوٹ اور باغ کے کئی سیاسی کارکن پہلی دفعہ مسلم کانفرنس کے اس دوسرے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے تھے اور یہ سب سردار فتح محمد خان کریلوی کی شبانہ روز کوشش اور لگن کا نتیجہ تھا۔ یہ روایت تو عام مشہور ہے کہ میرپور کے اس عظیم الشان جلسہ کے تمام اخراجات کی ذمہ داری سردار فتح محمد خان کریلوی نے اپنے سر لی تھی اور انہوں نے اسے اس قدر احسن طریقہ سے نبھایا کہ اس کی مثال بعد میں کبھی نہیں مل سکی کیونکہ وہ ان اطراف کے کونے کونے سے لوگوں کو میرپور لائے تھے۔ اس زمانے میں میرپور جیسے شہر میں دو لاکھ افراد کو اکٹھا کرنا آسان نہ تھا۔

ریاستی حالات:-

مسلم کانفرنس کے اس دوسرے سالانہ اجلاس کی کامیابی نے ڈوگرہ حکومت اور اس کے اعلیٰ حکام کو بے حد خوفزدہ کر دیا تھا کیونکہ مسلمانوں کے اتحاد اور یکجہتی میں ان کی موت تھی۔ اس وجہ سے ڈوگرہ حکام نے اندرون ریاست مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا منصوبہ بنالیا۔ ابتداء میں میر واعظ مولوی یوسف کا اختلاف شیخ عبداللہ سے تھا کہ یہ ریاست میں مرزائیت پھیلا رہا ہے مگر اب کسی وجہ سے ان کی میر واعظ احمد اللہ ہمدانی سے ٹھن گئی تھی اور ان کی باہم لڑائی نے وادیٔ کشمیر کے مسلمانوں کو آپس میں بری طرح الجھا دیا تھا۔

لاہور کے دورہ سے واپس آنے کے بعد ریاست کے بگڑے ہوئے حالات کا جائزہ لینے کے لئے شیخ عبداللہ نے سیالکوٹ میں جماعت کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا اور غور و فکر کے بعد طے ہوا کہ مجلس عاملہ توڑ کر اس کی جگہ اس کے ممبروں پر مشتمل ڈکٹیٹرشپ قائم کی جائے اور تمام ممبران ڈکٹیٹر کی حیثیت میں یکے بعد دیگرے ریاست میں داخل ہو کر گرفتاریاں پیش کریں۔

فیصلہ کے مطابق سب سے پہلے چودھری غلام عباس کو سری نگر بھیجا گیا اور انہوں نے سری نگر پہنچ کر اسوقت کے وزیر اعظم کشمیر کرنل کالون کو خط لکھا' جس میں کہا گیا کہ گلنسی کمیشن کی سفارشات کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کے مطالبات دبائے نہ جائیں۔ مسلمان ریاست میں ذمہ دارانہ نظام حکومت اور اسمبلی کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اس خط کے جواب میں وزیر اعظم کشمیر نے چودھری غلام عباس کو زبانی گفتگو کی دعوت دی لیکن چودھری صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب تک آئینی اصلاحات کے فارمولہ پر بحث و تمحیص نہ ہو وہ ملاقات کے لئے تیار نہیں۔ اس کے فوراً بعد جب چودھری صاحب نے سری نگر میں سول نافرمانی کی تو وہ گرفتار کر لیے گئے۔

سیالکوٹ میں طے ہوا تھا کہ مجلس عاملہ کے تمام ممبران یکے بعد دیگرے گرفتاری دینگے ۔ڈوگرہ حکومت نے چال یہ چلی کہ چودھری غلام عباس' صدرالدین مجاہد اور مولانا محمد سعید مسعودی نے گرفتاری کے بعد اسمبلی کے قواعد وضوابط کا اعلان کر دیا اور شیخ محمد عبداللہ سری نگر پہنچ کر الیکشن کی تیاری کرنے لگے۔اس وقت چودھری غلام عباس اودھم پور جیل میں تھے اور انہیں چھ ماہ کی سزا ہوئی تھی۔

اسمبلی کے قواعد وضوابط:۔

گلنسی کمیشن کی سفارشات کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاستی مسلمانوں کے کچھ مطالبات کی منظوری کا فوری اعلان کر دیا تھا اور اسمبلی کے قواعد وضوابط مرتب کرنے کے لئے سر برجور دلال کی قیادت میں ایک کمیٹی مقرر کر دی تھی۔اس کمیٹی نے کافی غور وفکر کے بعد ریاستی اسمبلی کے انتخابات کے لئے ایک بنیادی خاکہ مرتب کیا جس کے مطابق ممبران اسمبلی کی کل تعداد مع 16 کونسلروں اور 12 اہلکاروں یا سرکاری افسروں کے 72 رکھی گئی جس میں منتخب مسلمان 21 ہندو' 10 سکھ' 2 نامزد ممبران' 30 جن میں مسلمان تھے' اس طرح مسلمان ممبروں کی تعداد منتخب اور نامزد ملا کر 32 ہوتی تھی اور ماسوائے سرکاری ممبروں کے ہندو ممبروں کی تعداد 25 قرار دی گئی۔

اس بنیادی خاکہ کے ساتھ ساتھ ممبران اسمبلی کے لئے قوانین بنائے گئے کہ کسی اہلیت کا شخص ریاستی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لے سکتا ہے۔اس خاکہ کے مطابق ریاست پونچھ کی نمائندگی کے لئے عجیب صورتحال پیدا ہوئی۔مہاراجہ ہری سنگھ کی کوشش تھی کہ ریاست پونچھ کو جموں کشمیر اسمبلی میں نمائندگی دی جائے اور راجہ پونچھ کی خواہش تھی کہ ریاست کی اپنی الگ اسمبلی ہو۔راجہ پونچھ سمجھتا تھا کہ کشمیر اسمبلی میں نمائندگی لینے سے پونچھ کی الگ ریاستی حیثیت ختم

ہو جائے گی اور آئینی لحاظ سے یہ ملک کشمیر ہی کا ایک حصہ سمجھا جائیگا۔

جن دنوں ریاستی اسمبلی کے لئے قواعد کا اعلان ہوا اس وقت تک ریاست پونچھ کی چار تحصیلوں میں سے سیاسی کارکن کی حیثیت سے کئی افراد سامنے آ چکے تھے۔ باغ سے سید احمد شاہ گردیزی آف ہل سرنگ' مولانا محمد عبداللہ' کفل گڑھی' سردار عبداللہ خان آف ٹوپی' سردار جواہر خان' سید خادم حسین شاہ' پیر سید علی اصغر شاہ اور تحصیل سدھنوتی سے منشی فیروز علی خان و مولانا غلام حیدر جنڈالوی سرگرم تھے۔ تحصیل حویلی سے بھی چند کارکن تھے لیکن ریاست پونچھ میں سردار فتح محمد خان کو بانی تحریک آزادی ہونے کی حیثیت سے بہت بلند مقام حاصل تھا۔ راجہ پونچھ نے انہیں اپنے پاس بلا کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ ریاست پونچھ میں الگ اسمبلی ہوگی جو اس ریاست کے تمام مسائل و معاملات پر غور کرے گی۔ آپ اس ریاست کی اسمبلی کو ریاست کشمیر کے تابع نہ کرائیں۔ میں آپ کے تمام مطالبات پورے کروں گا مگر سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس خیال سے انکار کر دیا کہ اگر ریاست پونچھ کی نشستیں کشمیر اسمبلی میں رکھی گئیں تو راجہ پونچھ کو نکیل پڑ جائے گی اور بڑے ہاؤس کی تائید سے ہمارے مطالبات جلد پورے ہوں گے اور اگر ریاست پونچھ کی الگ اسمبلی ہوتی تو یہ زیادہ سے زیادہ چھ ممبران پر مشتمل ہوگی' جس کی کوئی وقعت نہ ہوگی اور پھر راجہ پونچھ بڑی آسانی سے لالچ دیکر ان ممبروں میں سے چار کو خرید سکتا ہے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس معاملہ میں صوبیدار خان محمد خان کو بھی اپنا ہم خیال بنایا مگر راجہ پونچھ نے سردار گل احمد خان آف سدھن گلی اور مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی کو یقین دلایا کہ پونچھ کی الگ اسمبلی ریاست کے مفاد میں ہوگی۔ اس طرح اسمبلی کے معاملہ میں یہاں دو گروپ ہو گئے اور دونوں نے اپنے اپنے موقف کی وضاحت کے لئے ریاست پونچھ کے کونے کونے میں جلسے شروع کر دیئے۔ اس معاملہ میں گروپوں کے درمیان تلخیاں بھی ہوئیں

اور بالآخر طے یہ ہوا کہ اس بارے میں لاہور جا کر حضرت علامہ اقبالؒ سے رائے لی جائے جیسا مشورہ وہ دیں اس پر عمل کیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں سردار فتح محمد خان کریلوی اور صوبیدار خان محمد خان لاہور گئے اور جب اپنا معاملہ حضرت علامہ اقبالؒ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا اس ریاست میں پیدا ہونا ہی جرم ہے۔ تم غلام ابن غلام بننا چاہتے ہو اپنا چھکڑا چلتی ٹرین کے ساتھ باندھو تو منزل پر پہنچو گے۔ میرا ایمان ایک دن کشمیر ضرور آزاد ہوگا اس لئے تمہارے لئے کشمیر کی اسمبلی ہی بہتر ہے۔ پونچھ ایک چھوٹی ریاست ہے اس کی الگ اسمبلی کیا ہوگی؟

حضرت علامہ اقبالؒ سے مشورہ کے بعد عوامی طور پر یہ طے ہو گیا کہ ریاست پونچھ کی نمائندگی کشمیر اسمبلی میں ہوگی اور اس ریاست سے صرف دو ممبران کا انتخاب عوام کرینگے۔

اسمبلی کے قواعد وضوابط کا جو خاکہ سامنے آیا تھا یہ مصیبتوں کا ایک پلندہ تھا اور حکومت نے بڑی عیاری کے ساتھ اس میں اپنے لئے چور دروازے رکھے تھے بجائے اس کے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے اور اس کے لئے مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا جائے۔ شیخ عبداللہ نے صدر مسلم کانفرنس کی حیثیت سے یہ کہہ کر انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا کہ میں مسلم کانفرنس کی حقیقی طاقت سے حکومت کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں حالانکہ اس اسمبلی کے تمام چور دروازوں میں حکومت نے ممبروں کی حیثیت سے اپنے آلہ کار کھڑے کرنے کی گنجائش رکھی تھی۔ بہرحال جب شیخ عبداللہ نے اعلان کیا تو تمام ریاست جموں وکشمیر اور پونچھ میں الیکشن کی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ شیخ عبداللہ نے وزیر اعظم کشمیر کرنل کالون سے مطالبہ کیا کہ چونکہ مسلم کانفرنس پرامن فضا میں اسمبلی کے الیکشن کرانا چاہتی ہے اس لئے مسلم کانفرنس کے جو لیڈر اور کارکن نظر بند ہیں انہیں رہا کیا جائے۔

کرنل کالون نے پہلے تو تمام کارکنوں اور لیڈروں کو رہا کرنے کا وعدہ کیا مگر جب کاغذات نامزدگی داخل کرانے میں صرف دو دن رہ گئے تو وہ انکاری ہو گیا اور سرکاری طور پر اعلان ہوا کہ سردست نظر بندوں کی رہائی کا معاملہ معرض التواء میں ہے۔ مسلم کانفرنس کے لئے بحیثیت مجموعی یہ موقع بڑا خطرناک تھا کیونکہ جماعت کے سرگرم کارکن اور خود چودھری غلام عباس جیل کی کوٹھڑیوں میں نظر بند تھے اور ادھر میر واعظ مولوی یوسف شاہ نے اپنی جماعت آزاد مسلم کانفرنس کی طرف سے پانچ امیدوار کھڑے کر دیئے تھے۔

مرکز کی طرف سے مسلم کانفرنس کی تمام شاخوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ خواہ جیسے بھی امیدوار دستیاب ہوں وہ جماعت کی طرف سے فوراً اپنے اپنے حلقوں میں کاغذات نامزدگی داخل کر دیں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے تحصیل مہنڈر اور حویلی سے کاغذات نامزدگی داخل کرائے ان کا حلقہ بہت وسیع تھا' ان کے حلقہ سے چودھری غلام حسین لسانوی نے بھی کاغذات نامزدگی داخل کرائے۔ خواجہ محمد جو آف ہالن نے بھی پونچھ سرکار نمائندے کے طور پر کاغذات داخل کرائے تھے لیکن سردار فتح محمد خان کریلوی کے لئے یہ کوئی مشکل مسئلہ نہ تھا کیونکہ جماعت سے ہٹ کر اس حلقہ میں ان کا اپنا ایک مقام اور مرتبہ تھا اور کہا جا سکتا ہے کہ اسمبلی کی اس ممبری سے پہلے بھی وہ اس علاقہ کے ممبر ہی تھے کیونکہ ان کی سابقہ قربانیاں ان دو تحصیلوں کے بچے بچے کے سامنے تھیں اور لوگ دل سے ان کی قدر کرتے تھے۔ علاقہ تھکیالہ پراوہ کا ایک ووٹ بھی لسانوی یا خواجہ محمد جو کو نہیں ملا' جب 4 ستمبر 1933ء کو ریاست جموں وکشمیر کے کونے کونے میں ووٹ ڈالے گئے اور پونچھ کی چار تحصیلوں میں بھی لوگوں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا تو تحصیل مہنڈر اور حویلی سے سردار فتح محمد خان کریلوی نے شاندار کامیابی حاصل کی اور سدھنوتی

اور باغ کے لوگوں نے صوبیدار خان محمد کو کامیاب کرایا۔

سری نگر کی پانچوں نشستوں پر میر واعظ مولوی یوسف شاہ کے امیدوار ہار گئے اور مسلم کانفرنس نے سری نگر سے ان کی جماعت آزاد مسلم کانفرنس کا وجود ختم کر دیا۔ ان انتخابات میں ڈوگرہ حکومت نے ریاستی عوام کو الیکشن کے ذریعہ نشستیں دیں اور چالاکی کر کے خود اپنے پاس کتنی رکھیں اس کا گوشوارہ حسب ذیل ہے۔

گوشوارہ ممبران اسمبلی 1934ء

سرکاری نامزد ممبران

1- سر برجور دلال، چیئرمین اسمبلی۔

2- کرنل کالون، وزیر اعظم کشمیر۔

3- نواب خسرو جنگ، وزیر افواج کشمیر۔

4- وجاہت حسین، وزیر داخلہ۔

5- ٹھاکر کرتار سنگھ، وزیر مالیات۔

6- پنڈت اننت رام۔

7- میجر جنرل ٹھاکر جنک سنگھ کانگڑہ۔

8- خان بہادر سید آغا حسین سری نگر۔

9- سردار تیج سنگھ اکاؤنٹنٹ جنرل جموں۔

10- رائے غلام حسین بھمبر۔

11- کرنل سنسار سنگھ جموں۔

12- سندر لال در سری نگر۔

13- پنڈت رام چندر رازدان سری نگر۔

14- مرزا غلام مصطفیٰ ذیلدار میر پور۔

15- ٹھاکر پریم چند چانڈی کٹھوعہ۔

16- رسالدار ٹھاکر سادھو سنگھ وٹالہ بھمبر۔

17- سردار مل سنگھ سری نگر۔

18- منشی اسداللہ وکیل سری نگر۔

19- پنڈت لوک ناتھ شرما جموں۔

20- شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ جموں۔

21- چودھری عباس علی ذیلدار میر پور۔

22- چودھری ذیلدار نبیر سنگھ پورہ۔

23- نن تھونٹ شاہ بدھ۔

24- کاسن زانگلو بدھ۔

25- افتخار علی آف چپلو سکردو۔

26- سید وجاہت علی شاہ کرگل۔

27- وزیر محمد خان استور۔

28- خواجہ صفدر علی ماگام۔

29- خواجہ عبدالرحیم بانڈے حضرت بل۔

30- سلطان فیروزدین گڑھی دوپٹہ۔

31- لالہ لاجپت رائے جموں۔

32- لالہ شوناتھ نندہ سری نگر۔

33- جگت رام اودھم پور۔

34- سردار ہری سنگھ جموں۔

35- لالہ رام لعل وکیل پونچھ۔

36- بابو رام داس سابق وزیر چینی۔

عوامی منتخب ممبران

1- شیخ محمد امین جموں۔

2- پیر ضیاء الدین بڈگام۔

3- لالہ امر ناتھ کوہلی جموں۔

4- پنڈت دیوراج شاستری جموں۔

5- چودھری عبداللہ خان بجلی رنبیر سنگھ پورہ۔

6- لالہ ہنس راج وکیل جموں۔

7- کرنل عبدالرحمٰن اودھم پور۔

8- کوتوال لکھی نرائن بھدرواہ۔

9- میجر عطا محمد خان ریاسی۔

10- میاں قربان احمد کٹھوعہ۔

11- وزیر گنگا رام ریاسی۔

12- پنڈت رام چندر کٹھوعہ۔

13- بخشی موتی رام میر پور۔

14- چودھری عبدالکریم میرپور۔

15- راجہ مروت خان بھمبر۔

16- سردار فتح محمد خان کریلوی پونچھ۔

17- سردار خان محمد خان سدوزئی پونچھ۔

18- سردار بدھ سنگھ ریاسی۔

19- خواجہ علی محمد سرینگر۔

20- عبداللہ وکیل سرینگر۔

21- آغا سید حسین شاہ جلالی سرینگر۔

22- حاجی احمد اللہ شہداد سری نگر۔

23- خواجہ غلام محمد صادق سرینگر۔

24- پنڈت امر ناتھ کاک سری نگر۔

25- پنڈت جیال لال کلم سری نگر۔

26- خواجہ اکبر ڈار سری نگر۔

27- مرزا محمد افضل بیگ اسلام آباد۔

28- خواجہ غلام حسین ملک کلگام۔

29- ثناءاللہ شاہ ہندواڑ۔

30- غلام محی الدین بڈگام۔

31- خواجہ سیف الدین شاہ بارہ مولہ۔

32- میاں احمد یار وکیل مظفر آباد۔

33- پنڈت گوبندرام قابو بارہ مولہ۔

34- سردار کہنسار سنگھ بارہ مولہ۔

اسمبلی کے انتخابات مکمل ہونے کے بعد 17 اکتوبر 1934ء کو اس ادارے کا پہلا اجلاس جموں دربار گڑھ میں منعقد ہوا جس میں خود مہاراجہ ہری سنگھ نے بھی شرکت کی۔ اسمبلی کی ہیئت ترکیبی اور اس کے ڈھانچہ پر میاں احمد یار نے شدید تنقید کی لیکن یہ بالکل بے سود بات تھی کیونکہ یہ ساری باتیں اس وقت کی جانی چاہئیں تھی جب اس کے قواعد وضوابط کا اعلان ہوا تھا' انتخابات کے بعد اب ظاہر ہے کہ اس ادارے میں سرکاری ممبروں کی بھرمار تھی اور ایسی صورتحال میں منتخب ممبروں کی بات کون سنتا تھا' البتہ بعض ممبران حکومت پر شدید تنقید کر کے دل کی بھڑاس نکالتے تھے۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے اپنے حلقہ انتخاب تحصیل مہنڈر اور حویلی کے عوامی مطالبات کی ایک تفصیلی فہرست تیار کی تھی تا کہ اسے جموں کشمیر اسمبلی میں پیش کیا جائے اور دوسرے تمام ممبران اسمبلی کے تعاون سے ان مطالبات کو راجہ پونچھ سے منظور کرایا جائے۔

جیسا کہ اوراق گزشتہ میں گزر چکا ہے کہ راجہ پونچھ نے اپنی ریاست کے مسلم عوام پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر رکھے تھے' ملک میں صنعت وحرفت نام کو نہ تھی اور نہ ہی تجارتی ذرائع تھے۔ یہاں کے لوگوں کی زندگی کا دارومدار اپنی زمینوں کی کاشت پر تھا' لوگ نہایت محنت اور مشقت سے اپنی زمینوں سے غلہ پیدا کرتے تھے اور یہ سارا غلہ یا تو لگان اور ٹیکسوں کی نذر ہو جاتا تھا یا سود خور تاجر لوگوں سے سود میں ضبط کر کے پھر انہی کو آئندہ سال کے لئے سود پر دے دیتے تھے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا تھا۔

جب سردار فتح محمد خان کریلوی تحصیل مہنڈر اور حویلی سے اسمبلی کے لئے ممبر منتخب ہوئے تو ان دو تحصیلوں کے مسلمانوں کو کسی حد تک ڈھارس بندھی اور انہیں امید ہوگئی کہ اب ہم بے یار و مددگار نہیں ہیں بلکہ ہمارا دلیر' بہادر اور غریب پرور رہنما موجود تھا۔ کریلوی صاحب نے الیکشن کی مہم کے فوراً بعد اپنے حلقہ انتخاب اور تفصیلی سدھنوتی و باغ کا ایک تفصیلی دورہ کیا' وہ جہاں بھی گئے لوگوں نے ان کے سامنے دیدہ و دل فراش راہ کئے اور تمام مرکزی مقامات پر ان کے بڑے بڑے جلسوں میں لوگوں نے حاضری دے کر ان کے پُرجوش خطاب سُنے اور انہیں پھولوں کے ہار پہنائے۔ ان دوروں کے دوران انہوں نے ریاست پونچھ کے عوامی مسائل اور عوامی ضرورتوں کا مشاہدہ کیا اور طے کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو پونچھ کی حکومت سے یہ مسائل حل کرائے جائیں گے لیکن وہاں اسمبلی کی صورتحال یکسر مختلف تھی کیونکہ تمام اعلیٰ سرکاری حکام ڈوگرا حکومت کے تحفظ کے لئے بحیثیت ممبر اسمبلی سرکاری بنچوں پر براجمان تھے اور اگر کسی عوامی مسئلہ پر بات کی جاتی تھی تو وہ سارے ممبر بیک زبان حکومت کی حمایت کرتے ہوئے اس مسئلہ کو مسترد کر دیتے تھے۔

ریاست پونچھ واحد ایسی ریاست تھی جس کا کسی پل کے ذریعہ پنجاب سے کوئی رابطہ نہ تھا اور اس میں کوئی پکی سڑک بھی موجود نہ تھی۔ لوگ کئی کئی دن کا پیدل سفر کر کے پنجاب کے علاقہ میں محنت مزدوری کرنے جاتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو انہیں اپنی گٹھڑی اٹھا کر میلوں پیدل سفر کرنا پڑتا تھا۔

ان تمام مشکلات کے پیش نظر ابتداء میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے پلوں' سڑکوں' ہسپتالوں اور ہائی سکولوں کے لئے آواز بلند کی اور کوشش کی کہ ریاستی حکومت ان عوامی منصوبوں کی منظوری دے لیکن یہ ساری جدوجہد صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

بڑے منصوبوں کے علاوہ ریاست کے چھوٹے چھوٹے عوامی مسائل و معاملات بھی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتے تھے اور ان کی دلی خواہش یہ رہتی تھی کہ اس پسماندہ اور مفلوک الحال ریاست کے لوگوں کی حالت بھی کس طرح سدھرے' اس کا اندازہ اس طویل فہرست سے ہوتا ہے جس میں انہوں نے ریاست پونچھ کے بالکل چھوٹے چھوٹے عوامی مسائل و معاملات درج کئے ہیں۔

فہرست سوالات

ستمبر 1939ء کو ریاستی اسمبلی کا اجلاس سری سنگر میں منعقد ہوا تھا جس میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے مندرجہ ذیل سوالات اٹھائے۔

(1) راجہ پونچھ کی فوج مسلمانوں کے قبرستان میں پریڈ کرتی تھی، گلنسی کمیشن کی سفارشات پر راجہ پونچھ نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور یہ قبرستان انجمن اسلامیہ پونچھ کی تحویل میں دیا جائے گا۔ اس کے لئے ایک سرکاری گزٹ کے ذریعہ باقاعدہ اعلان کیا گیا مگر اس پر عملدرآمد نہیں ہوا تھا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اسمبلی میں سوال اٹھایا اور حکومت کے نمائندے سے پوچھا کہ یہ قبرستان آج تک واگزار کیوں نہیں کیا گیا۔

(2) حکومت پونچھ نے سرکاری جنگلات کے بعض حصوں کو شکارگاہیں قرار دے رکھا تھا حالانکہ یہ سفید رقبہ جات تھے وہاں درخت نہ تھے۔ ایک سرکاری گزٹ کے ذریعہ راجہ پونچھ نے اعلان کیا تھا کہ ان سفید رقبہ جات میں سے ان کاشتکاروں کو زمین دی جائے گی جن کے پاس گزارے کے لئے زمین کم ہے مگر اس اعلان پر بھی کسی نے عملدرآمد نہیں کیا تھا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس بارے میں بھی سوال اٹھایا اور شدید

احتجاج کیا۔

(3) شہر کے قریب نالہ بیتاڑ پر پل نہ ہونے کے باعث لوگوں کو آمد و رفت کی بے حد تکلیف تھی۔ اس بارے میں بھی راجہ پونچھ نے وعدہ کیا تھا مگر اس کی تعمیر کے معاملہ کو سرکاری افسروں نے پس پشت ڈال رکھا تھا۔ کریلوی صاحب نے اس بارے میں بھی شدید احتجاج کیا۔

(4) دوران بندوبست محکمہ بندوبست کے اہلکاروں نے لوگوں کی اراضیات کے اکثر حصے رقبہ خالصہ قرار دے کر برجیاں لگادی تھیں اس بارے میں بھی سردار فتح محمد خان کریلوی نے اسمبلی میں سوال اٹھایا اور لوگوں کی اراضیات واگزار کرنے کا مطالبہ کیا۔

(5) ریاست پونچھ اور کشمیر کی سرحد پر حکومت پونچھ نے بلا جواز کسٹم چوکیاں قائم کر رکھی تھیں اور ان چوکیوں پر متعین کارندے لوگوں کو تنگ کرتے تھے۔ کریلوی صاحب نے اسمبلی میں مطالبہ کیا کہ یہ کسٹم چوکیاں فوراً اٹھائی جائیں۔

(6) پن چکیوں پر ٹیکس لگایا گیا تھا اور پن چکیوں کے مالک اس کا خسارہ مکئی پسوانے والوں سے پورا کرتے تھے۔ کریلوی صاحب نے اس کے خاتمہ کے لئے بھی مطالبہ کیا۔

(7) لوگوں کو اپنی ذاتی اراضیات سے درخت کاٹنے کی بھی اجازت نہ تھی، کریلوی صاحب نے شدت سے مطالبہ کیا کہ لوگوں کو مکانات کی تعمیر کے لئے اپنے کھیتوں سے درخت کاٹنے کی اجازت دی جائے۔

(8) جاگیر سدھرون کے لوگوں پر حکومت نے کاہ چرائی ٹیکس لگا رکھا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اس ٹیکس کی آمدن سے اس علاقہ میں مڈل سکول کھولے جائیں گے لیکن حکومت پس و پیش کر رہی تھی اور اسکے باوجود کہ والی سدھرون راجہ پونچھ کا خاص وفادار تھا لیکن سردار

فتح محمد خان کریلوی نے عوامی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اسمبلی میں سوال اٹھایا۔

(9) ریاست پونچھ میں پرائمری سکول بہت کم تھے۔ کریلوی صاحب نے اسمبلی میں سوال اٹھایا کہ حکومت مختلف ٹیکسوں کے ذریعہ غریب عوام سے روپے وصول کرتی ہے۔ کیا وجہ کہ اس آمدن سے تعلیمی ترقی کے لئے خرچ نہ کیا جائے۔

(10) سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندہ حیثیت تو کجا بالکل چھوٹی چھوٹی ملازمتوں میں بھی مسلمان خال خال تھے اور تمام اعلیٰ عہدے ڈوگروں کے پاس تھے جو ان چھوٹے ملازموں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا کرتے تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس ناروا سلوک کے خلاف اسمبلی میں سوال اٹھایا اور مطالبہ کیا کہ اس زیادتی کا تدارک کیا جائے۔

(11) 1914ء کی جنگ میں پونچھ سے بڑی تعداد میں نوجوانوں نے برطانوی فوج میں شامل ہو کر مختلف ممالک میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا تھا اور ان میں سے بعض ہر برطانوی حکام نے پنجاب سے انعام کے طور پر مربعے دینے کا فیصلہ کیا مگر مہاراجہ کشمیر کو یہ بات پسند نہ تھی' اس نے برطانوی سرکار سے استدعا کی کہ میری ریاست کے کسی فوجی (ریٹائرڈ) کو پنجاب سے مربعہ اراضی نہ دی جائے بلکہ ان کی فہرست مجھے دی جائے تاکہ میں اپنی ریاست سے ان کو خود مربعے دوں۔

برطانوی سرکار نے مہاراجہ کا یہ مطالبہ مان کر فہرست بہادران اس کے حوالے کی' اس قاعدہ کے مطابق جن جن بہادر سپاہیوں کا تعلق پونچھ سے تھا ان کو پونچھ ہی سے مربعے ملنا چاہئیں تھے لیکن سالہا سال گزرنے کے باوجود راجہ پونچھ اور مہاراجہ کشمیر نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس مسئلہ کو اسمبلی

میں اٹھایا اور حکومت کی سرد مہری پر شدید احتجاج کیا لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔

(12) ریاست پونچھ میں بعض ٹیکس صرف مسلمانوں سے ہی لئے جاتے تھے۔ کریلوی صاحب نے ان کے خلاف بھی آواز بلند کی۔

(13) مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں جب ریاست جموں وکشمیر میں تعزیرات ہند کا نفاذ ہوا تو مہاراجہ رنبیر سنگھ نے تعزیرات ہند میں کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا اور اس میں خصوصیت سے گاؤکشی کا قانون شامل کیا' اس کے بعد طے ہوا کہ جو مسلمان گائے ذبح کرلے اسے سخت سزا دی جائے۔ اس قانون کے تحت مسلمان ریاست میں گائے نہیں ذبح کرسکتے تھے اور جو اس جرم کے مرتکب ہوتے تھے ان کو چودہ سال سزا سنائی جاتی تھی۔

کریلوی صاحب نے ریاستی اسمبلی میں یہ مؤقف اختیار کیا کہ ریاست جموں وکشمیر میں مسلمان 80 فیصد ہیں' جس ملک میں مسلمانوں کی اتنی بھاری اکثریت ہو وہاں ان پر گاؤکشی کا قانون ٹھونسنا سخت زیادتی ہے' اسے منسوخ کیا جائے۔

(14) ریاست پونچھ کی چار سو چار لاکھ کی آبادی کے لئے صرف ایک ہی ہائی سکول تھا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اسمبلی میں مطالبہ کیا کہ پونچھ شہر کے سکول کو کالج کا درجہ دیا جائے اور چاروں تحصیلوں کے مرکزی مقامات پر ایک ایک ہائی سکول دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے بچے تعلیم حاصل کرسکیں۔ سردار صاحب کے ذاتی کاغذات میں ایک ایسی فہرست موجود ہے جس میں 40 عوامی مطالبات درج ہیں اور بعض مطالبات تو بہت معمولی معمولی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ریاست پونچھ کے ماحول اور معاشرے پر ان کی نظر بہت گہری تھی اور ریاستی مسلمانوں کا چھوٹے سے چھوٹا مطالبہ

بھی ان کے پیش نظر رہتا تھا اور وہ لوگوں کی بنیادی ضرورتوں سے آگاہ تھے لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسمبلی کے ایوان میں ریاست پونچھ کا کوئی عوامی مطالبہ بھی پورا ہونے کی توقع نہ تھی۔

مسلم کانفرنس کا تیسرا سالانہ اجلاس

سردار فتح خان کریلوی اپنے حلقہ انتخاب میں عوامی مسائل کے ساتھ ساتھ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی تنظیم اور رکن سازی میں بھی ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔نومبر 1934ء میں جب آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا تیسرا سالانہ اجلاس سری نگر سوپور میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس کے لئے 12,11 اور 13 نومبر کی تاریخیں طے ہوئیں تو سردار فتح محمد خان کریلوی کی ساری توجہ اس اجلاس کی کامیابی کی طرف ہوگئی۔انہوں نے اس عظیم الشان اجلاس کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کے لئے ریاست پونچھ کی چاروں تحصیلوں حویلی، مہنڈر، سدھنوتی اور باغ کا دورہ کیا تاکہ ان سارے مقامات سے لوگ جوش وجذبے کے ساتھ شامل ہوں۔یہ سردار فتح محمد خان کریلوی کے مجاہدانہ جذبے، خلوص اور جماعت کے ساتھ لگن ہی کا نتیجہ تھا کہ ان اطراف سے ہزاروں مسلمان پیدل سری نگر پہنچے اور جلسہ میں شرکت کی۔خود سردار فتح محمد خان کریلوی تحصیل منہڈرا اور حویلی کے ہزاروں جوش مسلمانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا جم غفیر لے کر سری نگر پہنچے اور اسی طرح جلسہ کی رونق کو دوبالا کیا۔

یہ روایت مسلمہ ہے کہ مسلم کانفرنس کے تیسرے سالانہ اجلاس میں دو لاکھ کے لگ بھگ لوگ شامل ہوئے اس کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی نے بنیادی کردار ادا کیا وہ ریاست پونچھ سے لوگوں کو ہی نہیں لے گئے بلکہ اس ریاست کی چاروں تحصیلوں سے جماعت کے لئے فنڈز بھی فراہم کرائے اور جلسہ کا پورا پورا انتظام کرایا۔جماعت کا یہ اجلاس میاں احمد یار

کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں انہوں نے ایک تاریخی خطبہ پیش کیا اور ڈوگرہ حکومت سے شدید مطالبہ کیا کہ گلنسی کمیشن کی ساری سفارشات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اس اجلاس میں انہوں نے اسمبلی کے بنیادی ڈھانچہ پر شدید تنقید کی اور بتایا کہ ریاستی مسلمانوں کو اسمبلی کے ذریعہ بہتر آئین دیا جا سکتا تھا۔

شیخ عبداللہ کی نئی راہ:۔

سوپور کے اس کامیاب اجلاس نے ایک طرف ڈوگرہ حکومت کی نیندیں حرام کر دیں اور دوسری طرف شیخ عبداللہ کے دل میں ایک نئی سوچ کروٹیں لینے لگی جس نے آگے چل کر ریاستی تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا۔ وہ کشمیر کے ایک انتہائی پسماندہ اور غریب گھرانے کا فرد تھا۔ علی گڑھ سے ایم ایس سی کرنے کے بعد اس نے میر واعظ خاندان کے قائم کردہ ایک ہائی سکول باغ دلاور خان سری نگر میں ساٹھ روپے ماہوار کی سائنس ٹیچری شروع کی لیکن 1931ء کے بعد کشمیر میں جو یکے بعد دیگرے واقعات رونما ہوئے ان کے زیر اثر وہ اس انداز سے منظر عام پر آیا کہ کشمیر کی وادی کے لوگ اس پر جان چھڑکنے لگے۔ وہ نہایت خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا اور شعلہ بیان مقرر بھی تھا۔ اس وجہ سے اس نے بہت ہی جلد وادیٔ کشمیر کے مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر لیا اور میر واعظ کشمیر مولوی یوسف شاہ جن کا خاندان ایک صدی سے کشمیری مسلمانوں کا دینی راہنما چلا آ رہا تھا سیاسی طور پر پس منظر میں چلا گیا۔ میر واعظ کشمیر مولوی یوسف شاہ نے اپنی خاندانی وجاہت برقرار رکھنے کے لئے شیخ عبداللہ کے مقابلہ میں اپنے مریدین منظم کئے اور آزاد مسلم کانفرنس کے نام سے ایک سیاسی جماعت بھی بنائی لیکن کشمیر کی طول و عرض میں جس حیرت ناک انداز سے سیاسی خدوخال ابھرے تھے ان میں ایک مؤثر راہنما کی حیثیت سے میدان میں رہنا میر واعظ صاحب کے بس کی بات نہ تھی اور اس میں ان

کی چند مجبوریاں اور مصلحتیں بھی تھیں۔ وہ سری نگر میں وسیع جائیداد کے مالک تھے اور انقلابی انداز سے ڈوگرہ حکومت کے ساتھ ٹکر لینا ان کے لئے مشکل تھا۔ ان حالات میں منتخب کشمیریوں کی قیادت شیخ عبداللہ کے پاس آئی اور ان کا سیاسی قد کاٹھ بھی بن گیا تو اس نے اپنے آپ کو منوانے اور اپنی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے طے کیا کہ وہ برصغیر کے رہنماؤں سے بھی روابط قائم کرے۔

مسلم کانفرنس کے تیسرے سالانہ اجلاس سے فارغ ہو کر شیخ عبداللہ اپنے ساتھیوں سمیت سیاسیات ہند کے بغور مطالعہ اور مشاہدہ کے لئے روانہ ہوا اور اس نے پنجاب' ہندوستان کے اکثر شہروں کے دورے کئے۔ اس دوران اس نے پنجاب' ہندوستان کے تمام سرکردہ سیاسی راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور ریاست جموں و کشمیر کے بارے میں ان سے مشورے بھی کئے۔ وہ کانگرسیوں سے بھی ملا اور مسلم لیگیوں سے بھی لیکن پہلے ہی مرحلہ پر کانگریسی لیڈروں نے اسے اپنے جال میں پھنسا لیا۔

لاہور میں جب اس نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے گھر ایک پریس کانفرنس بلائی تو اخباری نمائندوں کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ کشمیر میں ہندو مسلم فسادات دراصل پنجاب کے فرقہ پرست ہندو لیڈروں کے افسوسناک پراپیگنڈا کا نتیجہ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں پنجاب کے لوگ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں' میرا آئندہ پروگرام کانگریس کے اصولوں کے تحت کام کرنے کا ہے اور میں عنقریب اپنے وطن جا کر اس قسم کی ایک جماعت کی بنیاد ڈالوں گا' جو قوم پرور نظریہ کی حامی ہو۔

سیاسیات ہند کے مطالعہ اور مشاہدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ عبداللہ نے اپنے ذہن کو کانگریس کے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ اس کے اس بیان کو کانگریسی حلقوں نے خوب سراہا لیکن

پنجاب، ہندوستان کی اکثر مسلم سیاسی جماعتیں اس سے بدظن ہونا شروع ہوگئیں کیونکہ انہیں صاف اندازہ ہوگیا تھا کہ شیخ عبداللہ کو کانگریسی لیڈروں نے خرید لیا ہے۔

کشمیر کی وادی میں چند کمیونسٹ بھی تھے جن میں پنڈت پریم ناتھ بزاز ایک پڑھے لکھے اور ذہین انسان شمار ہوتے تھے، جب شیخ عبداللہ اپنا دورہ مکمل کر کے واپس سری نگر پہنچا تو اس نے پنڈت پریم ناتھ بزاز کے تعاون سے ایک روزنامہ اخبار ہمدرد جاری کیا اور اس میں متحدہ قومیت کے موضوع پر زوردار مضامین شائع ہونے لگے جن سے شیخ عبداللہ کا عندیہ صاف معلوم ہو رہا تھا۔ شیخ عبداللہ کا کہنا تھا کہ میں کشمیر کے غیر مسلموں کو بھی ساتھ رکھ کر چلنا چاہتا ہوں کیونکہ ہماری جماعت کشمیر کے سارے باشندوں کی نمائندہ ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب یا ملت سے تعلق رکھتے ہوں۔

شیخ عبداللہ کے اس پراپیگنڈہ پر کشمیر کے پڑھے لکھے ہندو سردار بدھ سنگھ لالہ گروہاری لال، درگا پرشاد، پنڈت کاشی ناتھ، پنڈت شیام لال صراف اور جے این زتشی وغیرہ شیخ عبداللہ کے گرد جمع ہوگئے لیکن کشمیر کے پڑھے لکھے مسلمانوں میں شکوک وشبہات بڑھنے لگے کیونکہ انہیں 85 فیصد مسلم آبادی والی ریاست میں متحدہ قومیت کے نعرے کا کوئی جواز نظر نہ آتا تھا لیکن شیخ عبداللہ بدستور اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں پنڈت پریم ناتھ بزاز کے ذریعے متحدہ قومیت کے نعرہ کو اچھال رہا تھا۔

مسلم کانفرنس کا چوتھا سالانہ اجلاس:-

اکتوبر 1935ء کے پہلے ہفتہ میں جماعت کے چوتھے سالانہ اجلاس کی تیاریاں شروع ہوئیں اور طے پایا کہ اس دفعہ اس کا انعقاد 27,26 اور 28 اکتوبر کو سری نگر میں ہوگا۔

اس دفعہ جماعت کے اجلاس کی صدارت چودھری غلام عباس نے کرنی تھی، اس وجہ سے ان کی

ذاتی درخواست پر سردار فتح محمد خان کریلوی نے پورے جوش و جذبہ سے حصہ لیا۔ وہ جموں بھی گئے اور ریاست پونچھ کی چاروں تحصیلوں کا طوفانی دورہ کیا تا کہ جماعت کے لئے فنڈز کا اہتمام بھی کیا جائے اور لوگوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جلسہ میں شرکت کریں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی خود تحصیل مینڈھر اور حویلی کے مسلمانوں کا ایک بھاری جتھہ لے کر سری نگر پہنچے اور باغ اور سدھنوتی سے بھی ہزاروں مسلمانوں نے پیدل سری نگر جا کر جماعت کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔

اس دفعہ چودھری غلام عباس نے جو صدارتی خطبہ پڑھا اس میں چودھری صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ ریاست جموں و کشمیر میں جس قدر بھی چھوٹی چھوٹی تنظیمیں ہیں ان سب کو مسلم کانفرنس میں مدغم کیا جائے اور مسلم کانفرنس کو مضبوط اور فعال جماعت بنایا جائے۔

اس اجلاس میں شیخ عبداللہ کے نعرہ قومیت کے سبب بڑی تعداد میں پہلی دفعہ کشمیری ہندوؤں نے بھی شرکت کی لیکن انہیں شبہ تھا کہ مسلم کانفرنس مسلمانوں کی مذہبی جماعت ہے اور شیخ عبداللہ متحدہ قومیت کی باتیں محض کشمیری ہندوؤں کو دھوکہ دینے کے لئے کر رہا ہے۔ گویا شیخ عبداللہ کے نیشنلزم یا متحدہ قومیت کے نظریہ پر ہندوؤں کو بھی شبہ تھا۔

ذمہ دار اسمبلی کا مطالبہ:۔

مئی 1936ء کو کشمیری مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر یوم ذمہ دار اسمبلی بنایا کیونکہ ریاستی اسمبلی کی موجودہ ہیئت ترکیبی جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے جمہوری اصولوں کے سراسر منافی تھی کیونکہ اس میں عوامی مفاد کے لئے نہ تو کوئی قانون بننے دیا جاتا تھا اور نہ ہی متفقہ طور پر کوئی بل پاس ہو سکتا تھا۔ جوں جوں ذمہ دار اسمبلی کا مطالبہ زور پکڑ رہا تھا حکومت اس کے

کارندے اندر ہی اندر کشمیر میں ہندو مسلم مناقشات کو ابھار رہے تھے تا کہ ہندو اور مسلمان آپس میں دست وگریبان ہوں اور ذمہ دار اسمبلی کا مطالبہ دب جائے۔ اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے مسلم کانفرنس کے کارکنوں نے انتھک کوشش کی لیکن اس کے پس منظر میں متحدہ قومیت کا نعرہ نوجوان طالبعلموں کو متاثر کر رہا تھا چنانچہ انہی دنوں اس نعرہ کو فروغ دینے کے لئے جولائی 1936ء میں چند نوجوانوں نے مل کر یوتھ لیگ قائم کی جس کا مقصد متحدہ قومیت کے حق میں پراپیگنڈہ کرنا تھا' اس کے ساتھ ساتھ کشمیری طلباء نے مل کر سٹوڈنٹس یونین بھی قائم کی اور اس کے فوراً بعد چند مسلم کانفرنسی کارکنوں اور طلباء نے مل کر 27 جنوری 1936ء کو میر عبدالعزیز کی قیادت میں سوشلسٹ پارٹی قائم کی جسے مسلم کانفرنس سوشلسٹ پارٹی بھی کہا جاتا تھا۔

مسلم کانفرنس کا پانچواں سالانہ اجلاس:۔

مسلم کانفرنس کے پانچویں سالانہ اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ پونچھ کے صدر مقام پر کیا گیا اور اس میں سب سے زیادہ کوشش سردار فتح محمد خان کریلوی کی تھی' وہ چاہتے تھے کہ پونچھ کے شہر میں جماعت کا بھرپور سالانہ اجلاس ہو تا کہ ریاست پونچھ کے لوگوں میں عام سیاسی شعور پیدا ہو اور یہ لوگ بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں۔

ریاست پونچھ کی ڈوگرہ حکومت اس کے حق میں ہرگز نہ تھی اور خود مہاراجہ ہری سنگھ بھی اس بات کے حق میں نہ تھا کیونکہ جنگ عظیم میں پونچھ سے بھاری تعداد میں مسلمان نوجوان بھرتی ہوئے تھے۔ مہاراجہ کا اعتراض یہ تھا کہ چونکہ ریاست پونچھ فوجی اہمیت کا علاقہ ہے اس میں کسی قسم کی سیاسی سرگرمی نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں کے لوگ سپاہی پیشہ ہیں۔ اس طرح برطانوی حکام کے لئے بھی بھرتی کے معاملہ میں مشکلات پیدا ہوں گی اور حکومت پونچھ کے لئے بھی نئے نئے مسائل پیدا ہوں گے مگر ان سارے اعتراضات کے باوجود جماعتی اجلاس کے

انعقاد کا فیصلہ پونچھ ہی میں کیا گیا اور اس کے لئے 14 مئی 1937ء کا دن مقرر ہوا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی کو اس اجلاس کی تیاری اور کامیابی کے لئے غیر معمولی محنت کرنی پڑی۔ انہوں نے ریاست پونچھ کی چاروں تحصیلوں کا دورہ کر کے لوگوں کو آگاہ کیا کہ وہ اس اجلاس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں تا کہ ان کے مطالبات منوانے کے لئے حکومت پونچھ پر دباؤ ڈالا جا سکے۔

اس وقت تک ریاست پونچھ میں اگرچہ سیاسی کارکنوں کی ایک ٹیم منظم ہو چکی تھی لیکن ان میں سے کسی کے دل میں بھی ابھی اتنا جوش و جذبہ نہ تھا جس قدر کہ سردار فتح محمد خان کریلوی کے دل میں تھا۔ انہوں نے اس اجلاس میں شمولیت کے لئے پنجاب کے کئی مسلم زعماء اور صحافیوں کو دعوت دی اور پوری تندہی و جانفشانی سے اجلاس کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

سید حسن شاہ گردیزی بتایا کرتے تھے کہ اس تاریخی اجلاس کی کامیابی کا سہرا سردار فتح محمد خان کریلوی کے سر ہے کیونکہ انہوں نے ریاست پونچھ کے کونے کونے میں پھر کر لوگوں کو جلسہ میں آنے کی دعوت دی اور اس سے زیادہ حاضری مسلم کانفرنس کے گزشتہ چار سالانہ اجلاسوں میں سے کسی میں بھی نہیں دیکھی گئی۔

14 مئی 1937ء کو جب سالانہ اجلاس شروع ہوا تو اس کی صدارت شیخ عبداللہ نے کی اور خصوصی طور پر تمام مقررین نے بڑی تفصیل سے پونچھ کے عوامی مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے حکومت کی زیادتیوں کی مذمت کی اور اس بات پر زور دیا کہ یہاں کی رعیت کو ناجائز ٹیکسوں کے بوجھ سے بچایا جائے اور ان کی سہولت کے لئے سڑکیں اور پل تعمیر کئے جائیں۔ اس تاریخی اجلاس کے تمام مقررین کا موضوع ریاست پونچھ کی پسماندگی اور یہاں کی ڈوگرہ حکومت کی زیادتیاں تھا۔

سید نذیر حسین شاہ نے اکثر مرتبہ اس بات کا ذکر کیا کہ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس جلسہ کے تمام مقررین اور اکابرین کا رخ پونچھ کے عوامی مسائل کی طرف موڑ دیا تھا اور وہ ہر مقرر کو تقریر سے پہلے موٹے موٹے پوائنٹس بتاتے تھے اور تاکید کرتے تھے کہ وہ انہی پہلوؤں پر روشنی ڈالے۔ کریلوی صاحب کی یہ حکمت عملی اس قدر کامیاب ہوئی کہ پونچھ کی ڈوگرہ حکومت تھرا کر رہ گئی۔ اس اجلاس میں پہلی دفعہ ریاست جموں وکشمیر کے لئے الگ یونیورسٹی کا مطالبہ کیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ ریاست پونچھ کے تمام مرکزی مقامات پر ہائی سکول قائم کئے جائیں اور پونچھ کے صدر مقام پر انٹرمیڈیٹ کالج قائم کیا جائے۔ شیخ عبداللہ نے اپنے صدارتی خطاب میں ریاست جموں وکشمیر کی اسمبلی اور اس کی حیثیت پر تفصیلی روشنی ڈالی اور بتایا کہ اس ادارے کی حیثیت کو مستحکم کرتے ہوئے اسے ایک بااختیار پارلیمان کا درجہ دیا جائے اور اس کے قواعد وضوابط میں ترمیم کی جائے۔

اسمبلی کے انتخابات 1938ء:-

ریاستی اسمبلی کو ایک ذمہ دار ادارہ بنانے کا مطالبہ ایک مدت سے ہو رہا تھا اور اب ریاستی ہندوؤں نے بھی اس کی تائید بڑے زور پیرایہ میں شروع کر دی تھی مگر اس کے باوجود ڈوگرہ حکومت اور حکام اپنی پرانی روش پر گامزن تھے۔

31 دسمبر 1937ء کو جب ریاستی اسمبلی کی میعاد پوری ہوئی تو حکومت نے انہی قواعد و ضوابط کے تحت اگلے انتخابات کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی یہ سازش بھی کی کہ صوبہ جموں کے مختلف حصوں میں اپنے خیر خواہوں کے ذریعے جاٹ' گوجر اور راجپوت جھگڑے کھڑے کرا دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان علاقوں کی فضا خراب ہوگئی جسے سازگار بنانے کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی نے چودھری غلام عباس کے شانہ بشانہ کام کیا' اس کے ساتھ ساتھ اس دفعہ

ڈوگرہ حکومت کی مکمل طور پر یہ پالیسی تھی کہ عوامی حلقوں کی تمام سیٹوں پر اپنے خیر خواہوں کو کامیاب کرائے تا کہ مسلم کانفرنس کی مقبولیت ختم ہو لیکن مسلم کانفرنسی راہنماؤں نے ڈوگرہ سرکار کے اس حربہ کو ناکام بنانے کے لئے پوری طرح تیاری شروع کر دی۔

سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے حلقہ انتخاب مہنڈر اور حویلی میں بے حد مقبول تھے اور ان کے وسیع حلقہ کے لوگ ان پر جان چھڑکتے تھے۔ ان کی اس مقبولیت اور ہر دلعزیزی کو ختم کرانے کے لئے ڈوگرہ حکومت نے یہاں بھی اپنا ایک نمک خوار پیدا کیا لیکن جب انتخابی معرکہ ہوا تو سردار فتح محمد خان کریلوی امتیازی حیثیت میں کامیاب ہوئے کیونکہ وہ اس علاقہ کے آزمودہ کار سیاسی راہنما تھے۔ ڈوگرہ سرکار نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے سردھڑ کی بازی لگائی لیکن مسلم کانفرنس نے اس انتخاب میں بھی شاندار کامیابی حاصل کر کے اپنی عظیم الشان سیاسی قوت کا لوہا منوالیا۔

پرجا سبھا کی فہرست بابت 7 ستمبر تا اکتوبر 1938ء جن ممبران پر مشتمل یہ ایوان قرار پایا ان کا گوشوارہ حسب ذیل ہے۔

گوشوارہ ممبران ریاستی اسمبلی 1938ء:-

1- صدر اسمبلی رائے بہادر انرایبل مسٹر جسٹس کے ایل کچلو۔

2- دیوان بہادر این گوپال سوامی آئینگر وزیر اعظم ریاست جموں وکشمیر

3- میجر جنرل نواب خسرو جنگ بہادر وزیر

4- سر لال گوپال مکرجی نائب وزیر قانون

5- صاحبزادہ سر عبدالصمد خان نائب وزیر داخلہ

6- رائے بہادر پنڈت رام چند کاک چیف سیکرٹری

7- مسٹر جگت پرشاد آڈیٹر جنرل
8- خان بہادر راجہ محمد افضل خان کمشنر مال
9- پنڈت گنگا رام وزیر پونچھ
10- خواجہ غلام السعیدین ڈائریکٹر تعلیم ریاست جموں و کشمیر
11- چودھری نیاز احمد سیکرٹری قانون
12- رائے بہادر پنڈت امرناتھ پوربی نامزد چیمبر آف کامرس
13- مسٹر جگت ڈوول وزارت لداخ (بدھ)
14- کلون لیزنگ چونک وزارت لداخ (بدھ)
15- مسٹر محمد علی شاہ اسکردو مسلم
16- مسٹر واجد علی شاہ کرگل' مسلم۔
17- راجہ حسین خان' استور۔
18- مسٹر محمد جواد انصاری شمالی کشمیر وزارت مسلم۔
19- خواجہ عبدالرحیم بانڈے جنوبی کشمیر وزارت۔
20- مسٹر رام رکھا مل وزارت جموں' ہندو۔
21- مسٹر جگت رام' اودھم پور وزارت ہندو۔
22- مسٹر ست پال وکیل شہر سرینگر ہندو۔
23- سردار مول سنگھ کھوسلہ وزارت جموں' ریاسی۔
24- بابو رام داس چھبنی وزیر۔
25- راجہ رام لعل نام زد۔

26- سلطان متولی خان کٹھائی مظفرآباد نام زد۔

متذکرہ بالا ممبران مکمل طور پر ڈوگرا حکومت کے محافظ اور نمک خوار تھے۔ ان میں ریاستی وزیر بھی تھے اور تمام محکموں کے سربراہ بھی اور ان کے علاوہ عوام میں سے جو ممبران منتخب کئے گئے ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

1- ڈاکٹر بالرام داس، جموں شہر شمالی ہندو۔

2- لالہ دینا ناتھ وکیل جموں شہر جنوبی، ہندو۔

3- چودھری حمید اللہ وکیل، جموں وزارت مسلم۔

4- اللہ رکھا ساغر جموں شہر، مسلم۔

5- چودھری پچھمن سنگھ چاڑک، جموں وزارت ہندو۔

6- خواجہ محمد خلیل کچلو اودھم پور، مسلم۔

7- کوتوال شب لال اودھم پور، ہندو۔

8- مرزا عطاء اللہ ریاسی، مسلم۔

9- وزیر گنگا رام ریاستی، ہندو۔

10- شیخ محمد امین کٹھوعہ، مسلم۔

11- چودھری اوتار سنگھ کٹھوعہ، ہندو۔

12- لالہ اجودھیا ناتھ میر پور کوٹلی، ہندو۔

13- چودھری عبدالکریم میر پور کوٹلی، مسلم۔

14- لیفٹیننٹ فضل الرحمٰن خان بھمبر، مسلم۔

15- سردار فتح محمد خان کریلوی، پونچھ مہنڈر حویلی، مسلم۔

16- صوبیدار خان محمد خان پونچھ، سدھنوتی باغ، مسلم۔

17- سردار دھیان سنگھ پونچھ، میر پور، مسلم۔

18- میاں احمد یار خان فتح کدل سرینگر ٹینگی پورہ، مسلم۔

19- آغا سید حسین شاہ جلالی سری نگر، شاہ ہمدان، مسلم۔

20- احمد اللہ شہداؤ تاشوان سرینگر، مسلم۔

21- عبدالحفیظ، رینہ وادی، مہاراج گنج سرینگر، مسلم۔

22- خواجہ غلام محمد صادق، سرینگر، مہرا کدل۔

23- پنڈت امرناتھ کاک، سری نگر شمالی، ہندو۔

24- پنڈت شیونارائن فوطی دار سری نگر جنوبی، ہندو۔

25- خواجہ اکبر ڈار، اونتی پورہ، مسلم۔

26- مرزا ایم اے بیگ اننت ناگ۔

27- صوبی اکبر، ہندواڑا، مسلم۔

28- خواجہ غلام محمد، بڈگام، مسلم۔

29- قاضی عبدالغنی شاہ بارہ مولہ، مسلم۔

30- مولوی محمد سعید، مسعودی مظفر آباد، مسلم۔

31- پنڈت دیو کول، کشمیری ہندو۔

32- سردار کرپال سنگھ مغزلی کشمیر سکھ۔

متذکرہ بالا ممبران عوام میں سے منتخب کئے گئے تھے جن میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں، سکھوؤں، پنڈتوں اور بدھوؤں کی بھی نمائندگی تھی۔ اس دفعہ اسمبلی کا پہلا اجلاس

7 ستمبر 1938ء کو واقعہ راج گڑھ محلات سرینگر میں زیر صدارت رائے بہادر مسٹر جسٹس کے ایل کچلو منعقد ہوا لیکن کسی بھی عوامی مسئلہ پر کوئی سنجیدہ بحث نہ ہو سکی کیونکہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس اسمبلی میں ایک بڑی تعداد سرکاری ممبروں کی تھی اور یہ ایسا کوئی مسئلہ بھی زیر غور نہ لانا چاہتے تھے جس کے ذریعے سرکاری مفادات پر زد پڑتی ہو۔

مسلم کانفرنسی ممبروں نے اسمبلی میں سوالات اٹھانے کے لئے بھرپور تیاری کر رکھی تھی اور سردار محمد خان کریلوی نے اپنے علاقہ کے ضروری مسائل و معاملات کی ایک فہرست مرتب کر رکھی تھی مگر یہ اجلاس سرکاری ممبران نے گپ شپ پر ہی ختم کر دیا۔

مسلم کانفرنس نازک مرحلہ میں

اسمبلی کے انتخابات کی گہما گہمی اور اجلاس کے بعد مسلم کانفرنسی رہنما جماعت کے چھٹے سالانہ اجلاس کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی چونکہ اپنے سیاسی قد و قامت اور انتظامی صلاحیتوں کے سبب مسلم کانفرنس میں ایک منفرد حیثیت کے حامل اور چودھری غلام عباس کے دست راست تھے۔ مسلم کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس جموں میں منعقد ہونا قرار پایا تھا جو چودھری صاحب کا آبائی شہر تھا۔ چودھری صاحب کی خصوصی درخواست پر اس اجلاس کی کامیابی کے لئے بھی سردار فتح محمد خان کریلوی کو رات دن محنت کرنی پڑی اور فنڈز کی فراہمی کے ساتھ ساتھ انہیں اس بات کی طرف بھی توجہ دینی پڑی کہ اس اجلاس میں سامعین زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل ہوں۔

جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر سرور عباسی نے بھی اپنی کتاب ''کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد'' میں ذکر کیا۔ مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں مدغم کرنے کی قرارداد شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے سب سے پہلے مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں پیش کی گئی جس پر سردار فتح محمد

خان کریلوی جو پارلیمانی پارٹی کے سیکرٹری تھے‘ نے سب سے پہلے کھڑے ہوکر اس کی مخالفت کی‘ پھر جب 25‘ 26 اور 27 مارچ 1938ء کو جماعت کا چھٹا سالانہ اجلاس شیخ عبداللہ کی صدارت میں جموں میں منعقد ہوا جس میں شیخ عبداللہ نے متحدہ قومیت کے فوائد پر روشنی ڈالی اور انہی کے کہنے پر اس اجلاس میں اے آر ساغر‘ چودھری غلام عباس اور مولوی محمد حسین بھی متحدہ قومیت کے حق میں بولے۔ اجلاس میں جس قدر نمایاں مقررین نے تقریریں کیں ان کا لب لباب یہ تھا کہ کشمیریوں کی تحریک آزادی کو متحدہ طور پر آگے بڑھایا جائے اور اس میں ہندوؤں اور سکھوں کو بھی شامل کیا جائے۔ اسی اجلاس میں شیخ عبداللہ کے خفیہ اشارے پر اس قسم کی قرارداد پیش کی گئی کہ مسلم کانفرنس کا نام بدل کر نیشنل کانفرنس رکھا جائے مگر یہ قرارداد مسترد کر دی گئی۔

جموں کے سالانہ اجلاس میں شیخ عبداللہ نے نہایت چالاکی اور حکمت عملی سے متحدہ قومیت کے نظریہ کا پتا پھینکا تھا جسے اس وقت مسلم کانفرنس کے دیگر اکابرین نے محسوس نہیں کیا تھا البتہ اس سے ریاستی ہندو کافی خوش تھے۔

24 جون 1938ء کو جماعت کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ اگر ورکنگ کمیٹی کی رائے میں وقت آن پہنچا ہے کہ ملک کے تمام ترقی پسند عناصر ذمہ دارانہ نظام حکومت کے حصول کے لئے مل کر جدوجہد کریں تو ورکنگ کمیٹی جنرل کونسل سے سفارش کرتی ہے کہ مسلم کانفرنس کے آئندہ ہونے والے سالانہ اجلاس میں آئین میں ترمیم کر کے اس قسم کی گنجائش نکالی جائے کہ تمام لوگ اس سیاسی جدوجہد میں مل کر کام کریں۔

چودھری غلام عباس‘ عبدالحمید قریشی‘ سردار فتح محمد خان کریلوی اور شیخ احمد دین بانہالی نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے متعدد بار اس بات کا ذکر کیا اور بتایا

کہ سب سے پہلے میں نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی کیونکہ اس کا احساس مجھے جموں کے سالانہ اجلاس میں ہوگیا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ شیخ عبداللہ نہایت غیر محسوس طریقہ سے مسلمانوں کی پارلیمان آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کو کانگریس کی آغوش میں ڈالنے والا ہے چنانچہ جب ورکنگ کمیٹی میں شیخ عبداللہ کے اشارے سے اس قسم کی تجویز پیش ہوئی تو میں نے پوری جرأت سے اس کی مخالفت کی اور میری تائید میں شیخ احمد دین بانہالی اور عبدالحمید قریشی بھی بولے' میں نے کہا تھا کہ ہم عوام کے ووٹوں سے جداگانہ انتخاب کی بنیاد پر کامیاب ہو کر آتے ہیں' رام رام پڑھ کر نہیں' یہ بات آپ عوام سے کریں جنہوں نے ہمیں منتخب کیا ہے۔ ہم اپنی جماعت کو کانگریسی نظریات کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں۔ انہی دنوں جب مسلم کانفرنس رہنماؤں نے ذمہ دارانہ نظام کے سلسلہ میں جگہ جگہ تقریریں شروع کیں تو میر پور سے راجہ محمد اقبال گرفتار کر لئے گئے اور انہیں بغاوت کے مقدمہ میں ملوث کر کے تین سال سزا سنائی گئی۔ اس ظالمانہ کارروائی کے خلاف مسلم کانفرنس کارکنوں نے سری نگر میں بہت بڑا جلوس نکالا جس کی پاداش میں 29 اگست 1928ء کو شیخ عبداللہ گرفتار کر لئے گئے اور انہیں 6 ماہ کی سزا سنائی گئی۔ اس کے خلاف شدید احتجاج ہوا اور بالآخر 18 فروری 1938ء کو ڈوگرہ سرکار نے شیخ عبداللہ کو ساتھیوں سمیت رہا کر دیا اور اس کے بعد سری نگر میں تمام سیاسی کارکنوں نے متحدہ قومیت کے حق میں تحریک شروع کر دی۔

11 جون 1939ء کو سری نگر میں جماعت کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا جس میں سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شامل ہوئے۔ اس اجلاس کی صدارت جی ایم صادق کر رہے تھے۔ اس موقع پر شیخ عبداللہ نے یہ ہنگامہ خیز قرارداد پیش کرائی کہ اب وقت آن پہنچا ہے کہ مسلم کانفرنس کا نام بدل کر نیشنل کانفرنس رکھا جائے۔

اس موقع پر بھی اس قرارداد کی مخالفت سب سے پہلے کریلوی صاحب نے ہی کی اور کہا کہ یہ مسلمانوں کے خلاف ایک سازش ہے۔ ہم مسلم کانفرنس کو (جو ریاستی مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم ہے) کانگریس کی شاخ بنانے کے حق میں نہیں ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر میں 95 فیصد مسلمان آباد ہیں اس قدر کثیر مسلم آبادی والی ریاست میں نہ تو متحدہ قومیت کے نعرہ کی ضرورت ہے اور نہ ہی نیشنلزم کی ہم مسلمان ہیں اور ہمیں ہندو سیاست کے زیر اثر نہیں جانا چاہئے۔ چودھری غلام عباس اور ان کے ساتھیوں نے پہلی دفعہ اس تجویز کی مخالفت کی تھی اور شیخ عبداللہ کے زیر اثر ممبران ورکنگ کمیٹی نے انہیں مستعفی ہونے کو کہا تھا مگر اس دفعہ مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس کا نام دینے کے لئے جو قرارداد پیش ہوئی تو چودھری غلام عباس نے اس کی تائید کی اور کہا کہ 1931ء میں ریاست کی سیاست نوزائیدہ تھی۔ اس وقت نوزائیدہ سیاست کے لئے جو لباس تیار کیا گیا تھا آج جبکہ سیاست جوان ہوگئی ہے وہ لباس اس کے لئے تنگ ہو چکا ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاست کے موجودہ جسم کے مطابق لباس تیار کیا جائے۔ اس کانفرنس میں وسعت پیدا کر کے ریاستی ہندوؤں' سکھوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنا اسی مقصد کے تابع ہے' زمانہ بدلتا ہے تو حالات بھی بدلتے رہتے ہیں بدلتی ہوئی ضرورتوں کے ساتھ جدید پروگرام تجویز کرنا پڑتا ہے جب ہم ایسے مطالبات کر رہے ہیں جو ریاست کے سب لوگوں کے لئے یکساں سودمند ہیں تو مطالبات کی حمایت کے لئے سب لوگوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرنا ضروری ہے اس لئے میں اس قرارداد کی تائید کرتا ہوں۔ آپ حضرات کو شیر کشمیر کی خدمات اور کارناموں کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور دشمنوں کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ اسلام کو خطرہ کہنے والے گمراہی پھیلاتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اقلیتوں کا اتحاد عمل میں ہونے پر ہم نہ صرف اپنے نصب العین کے قریب پہنچ جائیں گے بلکہ ہماری مشکلات بھی کم ہو جائیں گی۔

چودھری غلام عباس کی اس تقریر کا متن اس وقت کے کئی اخبارات میں شائع ہوا تھا جس کا ذکر تاریخ حریت کشمیر کے مصنف رشید تاثیر نے بھی کیا ہے اور وہ متن بھی درج کیا ہے جس سے ہم استفادہ کر رہے ہیں۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے جب اس سازش کے خلاف آواز بلند کی اور شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کو اس تجویز کو مسترد کیا تو ورکنگ کمیٹی کے ان ممبروں نے انہیں دبانے کی کوشش کی جو شیخ عبداللہ کے زیادہ معتمد یا زیادہ قریب تھے مگر سردار فتح محمد خان کریلوی نہایت دیر اور زیرک شخص تھے۔ انہوں نے قومی سیاست کے خارزاروں میں اس وقت قدم رکھ کر دار و رسن کو لبیک کہا تھا جب ابھی ریاست جموں کشمیر میں سیاست نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ اپنی ایک رائے رکھنے والے انسان تھے' وہ کب ایسے ممبران سے متاثر ہوتے تھے جو شیخ عبداللہ کے سہارے سیاست میں آئے تھے اور اسی کے سہارے چلتے تھے۔ اس قرارداد کے خلاف آواز بلند کرنے کے بعد جب سردار فتح محمد خان کریلوی نے واک آؤٹ کیا تو ان کے ساتھ عبدالحمید قریشی' شیخ احمد دین بانہالی' مولوی عبداللہ شوپیانی' چودھری حمیداللہ سیاکھوی' خواجہ غلام احمد بھدرواہی اور یوسف قریشی بھی واک آؤٹ کر گئے اور شیخ عبداللہ نے طنزاً کہا اب چیونٹیوں کو بھی پر نکل آئے ہیں۔

شیخ عبداللہ نے اس قرارداد کی منظوری کے بعد سابقہ آئین معطل کر دیا مگر مسلم کانفرنس کا وجود بدستور قائم تھا کیونکہ "وادی کشمیر" کے علاوہ پونچھ' جموں' میرپور' کوٹلی اور مظفر آباد میں بدستور مسلم کانفرنس کی شاخیں موجود تھیں اور مسلم کانفرنس کے عام کارکنوں کو اس بات کا قطعاً پتہ نہ تھا کہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ مسلم کانفرنس کے آئین میں کہیں بھی یہ بات موجود نہ تھی کہ کسی وقت اس جماعت کا نام بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اس کے لئے ایک طریق کار ہوگا۔ ان حالات میں جو قرارداد پیش ہوئی تھی اس کی

کوئی آئینی حیثیت نہ تھی بلکہ جو نام تجویز ہوا تھا یہ ایک الگ جماعت تھی جس کے بانی شیخ عبداللہ اوران کے ساتھی تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اپنے ساتھ واک آؤٹ کرنے والے ساتھیوں سے اس کی وضاحت کی اور بتایا کہ شیخ عبداللہ نے الگ جماعت ''نیشنل کانفرنس'' کے نام سے بنائی ہے۔ مسلم کانفرنس اپنے آئین کے ساتھ بدستور موجود ہے اور ہم اس کے ممبر ہیں۔

سری نگر کے اس افسوسناک کارروائی کے بعد جب سردار فتح محمد خان کریلوی نے چودھری غلام عباس سے شکایت کی اور احتجاج کیا تو انہوں نے کہا یہ سب ایک ہو گئے ہیں' آپ اکیلے کیا کریں گے؟

اس کے جواب میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے بڑی دل سوزی سے کہا میں اپنے علاقہ میں جا کر قائدین کا جنازہ پڑھونگا کہ ہمارے رہنما بے وفائی کر کے ہمیں چھوڑ گئے ہیں اور مسلم کانفرنس کو زندہ رکھنے کے لئے پوری پوری کوشش کرونگا۔

اس افسوسناک واقعہ کے بعد سردار فتح محمد خان کریلوی نے ریاست پونچھ اور مظفرآباد کا ایک تفصیلی دورہ کر کے تمام مسلم کانفرنس کی اپنی اپنی شاخیں برقرار رکھیں اور نیشنل کانفرنس کے رکنیت نامہ پر دستخط نہ کریں کیونکہ نیشنل کانفرنس ایک الگ جماعت ہے جس کا اپنا دستور اور طریق کار ہے۔

انہوں نے میرپور' راجوری' کوٹلی اور جموں کا بھی دورہ کیا اور اسی طرح کی تاکید وہاں کے کارکنوں سے بھی کی اور پھر کوٹلی کے مقام پر تمام نمایاں مسلم کانفرنس کارکنوں کا ایک اجلاس بلا کر وہاں پر تجویز پاس کرائی کہ جلد از جلد مسلم کانفرنس کا ایک زبردست اجلاس بلایا جائے جس میں پنجاب سے بھی علماء اور اکابرین سیاست کو شمولیت کی دعوت دی جائے تاکہ ہندو کانگریس

اور شیخ عبداللہ کی مسلمانان ریاست کے خلاف اس سازش کو ناکام بنایا جا سکے۔ شیخ عبداللہ نے اپنے مضبوط سیاسی قدو قامت کے زعم میں یہ سوچ رکھی تھی کہ "وادی کشمیر" سے باہر مسلم کانفرنس کی جس قدر شاخیں ہیں یہ خود بخود اس کے حکم کے مطابق نیشنل کانفرنس کا جامہ پہن لیں گی مگر ایسا نہ ہو سکا بلکہ وادی کشمیر میں یوسف قریشی اور ان کے ساتھیوں نے شیخ عبداللہ کی مسلم کانفرنس کے بارے میں سازش کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ مسلم کانفرنس کا دفتر مجاہد منزل سری نگر میں تھا اور یہ عمارت مسلمانوں کے چندہ سے تعمیر کی گئی تھی۔ یوسف قریشی اپنے ساتھیوں سمیت مسلم کانفرنس کے دفتر پر قابض ہو گئے اور مرکز کا سارا ریکارڈ اپنی تحویل میں لے لیا مگر بخشی غلام محمد نے اپنے غنڈوں کے ذریعہ ان پر شدید حملہ کرایا جس میں یوسف قریشی زخمی ہو گئے۔

جب شیخ عبداللہ نے دیکھا کہ وادی کشمیر کے باہر مسلم کانفرنس کی شاخیں بدستور قائم ہیں تو اس نے انہیں نیشنل کانفرنس میں ضم کرانے کے لئے خود دورے کا پروگرام بنایا مگر وہ جہاں بھی گیا لوگوں نے اس کے خلاف شدید مظاہرے کئے، بالخصوص پونچھ، کوٹلی اور میرپور میں اس کو شدید مظاہروں کا سامنا کرنا پڑا اور سردار فتح محمد خان کریلوی نے شیخ عبداللہ کو کسی بھی جگہ کامیاب جلسہ نہیں کرنے دیا۔ اسکے باوجود کہ میرپور شہر پونچھ اور راجوری میں اکا دکا نیشنلسٹ موجود تھے مگر ان کے مقابلہ میں سردار فتح محمد خان کا اثر و رسوخ اور عوام میں مقبولیت اس قدر تھی کہ لوگ ان کے مشورہ کے بغیر سیاسی معاملہ میں کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے، خود سردار فتح محمد خان کریلوی شیخ عبداللہ کے اس دورہ کے دوران ہر جگہ پہنچ کر لوگوں کو اس سازش سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

مسلم کانفرنس کی تجدید

چوہدری غلام عباس نے اگرچہ نیشنل کانفرنس کے قیام کے حق میں تقریر کر ڈالی تھی مگر

فوراً بعد انہیں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ ان سے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسی احساس کے پیش نظر وہ جموں گئے اور تمام معاملات سے لاتعلق ہو کر خانہ نشین ہو گئے' جیسا کہ اس کا ذکر انہوں نے اپنی خود نوشت سوانحیات ''کشمکش'' میں بھی کیا ہے مگر سردار فتح محمد خان کریلوی اور ان کے سرگرم ساتھی لاتعلق نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ ہر جگہ شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کا تعاقب کر کے لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ شیخ عبداللہ نے کانگریسی لیڈروں کے مشورہ سے ریاست میں نیشنل کانفرنس بنالی ہے اب ان کا مسلم کانفرنس سے کوئی تعلق نہیں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی جیسا کہ ان کے ابتدائی حالات سے ظاہر ہے چومکھی لڑنے والے مجاہد تھے۔ انہوں نے اس کارروائی کے ساتھ ساتھ پنجاب کے نامور مسلم اخبارات ''زمیندار'' ''انقلاب'' اور ''سیاست'' وغیرہ کے مدیران کو بھی شیخ عبداللہ کی اس سازش اور کانگریس کے ساتھ نظریاتی اتحاد سے آگاہ کیا اور ان سے استدعا کی کہ وہ نیشنل کانفرنس کی کسی قسم کی حمایت نہ کریں کیونکہ یہ کانگریس ہی کی ایک شاخ ہے جو شیخ عبداللہ اور ان کے چند ساتھیوں کے ذریعہ سری نگر میں قائم کرائی گئی ہے اس کے مقابلہ میں ریاستی مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس حسب سابق موجود ہے' جب سردار فتح محمد خان کریلوی نے لاہور کے دورہ کے دوران ذاتی طور پر ملاقات کر کے متذکرہ مدیران کو حالات بتائے تو انہوں نے شیخ عبداللہ کے اس اقدام پر شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا البتہ ہندوستان کے تمام کانگریسی اخبارات شیخ عبداللہ اور اس کے نیشنلزم کے حق میں لکھتے رہتے ہیں جس سے شیخ عبداللہ کو کوئی سیاسی فائدہ نہیں ہوا بلکہ بعض پہلوؤں سے کشمیر کے ہندو اور پنڈت بھی اس سے بیزار ہو گئے کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ شیخ عبداللہ ایک سیاسی شعبدہ باز اور سوداگر ہے' اس نے کانگریس سے

رقم لے کر یہ ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ یہ کشمیر ہندوؤں اور پنڈتوں کا خیر خواہ نہیں ہے البتہ وادی کشمیر کے دو تین کمیونسٹ ہندو اس امید پر تھے کہ شیخ عبداللہ اگر لادین سیاست کو اپنائے رکھے تو انہیں اشتراکی نظریات پھیلانے میں سہولت ہوگی۔

ان حالات میں مسلمانان ریاست جموں وکشمیر کی نمائندہ جماعت مسلم کانفرنس کو متحرک کرنا ضروری تھا جس کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی نے بنیادی کردار ادا کیا اور اس کے سالانہ اجلاس کی تیاری میں انہوں نے رات دن ایک کر دیئے۔ 1940ء میں جب اس کا تجدیدی اجلاس جموں میں منعقد ہوا تو اس میں پنجاب کے جید علماء، صحافی اور اکابرین سیاست میں شامل ہوئے۔ اس تاریخی اجلاس میں شمولیت کے لئے مولانا ظفر علی خان کو خصوصی دعوت دی گئی تھی اور انہوں نے اپنے بصیرت افروز خطاب سے حاضرین کے قلوب کو گرمایا۔

سید حسن شاہ گردیزی اور محمد یوسف قریشی بتایا کرتے تھے کہ اس اجلاس میں سردار گوہر رحمٰن کو مسلم کانفرنس کا صدر بنانے کی تجویز تھی لیکن سردار فتح محمد خان کریلوی کی کوشش اور جدوجہد سے جماعت کی صدارت کا قرعہ فال چودھری غلام عباس کے حق میں پڑا اور اس کے بعد وہ سیاست میں پوری طرح متحرک ہو گئے۔

مسلم کانفرنس کے اس عہد ساز اجلاس کے بعد جماعت کی از سر نو صف بندی کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی کو پھر ریاست جموں وکشمیر کے کونے کونے کے دورے کرنے پڑے کیونکہ ناخواندہ لوگوں کو اصل حالات کا علم نہ تھا اور وہ بدستور گومگو کے عالم میں تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی ہر مرکزی مقام پر گئے اور انہوں نے لوگوں کو شیخ عبداللہ کے نیشنلزم سے آگاہ کیا۔

ادھر مسلم کانفرنس کی نشاۃ ثانیہ کے بعد شیخ عبداللہ اور ان کے چند ساتھی بے حد مشکلات میں پھنس گئے تھے کیونکہ ان کی سابقہ مشکوک سیاسی روایات اور جماعتی غنڈہ گردی کے پیش نظر

ڈوگرہ حکومت ان سے کوئی گٹھ جوڑ کرنے پر تیار نہ تھی' ادھر جب مسلم کانفرنس نے نعرہ پاکستان کی حمایت کی تو ہندوستان کا سارا مسلم پریس مسلم کانفرنس کے حق میں آواز بلند کرنے لگا اور مسلم کانفرنس کو قدرتی طور پر پریس کا سہارا مل گیا۔

نواب بہادر یار جنگ اور کانگریسی لیڈروں کا دورہ سری نگر

صفحات گزشتہ میں اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ 23 مارچ کے لاہور کے اجلاس میں کشمیری مسلمانوں کا بھی ایک وفد شامل ہوا تھا اور اس موقع پر نواب بہادر یار جنگ کو کشمیر آنے کی دعوت دی گئی تھی کیونکہ ان دنوں وہ آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ کے سربراہ تھے اور وفد کے اراکین چاہتے تھے کہ نواب بہادر یار جنگ ریاست جموں کشمیر کے اندرونی حالات سے آگاہ ہوں تا کہ آل انڈیا سٹیٹ میں مسلم لیگ ریاست جموں کشمیر کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کر سکے۔

شیخ عبداللہ اور اس کے چند خصوصی ساتھیوں بخشی غلام محمد وغیرہ نے سری نگر میں مسلم کانفرنسی کارکنوں پر بے تحاشہ تشدد شروع کر رکھا تھا مگر اس کے باوجود مسلم کانفرنسی اکابرین بالخصوص سردار فتح محمد خان کریلوی کی کوشش یہ تھی کہ مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس سری نگر میں منعقد کیا جائے اور اس کے مہمان خصوصی کے لئے نواب بہادر یار جنگ کو دعوت دی گئی تھی' اس وقت سری نگر میں مسلم کانفرنس کا مرکز میر واعظ مولوی یوسف شاہ کا گھر تھا چنانچہ جونہی نواب بہادر یار جنگ سری نگر پہنچے اور میر واعظ صاحب کے گھر تشریف لائے تو ڈوگرہ حکام نے نیشنل کانفرنسیوں کے مشورے سے نواب بہادر یار جنگ کو سری نگر سے نکلوا دیا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی اکثر بتایا کرتے تھے کہ نواب صاحب کے ساتھ اس ناروا سلوک کا ہمیں بے حد دکھ تھا اور ہم موقع کی تلاش میں تھے۔ اس دوران جب کشمیر کی وادی میں نعرہ پاکستان مقبول ہونے لگا

تو شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھی بے حد پریشان ہو گئے۔ انہوں نے اس کے توڑ

لئے جائیں گے ستمبر 1944ء کو جب وزیروں کا انتخاب ہوا تو مسلم کانفرنس نے ایسی ناقص اصلاحات کا بائیکاٹ کر دیا اور اس طرح نیشنل کانفرنس کے دو وزیر لئے گئے لیکن چند ہی دنوں بعد شیخ عبداللہ نے ان سے استعفیٰ دلوا دیا۔ انہی دنوں جب سر بی این داد کی جگہ رام چندر کاک نے ریاست میں وزیراعظم کا عہد سنبھالا تو نیشنل کانفرنسی لیڈروں اور کارکنوں نے اس کی بے حد تعریفیں شروع کر دیں کیونکہ یہ کانگریسی نظریات کا آدمی تھا اور وہ چاہتے تھے کہ اس کے سہارے ان کی سیاسی ساکھ بحال ہو لیکن جب اس طرح انہیں کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو چند کمیونسٹوں اور کانگریسی لیڈروں کے مشورہ سے شیخ عبداللہ نے مہاتما گاندھی کی تحریک ہندوستان چھوڑ دو کی بنیاد پر کشمیر چھوڑ دو تحریک کا فیصلہ کیا تا کہ اس انقلابی تحریک کے سہارے وہ وادی کشمیر کے مسلمانوں میں پھر وہی مقبولیت حاصل کر سکے جو 1932ء کے فوراً بعد اسے حاصل ہو گئی تھی۔

شیخ عبداللہ نے سری نگر سے حضرت قائداعظمؒ کی واپسی کے بعد مسلم کانفرنس کارکنوں پر بے حد تشدد کرایا تا کہ اس طرح وہ اپنی جماعتی پوزیشن مضبوط کر سکے لیکن جب اس طرح بھی بات نہ بن سکی تو آخری حربے کے طور پر اس کے پاس ایک ہی ہتھیار کشمیر چھوڑ دو کی تحریک تھا جس کے لئے اس نے بڑے منظم طریقہ سے تیاری شروع کی اور حیران کن بات یہ ہے کہ اس کی حمایت کے لئے اس نے لاہور کے دو مسلم اخبارات ''زمیندار'' اور نوائے وقت'' کا تعاون

بھی حاصل کر لیا اور اس کے دو کارکنوں بخشی غلام محمد اور جی ایم صادق نے مستقلاً لاہور ہی میں ڈیرہ جما لیا تاکہ وہ باقاعدگی سے تحریک کے حق میں پراپیگنڈہ کر سکیں۔

اس حیران کن صورتحال کے پیش نظر سردار فتح محمد خان کریلوی فوراً لاہور پہنچے اور انہوں نے ذاتی طور پر حمید نظامی، مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالحمید سالک اور غلام رسول مہر سے مل کر انہیں صورتحال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اس قسم کی تحریک کے ذریعہ شیخ عبداللہ محض اپنے سیاسی وجود کو برقرار رکھنا چاہتا ہے کیونکہ حضرت قائداعظم کے دورہ سری نگر کے بعد کشمیر کی وادی میں شیخ عبداللہ کی سیاسی اور شخصی حیثیت ختم ہو گئی ہے، اس تحریک سے مسلم کانفرنس یا کشمیری مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی حضرت قائداعظم نے ریاستی مسلمانوں کو اس قسم کی کوئی تحریک چلانے کا مشورہ دیا ہے۔

پنجاب کے اکثر علماء اور سیاسی رہنماؤں نے تحریک کے حق میں بیانات دیئے تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے فرداً فرداً سب سے ملاقاتیں کیں اور انہیں بتایا کہ چونکہ قائداعظم شیخ عبداللہ کو دھتکار چکے ہیں اور کشمیری مسلمانوں نے اب اس سے منہ موڑ لیا ہے اس لئے اس نے نئی چال چلی ہے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کے دورہ لاہور کا یہ اثر ہوا کہ مسلم اخبارات کے ذریعہ شیخ عبداللہ کے حق میں جو "مضامین" یا "بیانات" شائع ہوتے تھے وہ رک گئے البتہ کانگریسی پریس بدستور تحریک کو اچھالتا رہا اور مضامین و رپورٹیں سری نگر کے کمیونسٹ لکھتے رہے۔

شیخ عبداللہ نے دو تین جلسوں میں ڈوگرہ حکومت کے خلاف تیز و تند تقریریں کیں اور حکومت نے بغاوت کے الزام میں انہیں گرفتار کر لیا، ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلا اور دس دسمبر 1946ء کو انہیں سیشن جج سری نگر نے تین سال کی سزا دے دی۔

مسلم کانفرنس کی حکمت عملی

شیخ عبداللہ کی تحریک کشمیر چھوڑ دو اگرچہ بظاہر بڑی انقلابی اور دلکش تھی مگر اس سے مسلم کانفرنس پر کوئی اثر نہ پڑا' تاہم 9 جون 1946ء کو سری نگر میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا گیا تاکہ تازہ ترین سیاسی صورتحال پر غور کیا جائے۔ اس کے فوراً بعد وسط مئی 1946ء کو مسلم کانفرنسی کارکنوں کا ایک اجلاس سری نگر میں منعقد کیا گیا جس میں ریاست کے تمام حصوں سے مندوبین نے شرکت کی۔ اسی اجلاس میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اجلاس میں مسلم کانفرنس نے اپنا جو سیاسی منشور جاری کیا تھا اس کی تدوین اور اس کے لئے مشاورت میں سردار فتح محمد خان کریلوی ایک بنیادی رکن کی حیثیت رکھتے تھے کیونکہ وہ مجلس عاملہ کے رکن ہونے کے ساتھ ساتھ طویل مدت سے ریاستی اسمبلی کے رکن بھی چلے آ رہے تھے۔ اس موقع پر سردار فتح محمد خان کریلوی کی تجویز پر جو منشور جاری ہوا اس کے بنیادی نکات یہ تھے کہ مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کا آئینی حکمران رہے اور ریاستی اسمبلی کو ذمہ دارانہ حیثیت دے کر اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپا جائے۔ آزاد کشمیر کا نعرہ بھی اسی اجلاس میں تجویز ہوا تھا اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ کیا جائے۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس موقع پر تاریخی کردار ادا کرتے ہوئے تجویز پیش کی تھی کہ آئندہ کشمیر کو آزاد کشمیر کہا جائے اور یہ نام بطور ماٹو اپنایا جائے' اس کا اکثر ذکر سردار لطیف خان مرحوم آف راولاکوٹ اور سید حسن شاہ گردیزی کیا کرتے تھے جو اس اجلاس میں موجود تھے۔

اس تاریخی اجلاس کے بعد مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس مظفر آباد منعقد کرنے کا

پروگرام طے ہوا مگر اس کے لئے ڈوگرہ حکومت رضا مند نہ تھی۔ اس وجہ سے یہ اجلاس سری نگر میں ہی منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

جب اجلاس کے لئے ساری تیاریاں مکمل ہو چکیں تو ڈوگرہ حکام نے اس کے انعقاد پر پابندی لگا دی' اس وجہ سے غصہ میں آ کر چودھری غلام عباس نے بحیثیت صدر جماعت انفرادی سول نافرمانی کر کے گرفتار ہونے کا فیصلہ کیا اور طے ہوا کہ آغا شوکت علی بھی بحیثیت سیکرٹری جنرل سول نافرمانی کر کے گرفتار ہوں گے۔

ان نازک ترین لمحات کا ذکر کرتے ہوئے سردار فتح محمد خان کریلوی نے ایک دفعہ راولپنڈی میں بتایا تھا کہ میری تجویز یہ تھی کہ کسی قسم کی سول نافرمانی نہ کی جائے اور چودھری غلام عباس گرفتار نہ ہوں کیونکہ اول تو ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک چلا کر شیخ عبداللہ گرفتار ہو چکا ہے اور اس طرح نیشنل کانفرنس کی ساری مرکزی لیڈر شپ درہم برہم ہو چکی ہے۔ ایسی حالت میں ڈوگرہ حکومت کے ساتھ الجھنے کے بجائے مسلم کانفرنس کی جڑوں کو وادی میں مضبوط کرنا چاہیے اور دوسرا یہ کہ ایسے نازک اور فیصلہ کن لمحات میں جبکہ قیام پاکستان کا وقت قریب آ رہا ہے صدر جماعت کو جیل کے بجائے عوام میں رہنا چاہیے اور حضرت قائداعظم کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھنا چاہیے تا کہ ریاست کے روشن مستقبل کا فیصلہ ہو سکے۔ ایک سوال کے جواب میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے مسلم کانفرنس اسمبلی اور پارٹی کے دوسرے اراکین کو بھی بتایا تھا کہ قیام پاکستان کی منزل بہت تیزی سے قریب آ رہی ہے ایسے حالات میں صدر جماعت کا گرفتار ہونا ہرگز ملک اور جماعت کے حق میں نہیں' اس سے ڈوگرہ حکومت فائدہ اٹھائے گی یا کانگریسی لیڈروں کے منصوبہ کی تکمیل ہوگی' مگر چودھری صاحب ہر حال میں ڈوگرہ حکومت سے ٹکرا کر گرفتار ہونا چاہتے تھے۔ قومی سیاست یا قومی زندگی میں بعض لمحات انتہائی قیمتی ہوتے ہیں۔ اگر بصیرت اور

وجدان سے کام لے کر ان لمحات میں درست فیصلہ کیا جائے تو قوم کی تقدیر بدل جاتی ہے اور اگر جلد بازی یا جذبات میں کوئی فیصلہ کیا جائے تو پوری قوم پر وبال مسلط ہو جاتا ہے۔ شیخ عبداللہ کی تحریک ایک آخری چال تھی' وہ عوام میں اپنا سیاسی وقار کھو چکا تھا اور اس حیلے سے وہ وادی کشمیر کے مسلمانوں کے دلوں میں گھر کرنا چاہتا تھا مگر اس کی یہ حکمت عملی قطعی بے اثر ثابت ہوئی کیونکہ وادی کشمیر سے باہر اس تحریک کا کوئی اثر نہ تھا اور جو محدود حالات میں مسلم کانفرنس کو اپنی شیرازہ بندی کی طرف توجہ دینی چاہیے تھی مگر افسوس کہ اس وقت ایسا نہ کیا گیا جس کا خمیازہ ہم ابھی تک بھگت رہے ہیں۔

اسمبلی کے انتخابات 1947ء

دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے ریاستی اسمبلی کے انتخابات کافی عرصہ سے نہ ہو سکے تھے جب شیخ عبداللہ کی تحریک ''کشمیر چھوڑ دو'' دم توڑ گئی تو ڈوگرہ حکومت نے فوراً اسمبلی کے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ ڈوگرہ حکومت کے لئے حالات بڑے سازگار تھے کیونکہ اس وقت دونوں سیاسی جماعتوں کے رہنما نظر بند تھے اور ریاست کے کونے کونے میں ایک لحاظ سے سیاسی ابتری کے اثرات موجود تھے۔ ڈوگرہ حکومت چاہتی تھی کہ عوام سے ووٹوں کے ذریعہ منتخب ہونے والے ممبروں کی تمام نشستوں پر اپنے خیر خواہ کامیاب کرائے۔ مسلم کانفرنس کے لئے یہ بہت نازک وقت تھا کیونکہ ڈوگرہ حکومت کی ساری مشینری اس کے خلاف حرکت میں تھی' ان حالات میں مسلم کانفرنسی امیدواروں کا اپنی اپنی نشستوں پر حسب سابق کامیاب ہونا مشکل تھا اور اگر مسلم کانفرنس الیکشن کا بائیکاٹ کرتی تھی تو اس طرح اس کی ساری نشستوں پر ڈوگرہ حکومت کے خیر خواہ کامیاب ہوتے تھے اور جماعت کا وجود ہی ختم ہونے کا اندیشہ تھا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کے مشورہ پر مسلم کانفرنسی کارکنوں کا ایک وفد ترتیب دیا گیا' وفد کی تشکیل میں بھی خود سردار فتح محمد

خان کریلوی پیش پیش تھے۔ جب یہ وفد حضرت قائداعظم سے ملا اور ان سے ہدایت حاصل کی تو انہوں نے فرمایا کہ مسلم کانفرنس کو ہر حال میں الیکشن میں حصہ لینا چاہیے۔

حضرت قائداعظم سے ملاقات کے بعد جب سردار فتح محمد خان کریلوی واپس اپنے علاقہ میں آئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ نئے ماحول کے مطابق انہیں اس دفعہ اپنی نشست سے سردار یار محمد خان بیرسٹر کو کامیاب کرانا چاہیے کیونکہ وہ قانون دان ہیں اور اسمبلی میں زیادہ ضرورت قانون دانوں کی ہوگی۔ انہوں نے صوبیدار خان محمد کو بھی اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی نشست سے نوجوان بیرسٹر سردار محمد ابراہیم خان کو کامیاب کرائیں چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق سردار فتح محمد خان کریلوی نے مہنڈر اور حویلی میں سردار یار محمد خان کے لئے الیکشن کی مہم شروع کرائی اور اسی طرح صوبیدار خان محمد خان نے تحصیل سدھنوتی اور باغ میں سردار محمد ابراہیم خان کو متعارف کرانا شروع کیا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی سردار یار محمد خان کو ساتھ لے کر جہاں بھی جاتے تھے وہاں اعلان کرتے تھے کہ اس دفعہ میں اپنی جگہ سردار یار محمد خان کو اسمبلی کا ممبر بنوانا چاہتا ہوں' آپ سب ان کو کامیاب کرائیں' تو لوگ بڑی حیرت سے ان کی طرف دیکھتے تھے اور پوچھتے تھے کہ آپ ہماری سرپرستی اور رہنمائی سے کیوں دست بردار ہو رہے ہیں۔ ہمارے رہنما آپ ہیں' ہماری خواہش ہے کہ آپ ہی ہماری رہنمائی کریں۔ بعض مقامات پر سردار فتح محمد خان کریلوی کئی کئی گھنٹے بحث وتمحیص کے بعد لوگوں کو آمادہ کرتے تھے' انہیں اپنے الیکشن کے لئے کبھی اس قدر دشواری پیش نہیں آئی جس قدر کہ دوسرے امیدوار کی مدد کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنے میں پیش آئی۔ انہوں نے سردار یار محمد خان کو ساتھ رکھ کر اپنے وسیع حلقہ کے کئی دورے کئے اور متواتر کئی کئی دن تک جلسوں اور میٹنگوں میں مصروف رہے تاکہ ان کا نامزد امیدوار کامیاب ہو جائے کیونکہ اسے وہ اپنی کامیابی سمجھتے تھے۔ بالآخر جنوری

1947ء کو ریاست میں الیکشن ہوئے اور عوامی حلقوں میں سے مندرجہ ذیل ممبران نے کامیابی حاصل کی۔

فہرست ممبران

(1) چودھری حمید اللہ خان (جموں)

(2) چودھری غلام مصطفیٰ (جموں وزارت)

(3) چودھری صاحب دین (کٹھوعہ)

(4) مرزا محمد حسین (ریاسی)

(5) ملک غلام محمد (اودھم پور)

(6) سردار محمد ابراہیم خان (باغ، سدھنوتی)

(7) سردار یار محمد خان (منہڈر، حویلی)

(8) غلام محمد جیولہ (سری نگر)

(9) خواجہ حبیب اللہ (ہندواڑ)

(10) ملک غلام مصطفیٰ (اننت ناگ)

(11) سردار بدھ سنگھ (شمالی کشمیر)

(12) لالہ ٹھاکر داس (کٹھوعہ)

(13) چودھری محمد یوسف (کوٹلی میرپور)

(14) پنڈت جانکی ناتھ (صوبہ کشمیر)

(15) ٹھاکر دھیان سنگھ (اودھم پور)

(16) خواجہ اقبال چاپری (سری نگر)

(17) آغا سید احمد شاہ (بڈگام)

(18) چودھری خورشید احمد (بھمبر)

(19) میاں احمد یار خان (مظفر آباد)

(20) عنایت اللہ ککرو (بارہ مولہ)

(21) خواجہ نبی گلکار (سری نگر)

سردار فتح محمد خان کریلوی کی پارلیمانی جدوجہد

سردار فتح محمد خان اگرچہ سیاسی طور پر ہمیشہ جماعتی معاملات میں مصروف رہتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے بڑے بھرپور انداز میں اپنی پارلیمانی ذمہ داریوں کو بھی نبھایا اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے حلقہ انتخاب کے مسائل میں دلچسپی لیتے رہے بلکہ ہمیشہ ساری ریاست جموں کشمیر کے عوامی مسائل کو حل کرانے پر زور دیا۔ انہوں نے اسمبلی کے ہر اجلاس میں شرکت کی اور کبھی بھی اپنی حیثیت سے نہ تو اپنے کسی رشتہ دار کو فائدہ پہنچایا اور نہ ہی خود کسی قسم کا مفاد حاصل کیا' اس لحاظ سے بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس قومی خدمت کو عبادت کے طور پر بجالاتے رہے۔ وہ 1934ء میں اپنے حلقہ انتخاب مہنڈر اور حویلی سے منتخب ہوئے' پھر 1938ء کے انتخابات میں اس حلقہ سے اپنی بے پناہ مقبولیت کے باعث کامیابی حاصل کی۔ دوسری جنگ عظیم کے باعث 1943ء میں انتخابات نہیں ہوئے۔ اس طرح وہ 1947ء تک بدستور اپنے حلقہ سے ریاستی اسمبلی کے ممبر رہے اور ہر اجلاس میں وہ بلاناغہ شامل ہو کر اپنی آواز بلند کرتے رہے۔ 1938ء سے لے کر 1946ء تک ریاستی اسمبلی کی جس قدر مطبوعہ کارروائیاں موجود ہیں ان پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوگا کہ سردار فتح محمد خان کریلوی ریاستی اسمبلی کے ہر اجلاس میں بڑی باقاعدگی سے شریک ہوتے رہے۔

1934ء میں جب وہ پہلی دفعہ ممبر اسمبلی منتخب ہوئے تو انہوں نے اپنی ریاست کے اہم مسائل کی ایک فہرست مرتب کی تھی جس کا ذکر صفحات گزشتہ میں بھی آچکا ہے۔ وہ دو سال تک مسلسل اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ ڈوگرہ حکومت ریاست پونچھ کے عوامی مسائل حل کرے لیکن سرکاری ممبروں نے ان کی آواز کو ہمیشہ دبانے کی کوشش کی۔ بالآخر 1936ء میں انہوں نے بجٹ کے موقع پر ایک طویل تنقیدی بیان مرتب کیا جس پر انہوں نے اس وقت کے ان تمام ممبروں سے دستخط کرائے جو عوام کے ووٹوں سے اپنے حلقوں سے منتخب ہو کر آئے تھے۔ یہ تنقیدی بیان اگرچہ بے حد طویل ہے لیکن اس لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے ایک ایک فقرے سے سردار فتح محمد خان کریلوی کے خلوص، حب الوطنی اور اپنے ملکی مسائل کے حل کے لئے ان کی دلی تڑپ کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس دور کی معاشی، اقتصادی اور زرعی صورتحال کا خاکہ بھی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ بیان کا متن حسب ذیل ہے۔

ریاست جموں کشمیر و پونچھ وغیرہ کے منتخب ممبران

کے بجٹ 94-1993ء پر تنقیدی بیان

لیجسلیٹو اسمبلی جس کا نام پرجا سبھا رکھا گیا ہے کا یہ پانچواں سیشن اور بجٹ کا یہ تیسرا سیشن ہے۔ یعنی تیسرے سال کا بجٹ ہے۔ ہم نے دو سال گزشتہ بجٹ کے متعلق جس قدر ریزولیشن بھیجے اور جو بلیٹ سے نکل کر اسمبلی میں پیش ہونے کے لئے رکھے گئے وہ حسب ذیل تھے صرف کام و روپیہ جو مانگا گیا یا جن اخراجات میں کمی کی جانی مطلوب ہے کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) ترقی زراعت پونچھ کے لئے 121 سدھار کے لئے (2) گنتالیاں سے حاتلاں تک

سڑک کے لیے۔

50000/- 8000/- مناسب روپیہ

زیرمد آبپاشی نہریں بنانے وسعت آبپاشی کے 1000000 روپیہ (5) شرح کسٹم بمثل نرخہائے ریاست حیدرآباد و میسور کی جاوے (6) کسٹم کے عملہ کی ماسوائے (محالداران وچپڑاسی) تنخواہ میں کمی (7) ایک پیسہ فی روپیہ ٹیکس جو مالیہ کے ساتھ لگایا گیا ہے کو خارج کیا جاوے۔(8) آبیانہ کی موجودہ شرح میں پچاس فیصدی کمی کی جاوے۔(9) زراعتی ترقی کے لئے مبلغ دولاکھ روپیہ (10) علاقہ کنڈی میں آب نویشی کا انتظام دو لاکھ روپیہ سروست اور آئندہ کے لئے دس دس ہزار روپیہ سالانہ فی تحصیل (11) محکمہ جنگلات کے عملہ کو کم کیا جاوے۔(12) آبپاشی کا عملہ تخفیف میں لایا جاوے۔نگرانی محکمہ مال اور پبلک ورکس کے سپرد ہو۔(13) جموں کو تجارتی مرکز بنانے کے لئے روڈ ٹول بمقابلہ جہلم وادی روڈ نصف کیا جاوے (14) محکمہ ابریشم کے تخمینہ میں پچہتر ہزار روپیہ کی کمی کیا جاوے۔(15) محکمہ انہار کے اخراجات میں سولہ ہزار کی کمی کی جاوے (16) صنعت وحرفت اور گھریلو دستکاری کے لئے کافی روپیہ منظور کیا جاوے۔(17) سری رنبیر سنگھ پورہ میں ہائی سکول قائم کیا جائے (18) تحصیل باغ پونچھ میں ہائی سکول کھول دیا جاوے۔(19) ہجیرہ وتھکلیالہ پراوہ علاقہ مہنڈر پونچھ میں شفاخانہ جات کھولے جاویں۔(20) ریاست ہذا میں شفاخانہ جات ایزاد کئے جاویں (21) ہریجون کو ٹریننگ دلوانے اور وظائف کے لئے زیرمد تعلیم روپیہ بڑھایا جاوے۔(22) ڈائریکٹر انڈسٹری کے لئے گرانٹ رکھی جائے۔(23) امدادی مدرس کے لئے معقول گرانٹ رکھی جاوے۔(24) جموں میں صنعت وحرفت کی نمائش کے لئے مناسب روپیہ رکھا جاوے۔ (25) مالیہ اراضی میں 4 آنہ فی روپیہ کمی کی جائے۔(26) بجلی کی شرح میں کمی کی جائے۔

(27) انکم ٹیکس کی شرح میں کمی کی جائے۔ (28) اودھم پور میں لیڈی ڈاکٹر کے لئے روپیہ دیا جاوے۔ (29) صفائی نالہ مارسری نگر کے لئے روپیہ دیا جاوے۔ (30) دریائے اوج کٹھوعہ پر پل کے لئے روپیہ مہیا کیا جاوے۔ (31) جگانو (اودھم پور) کا پل بنایا جاوے۔ (32) میر پور تا جو کھ پختہ سڑک کے لئے پانچ ہزار روپیہ منظور کیا جاوے۔ (33) علاقہ ہمیر پور سدھڑ تحصیل اکھنور جموں کو بردی سے بچانے کے لئے کافی روپیہ بجٹ میں دیا جاوے۔ (34) سکھوں کے وظائف کے لئے پندرہ ہزار روپیہ منظور کیا جائے۔ (35) چرار شریف کے پانی کے انتظام کے لئے ایک لاکھ روپیہ رکھا جائے۔ (36) پانپور تا شوپیاں پختہ سڑک بنائی جائے۔ (37) بجلی کے میٹر پر فیس نہ لیا جایا کرے۔ (38) افسروں کی بڑی تنخواہوں کو کم کیا جاوے۔

ان میں سے بجلی کی شرح کی کمی وانکم ٹیکس کی شرح کو کمی کے دو ریزولیشن کثرت رائے سے منظور ہوئے تھے مگر کونسل نے نامنظور کر دیئے۔ باقی کچھ وعدہ کر کے کچھ وقت کی تنگی کی وجہ سے دور کر دیئے گئے۔ مگر یہ مسلمہ ہے کہ ان جملہ ریزولیشن ہا متذکرہ صدر کا علم گورنمنٹ کو بخوبی ہو گیا ہوا ہے کہ دراصل کیا کیا مطالبات وضروریات رعایا کی ہیں۔

علاوہ ازیں ریزولیشن ہا جو بجٹ کے علاوہ دیئے گئے ان کی فہرست لمبی ہے۔ جن میں سے شاید کوئی ہی منظور ہو۔ غرض یہ کہ سینکڑوں قرارداد ہا پیش کرنے کے لئے بھیجی گئیں۔ مگر انہیں کسی نہ کسی طریق سے بغیر منظوری وغور مناسب ختم کر دیا گیا۔

ایک قرارداد کو (جملہ دیہات ملحقہ شکار گاہات کا نصف مالیہ کم کر دیا جائے) منظور ہوئی۔ مگر اس وقت تک دریافت کیا جا رہا ہے اور اسے دراصل کونسل نے ابھی منظور ہی نہیں کیا۔ معاملہ زیر غور بتایا جاتا ہے۔

گزشتہ سال منسٹروں کی تنخواہوں میں کمی کرنے کے تعلق ریزولیشن دیا گیا تھا جو داخل کرلیا گیا مگر بحث کرنے سے پیشتر صاحب پریذیڈنٹ اسمبلی نے رولنگ دیا چونکہ ریزولیشن کی ڈیفی نیشن کونسل نے تبدیل کردی ہے اس لئے یہ ریزولیشن پیش نہیں ہوسکتا۔ ریزولیشن کی ڈیفی نیشن حسب ذیل ہے۔

قرارداد کا مطلب وہ تحریک ہے جو اس مفاد عامہ پر بحث ومباحثہ کے لئے پیش کی جائے جو کونسل عالیہ کے اختیارات کے حدود کے اندر ہو۔

یہ آرڈر 9 اکتوبر 1935ء کو دیا گیا اور اس میں یہ بھی لکھا گیا کہ مجوزہ قرارداد جو موجودہ منسٹروں کی تنخواہوں وغیرہ کے متعلق ہے ایسی ہے جس کے متعلق کوئی سفارش کونسل کو نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ یہ معاملہ مہاراجہ بہادر کے ذاتی اختیارات کے اندر محدود ہے چونکہ کوئی سفارش اس قرارداد کے متعلق کونسل کو نہیں کی جاسکتی اس لئے اس قرارداد کو میں پیش ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں اپنے پہلے حکم کو منسوخ کرتا ہوں اور قرارداد کو بھی چونکہ ہم شروع سے ہی بہت بڑھی ہوئی تنخواہوں کو کم کرنے کے لئے کافی طور پر یہ کہہ چکے ہیں اور تقاریر پر وسیڈنگ بکس میں موجود ہے۔

اس دفعہ بھی اسی کو ریزولیشن حسب ذیل دیا گیا (کہ پانچ سو روپیہ سے زائد تنخواہوں میں پچاس فیصدی کمی کی جائے) جس کا منشا یہ ہے کہ پانچ سو روپیہ سے زیادہ ہر تنخواہ میں پانچ سو روپیہ زائد میں سے پچاس فیصدی کمی کی جاوے۔ جس کی تشریح دوران بحث میں ہو چکی تھی۔ خوش قسمتی سے یہ پہلے ہی بلیٹ میں نکل آیا اور پیش کیا گیا۔ اس کی تائید تمام منتخبہ ممبران نے کی اور صاف الفاظ میں بدوران تقریر کہہ دیا گیا تھا کہ اگرچہ بجٹ کی کاپی ہمیں دی گئی ہے جس پر تاریخ مقرر پر بحث ہوسکتی ہے۔ مگر یہ ریزولیشن بجٹ کا پیش خیمہ ہے۔ اسی سے معلوم ہو جائیگا

کہ گورنمنٹ اس پر ہمدردانہ غور کرتی ہے یا نہیں۔ اگر اسے منظور نہیں کیا گیا تو پھر ہمارے لئے بجٹ میں حصہ لینا مشکل ہو جاوے گا۔ چنانچہ جب گورنمنٹ کی طرف سے آنریبل فنانس منسٹر صاحب نے جواب مایوس کن دیا اور اسے منظور کرنے سے صاف انکار کر دیا اور موجودہ منسٹران کی تنخواہوں کو حق بجانب قرار دیا تو چونکہ گورنمنٹ کی کثرت رائے بیالیس ممبران کی ہے۔ حالانکہ ان کو ایک ووٹ بھی رعایا کی طرف حاصل نہیں ہے اور ہم جو منتخب ممبران جو چھتیس لاکھ رعایا کے صحیح نمائندہ ہیں کی تعداد 33 ہے۔ اس لئے جس طرح سابقہ ریزولیشن کا حشر ہوا۔ اس کا بھی وہی ہوا۔ لہٰذا ہم واک آؤٹ کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ان ہی فنانس منسٹر صاحب نے جو بیان رائٹ انکوائری کمیشن کے سامنے دیا وہ حسب ذیل ہے۔ جو قابل ملاحظہ ہے۔ ’’آخیر میں تجویز کرتا ہوں کہ تنخواہوں پر اخراجات کم کئے جانے چاہئیں۔ یہ حکومت بلند درجنوں میں بھاری؟ بن گئی ہے اور اس کا رائے عامہ کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں۔ واک آؤٹ کرنے کے فوری بعد ہم نے حسب ذیل قرارداد پاس کی۔

متذکرہ ذیل ممبران اسمبلی تجویز کرتے ہیں کہ حکومت کے فوڈ کنٹرول ریگولیشن کی رپورٹ سیلکٹ کمیٹی کے متعلق ترامیم کی تحریک و بڑی تنخواہوں میں کمی کئے جانیوالی تجویز کے متعلق جو مخالفانہ و بے ہمدردانہ رویہ 15 اکتوبر 16 اکتوبر کے اجلاس میں رہا ہے اس کے پیش نظر ہمارا احتجاج جو کہ ہم دستخط کنندگان ذیل ارکان اسمبلی نے بذریعہ اجلاس سے باہر آ جانے کے آج 19 اکتوبر 1936ء کو کیا ہے۔ سری سرکار والا کی خدمت میں پیش کیا جاوے اور اخبارات میں شائع کیا جاوے نیز قرار دیا جاتا ہے کہ بجٹ کی متعلقہ کارروائی میں سے کوئی بھی حصہ نہ لے گا۔ اور اس طریق پر حکومت نے عدم اعتماد کا اظہار کیا جائے۔‘‘ اس قرارداد کی نقل بحضور مہاراجہ

بہادر معرفت صاحب منسٹر انویٹنگ گزارش کی گئی۔

اس کے بعد 17 اکتوبر 1936ء ہم نے تمام کارروائی اسمبلی میں حصہ لیا اور پھر باہر آ کر باتفاق رائے پاس کیا کہ جس دن بجٹ پر بحث ہو اس سے پیشتر فنانس منسٹر صاحب تقریر کریں۔ اس کو سن لیا جاوے کہ وہ پبلک مفاد کے لئے حوصلہ افزا ہے یا کہ نہیں۔ چنانچہ 12 اکتوبر 1936ء کو جب فنانس منسٹر صاحب نے تقریر پڑھی تو اس کے بعد سردار بدھ سنگھ صاحب نے حسب ذیل تقریر کی۔

آنرایبل فنانس منسٹر صاحب کی تقریر پبلک مفاد کے لئے بمقابلہ آمدنی حوصلہ افزا نہیں ہے۔ بجٹ ریاست وعلاقہ پونچھ وغیرہ ہماری رائے لئے بغیر خود بخود بنا دیا گیا ہے۔ جس میں رفاہ عامہ ورعایا کی بہتری و بہبودی کے لئے معقول اور اشد ضروری فنڈز مہیا نہیں کئے گئے برعکس اس کے لاکھوں روپے بڑھے ہوئے اخراجات تنخواہوں وغیرہ میں رکھے گئے ہیں۔ علاوہ براں موجودہ آئین یعنی کانسٹی ٹیوشن اور اس کے تحت گورنمنٹ کے غیر ہمدردانہ ولا پرواہی کے برتاؤ نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ہم جیسا کہ بڑی تنخواہوں کے کم کئے جانے کے ریزولیشن کی گورنمنٹ کی طرف سے مخالفت کرنے کے بعد واک آؤٹ کرنے کے عین بعد اعلان کر چکے ہیں اور مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں اپنی قرارداد ارسال کر چکے ہیں۔ اب بجٹ کی کارروائی ہا میں کوئی حصہ نہ لیں اور اس میں رفاہ عام کے کاموں کے لئے کوئی کافی ایسی آئیٹم (مد) نہیں جس کو ہم تسلیم کریں۔ نیز اس بجٹ میں مہاراجہ صاحب بہادر کے نیک ارادوں کو جو رعایا کی ترقی و بہتری کے لئے وہ کہتے ہیں کوئی بھی پورا نہیں کیا جا رہا اور اعلان شاہی کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا رہا ہے۔ اس لئے اس ساری بجٹ کو تسلیم کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔'' اس کی تائید جملہ گروپ کے لیڈروں اور قریباً سب منتخب ممبروں نے کی۔ اور ماسوائے پنڈت امرناتھ

صاحب کاک کے سب منتخب ممبران نے واک آؤٹ کیا۔ اور بجٹ میں کوئی حصہ نہیں لیا گیا۔
اس بیان بالا کی تصدیق کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم موجودہ بجٹ کا بھی ذکر کریں اور واضح کریں کہ یہ کیا چیز ہے اور اس سے رعایا کی بہتری کے لئے کس قدر خرچ کیا جاتا ہے۔ کل آمدنی ریاست کی 9-1992ب تخمینا دو کروڑ تنتالیس لاکھ چوہتر ہزار (24374000)' 1993-94ب میں تخمینا دو کروڑ سنتالیس لاکھ پانچ ہزار (24705000) خرچ 1992-93ب تخمینا دو کروڑ سینتیس لاکھ پچیس ہزار (23725000)' 1993-94ب دو کروڑ سنتالیس لاکھ تین ہزار (24703000)۔
مالیہ آمدنی معہ ابواب دگھاہ چرائی و آبیانہ کل 7682000 روپیہ ہے۔ کسٹم سترہ لاکھ تمیں ہزار جنگلات 43 لاکھ 29 ہزار اب تخمینا 4903000 انکم ٹیکس دو لاکھ پچاس ہزار۔ آبکاری 353000 محکمہ ابریشم 1450000' اب تخمینا 1550000
مالیہ اراضی کے متعلقہ ابواب کی آمدنی تخمینا 1993-94ب چھ لاکھ ستر ہزار اور خرچ سات لاکھ اکاسی ہزار ایک لاکھ گیارہ ہزار خرچ میں آزادی کے کیا معنی۔ محکمہ بجلی تخمینہ جات 1993-94ب آمدنی بمقابلہ 1992-93ب تین ہزار کی ایزادی دکھائی گئی ہے اور خرچ میں 41 ہزار کی بیشی' ایڈمنسٹریشن جسٹس سال رواں کے آمدنی نظر ثانی شدہ دو لاکھ 66 ہزار تخمینا 1993-94ب ایک لاکھ 92 ہزار ہے۔ نظر ثانی شدہ 5 لاکھ آٹھ ہزار (ایک لاکھ چونسٹھ ہزار بذریعہ ایکسٹرا گرانٹ سال حال میں درج کئے گئے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ پچاس فیصدی بیشی و کہہ کہ گورنمنٹ نے کئی ایسے اہم مدات کو عمداً درج بجٹ نہیں کیا جن کی مخالفت کی اس کو توقع تھی گویا اسمبلی کو اطلاع مہیا کئے بغیر بھاری رقم ایکسٹرا گرانٹ میں درج کی گئی ہے۔

اب خرچ ملاحظہ ہو۔ صرف خاوظائف 1992-93ب 27لاکھ 26ہزار 1993-94سب 30لاکھ 87ہزار 3لاکھ 61ہزار زائد رکھا گیا ہے۔ یہ ریزروسیکٹ ہے اور بحث سے محفوظ ہے۔

نظام عمومی 1992-93ب 13لاکھ گیارہ ہزار

عدالت	4لاکھ 45ہزار
جیل	2لاکھ 9ہزار
پولیس	11لاکھ 81ہزار
محکمہ چنگی	43لاکھ

1993-94ب 14لاکھ دس ہزار، 90ہزار زائد

4لاکھ 64ہزار	19ہزار
2لاکھ 39ہزار	30ہزار
122لاکھ 38ہزار	57ہزار زائد
45لاکھ 56ہزار	2لاکھ 56ہزار بیشی ہے۔

نوٹ: ریزروسبجیکٹ پر ہم کو رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

کسٹم 4لاکھ 24ہزار جنگل 14لاکھ 25ہزار، ابریشم 8لاکھ، پنشن 11لاکھ 32ہزار ہے۔ گویا 76لاکھ 33ہزار ریزروسبجیکٹ کے بغیر قریباً 93لاکھ تنخواہوں وغیرہ میں صرف ہوتا ہے۔ کل آمدنی 2 کروڑ 47لاکھ 5ہزار سے رفاہ عام کے کاموں پر 28لاکھ 68ہزار خرچ کیا جاتا ہے۔ جس میں تعلیم، شفاخانہ، محکمہ صنعت وحرفت، زراعت، باغات، محکمہ اتحاد باہمی شامل ہیں۔ اب 32لاکھ 9ہزار رکھا گیا ہے گویا تعلیم دو لاکھ، شفاخانہ 47ہزار زراعت 71ہزار

صنعت وحرفت 6 ہزار رکھا گیا ہے۔

امور عامہ سڑکات و مکانات پر پہلے 22 لاکھ اب 23 لاکھ 51 ہزار ایک لاکھ 51 ہزار اایزاد کیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جب کسٹم اور انکم ٹیکس کو مالیہ اراضی وکاہ چرائی وغیرہ رعایا سے حکماً وصول ہوتا ہے تو انہیں واپس کیا ملتا ہے۔ محکمہ جنگلات کی آمدنی میں 5 لاکھ 74 ہزار کا تخمینہ میں زیادہ رکھا گیا ہے۔ اس پر محکمہ جنگلات کا لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوا جب کمپنی پر غبن کا کیس بنایا گیا۔ تو کمیشن کے ذریعہ تحقیقات کرائی گئی جب غالباً 7 لاکھ 50 ہزار کا تاوان وصول کرنے کی تجویز کی تھی۔ مگر 6 لاکھ روپیہ ازراہ عنایت خسروانہ مہاراجہ بہادر نے معاف فرمایا اور جب ہمیں معلوم ہوا کہ ذمہ دار منسٹر صاحبان کی سفارش پر ایسا ہوا تو گزشتہ سال بجٹ کی بحث میں ہماری طرف سے اعتراضات پیش کئے گئے اور تقریریں ہوئیں کہ جب اس قدر عظیم نقصان ہوا تو سرمایہ دار کو کمپنی بلا کی خاص وجہ کے لاکھوں روپیہ کیوں معاف کرایا گیا جب کہ رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی گویا اسمبلی کو مطلقاً اس کارروائی کی خبر تک نہیں دی گئی تھی۔ جب تک کہ آخری حکم نہیں لیا گیا۔ لکھوکھا جنگل کا بکھرا ہوا خزانہ برباد ہو رہا ہے اور سابقہ جنگلات کاٹ کر آمدنی پیدا کی جارہی ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آمدنی کسی وقت صفر ہو جاوے گی اور اس پر لاکھوں کا خرچ تنخواہ عملہ وغیرہ کا رکھا گیا ہے اور خاصہ عملہ ایزاد ہوا ہے۔

مالیہ اراضی وکاہ چرائی کی کمی کے لئے اور انکم ٹیکس کے اصول پر مالیہ وصول کرنے کے لئے ریزولیشن پیش کیا گیا تھا۔ وہ کثرت رائے سے جو سرکاری ممبران کی ہے سے نامنظور کر دیا گیا۔ زمینداران کے لئے مالیہ کی ادائیگی نہایت مشکل ہو رہی ہے کیونکہ غلہ کا نرخ ارزان ہے اور مالیہ بمقابلہ پنجاب بہت زیادہ ہے بڑا واویلا کیا گیا مگر مالیہ میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔

آبیانہ کی کمی کا ریزولیشن پیش ہوا جو نامنظور کر دیا گیا۔ آبپاشی سکیم بنانے اور زراعت کو وسعت دینے کے لئے ریزولیشن کیا گیا جو صرف وعدہ دے کر ٹال دیا گیا۔

صنعت وحرفت کے لئے فنڈز مہیا کرنے کے لئے گزشتہ سال بڑی تقاریر ہوئیں۔ کافی روپے کے لئے مطالبہ کیا گیا تا کہ اس کو وسعت دی جائی اور بیکاروں کو کام مہیا کیا جائے۔ مگر خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا اب صرف 6 ہزار روپے زیادہ رکھا گیا ہے بھلا اتنی بڑی ریاست میں جس کی آمدنی اتنی ہو۔ اور جس میں ہزاروں پڑھے لکھے بیکار اور لاکھوں زمیندار جو سال میں چھ مہینے بیکار رہتے ہیں کو کام دینے اور صورت گزارہ پیدا کرنے کے لئے چھ ہزار روپے منظور کرنا کس قدر مضحکہ خیز ہے۔

گھریلو دستکاری کے لئے بڑا زور لگایا گیا کہ اس کو فروغ دیا جائے مگر کچھ نہیں کیا گیا۔

گرام سدھار کے لئے محض برائے نام رقم رکھی گئی ہے کوئی خاص فنڈز مہیا نہیں کئے گئے حالانکہ گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک کروڑ روپے اس مفید کام کے لئے منظور کیا ہے البتہ یہاں ایک پیسہ فی روپیہ مالیہ کے ساتھ دیہاتی صحت وصفائی کے نام پر ایزاد کر دیا گیا ہے حالانکہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے تنخواہوں وغیرہ کے لئے 7 لاکھ 83 ہزار روپے ایزاد درج کیا گیا ہے۔

حضور وایسرائے صاحب بہادر کے وزٹ کا خرچ بجٹ میں نہیں رکھا گیا۔ نہ معلوم بجٹ کا کتنا حصہ ہوگا تعلیم کے لئے کل آمدنی 2 کروڑ 47 لاکھ 5 ہزار سے صرف 18 لاکھ 93 ہزار رکھی گئی ہے۔ حالانکہ ریاست ٹراونکور جس کی آمدنی 2 کروڑ 48 لاکھ ہے۔ 48 لاکھ روپے تعلیم پر خرچ کرتی ہے ہمارے ہاں اس 18 لاکھ سے شہروں کے سکولوں اور کالجوں کی رقم نکالی جائے تو غالباً نصف سے کم دیہاتی سکولوں پر خرچ ہوتی ہوگی۔ حالانکہ بار بار مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ کم از کم پرائمری تعلیم عام کر دی جائے۔ اور دیہاتی سکولوں میں زراعتی تعلیم بھی دی جائے۔

شفاخانہ کے لئے 47 ہزار ایزاد کیا گیا ہے۔اب کل 8 لاکھ پچھتر ہزار رکھا گیا ہے ریاست ٹراونکور میں 12 لاکھ خرچ ہوتا ہے۔اس 8 لاکھ 75 ہزار سے شہروں کے ہسپتالوں پر بہت سا حصہ خرچ ہوتا ہے قصبات و دیہات میں برائے نام خرچ ہوتا ہے۔لاکھوں افراد غریب رعایا۔جو دیہاتوں میں آباد ہے۔مگر 15 تا 50 میل تک فاصلہ پر کئی علاقہ جات پہاڑی برفانی کے درمیان کوئی شفاخانہ نہیں ہے۔پہاڑی تحصیلات رامنگر بھدرواہ' کشتواڑ' ریاستی دیگر علاقہ جات میں آتشک کی بیماری زوروں پر ہے۔اور اب وہ بگڑ کر جزام ہو رہا ہے۔بہت سے زمیندار بیچارے جزامی ہو گئے ہیں۔مگر وہاں کوئی ہسپتال ان کے لئے نہیں ہے اور نہ کوئی مستقل علاج کیا جا رہا ہے بار بار کہا جا رہا ہے اور جواب دیا جاتا ہے کہ سکیم تیار کی جا رہی ہے۔

فنانس منسٹر کی تقریر میں درج ہے کہ" گورنمنٹ کا ارادہ کہ شفاخانہ جات کھولنے اور دوسری بھی سہولتوں کی توسیع کے لئے ایک پروگرام اختیار کرے اور جتنے سالوں کے لئے ضروری ہو۔اس غرض کے لئے ہر سال دولاکھ کی رقم وقف کی جائے سال آئندہ کے میزانیہ میں یہ رقم نہیں رکھی گئی ہے۔"

گویا اس ضروری اور زندگی بخش کام کے لئے جس سے 36 لاکھ رعایا کی صحت کا انتظام کرنا ہے۔ابھی ارادہ کیا جا رہا ہے۔اور ذہنی پروگرام بنایا جا رہا ہے۔سڑکات و عمارات پر بجائے 22 لاکھ کے اب 2351000 رکھا گیا ہے۔مگر واضح رہے کہ یہ دو تین بڑی سڑکوں و عالیشان عمارات وغیرہ پر خرچ ہوا ہے اور ہوگا۔دیہاتی سڑکات کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔باوجودیکہ وہ لاکھوں روپے مالیہ کے علاوہ بھی دیتے ہیں۔ان کے لئے بمشکل تمام باوجود سخت جدوجہد کرنے کے 246440 روپے رکھے گئے ہیں دیہاتی سڑکات 25 سے سو میل تک لمبی چلی گئی ہے اور عام گزر رعایا و مسافروں کا رہتا ہے مگر اسے سواری ولادو جانوروں کے چلنے کے

قابل نہیں بنایا جاتا۔ گویا 24 لاکھ بڑی سڑکات و عمارات وغیرہ کے مقابلہ میں اب یہ روپے منظور کیا گیا ہے جو نہایت ناکافی ہے۔

ریاست پونچھ کے اکثر نالہ جات اور چھوٹے دریاؤں پر پل نہیں ہیں، جس سے رعایا کا نقصان عظیم و تکلیف ہو رہی ہے۔ علاقہ کنڈی جو قریباً سینکڑوں میل لمبا ہے اور جس میں ہزار ہا زمینداران کی آبادی ہے جو لاکھوں روپے مالیہ ادا کرتے ہیں اور فوج میں ملازمت مہیا کرتے ہیں، کو پینے کا پانی مہیا نہیں کیا جاتا۔ وہ بیچارے گوبر اور پیشاب سے ملا ہوا پانی اور سخت میلہ پانی پینے کے لئے مجبور ہیں اور جب وہ بھی تالابوں میں خشک ہو جاتا ہے تو پانچ چھ میل سے لانا پڑتا ہے۔ سخت شدت کی گرمی میں پانی کا نہ ملنا اور مضر صحت گندہ پانی نصیب ہونا، بیماری کا پیدا ہونا کس قدر سخت عذاب و دکھ رعایا کو ہے۔ بڑی دردناک اپیلیں کی گئیں۔ ملاحظہ ہو تقاریر مندرجہ پروسیڈنگ بکس اکتوبر 1935ء، مگر افسوس اس طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ دو لاکھ سردست اور آئندہ فی تحصیل دس، دس ہزار سالانہ روپے کنوؤں کی تیاری اور تالابوں کی مرمت کھواڑی کے لئے مانگا گیا تھا مگر بہت کم رقم دی گئی جس سے مطلقاً پانی کی تکلیف میں افاقہ نہیں ہوا، حضور مہاراجہ بہادر نے حکم دیا ہوا ہے کہ کنڈی میں پانی مہیا کرنے کے لئے دھرم ارتھ سے بچا ہوا روپیہ لگایا جائے مگر اس کی تعمیل نہیں کی گئی، جب وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ دھرم ارتھ ریزرو سبجیکٹ ہے۔

گزشتہ سال جب اس کے متعلق ریزولیشن ہوا تو جرنیل جنک سنگھ صاحب لیڈر سٹیٹ کونسلراں نے تقریر میں ذکر کیا کہ مہاراجہ بہادر نے بوقت تاجپوشی بون کی رقم سے پہلے کنڈی میں پانی بہم پہنچانے کے لئے پچاس ہزار روپے منظور کیا اور اسے جاری رکھنے کا ارشاد فرمایا، ملاحظہ ہو تقریر مذکور تیسرا اسیشن جلد 2 صفحہ 166 گویا نہ ہمارا مطالبہ منظور کیا گیا اور نہ ہی مہاراجہ

بہادر کے احکام کی تعمیل کی گئی۔

جوبلی فنڈ کا ذکر کیا جانا بھی ضروری ہے۔ تعلیم' شفاخانہ' زراعت وغیرہ رفاہ عامہ کاموں پر بہت کم خرچ ہوتا ہے۔ گرام سدھار پر کچھ بھی نہیں اور دیہاتی اصلاحات وکثیر آبادی زمینداران کی بہتری وبہبودی کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی جاتی' کل آمدن 1031500 روپے خرچ 11 لاکھ 29 ہزار اس میں سے تقریباً 3 / 1 علاقہ راجہ صاحب پونچھ لیتے ہیں' مثلاً راجہ صاحب وعملہ خصوصی 271500 دفتر خارجہ صاحب 18984 اصطبل 16000 دھرم ارتھ 24900 غیر معمولی اخراجات ایک لاکھ کل 327'44' جب اس کی تفصیل پوچھی گئی کہ کس حساب ونسبت سے اتنا خرچ کیا جاتا ہے تو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ ریزروسبجیکٹ ہے۔ آمدن کی بڑی مدات حسب ذیل ہیں۔ آمدنی مالیہ 483500 روپے جنگلات 67407' کسٹم 22200' آبکاری 50400 روپے ہے۔ خرچ دفتر وزارت وچیف ریونیوافسر صاحب وتحصیلات ومحکمہ عدل وغیرہ کی تنخواہ کا میزان خرچ 148816 ہے۔ خرچ پولیس 47900 روپے۔

شفاخانہ دوائی وغیرہ کی رقم کل 34815 رکھی گئی اور شہر پونچھ وہیڈکوارٹر تحصیلات کو چھوڑ کر دیہات کے لئے شاید کچھ بھی نہیں رہتا۔ غرض یہ کہ دیہاتی لوگوں کی صحت وعلاج کے لئے مطلقاً توجہ نہیں کی جاتی۔ شفاخانہ جات ایزاد کرنے کی بڑی ضرورت ہے اور بار بار مطالبہ کیا جاتا ہے مگر شنوائی نہیں ہوتی۔ فوج کا خرچ 44600 رکھا گیا ہے اور بار بار مطالبہ کیا جاتا ہے مگر شنوائی نہیں ہوتی۔ فوج کا خرچ 44600 رکھا گیا ہے حالانکہ بوقت ضرورت فوج ریاست سے بھیجی جاتی ہے۔

زراعتی ترقی نرسریز لگانے' بیج تقسیم کرنے کے لئے گزشتہ بجٹ میں آٹھ ہزار روپے

منظور کرنے کے لئے ریزولیشن پیش کیا گیا مگر وہ ایک ووٹ کی کمی سے نامنظور کردیا گیا' یعنی 3331 کے فرق سے اور گورنمنٹ نے وعدہ کیا کہ یہ حالات راجہ صاحب کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے اور زراعت کے کام کی طرف خاص توجہ کی جائے گی وغیرہ۔ ملاحظہ ہو تقریر مشیر مال صاحب مگر اب تک کچھ نہیں کیا گیا نہ محکمہ زراعت قائم کیا گیا نہ نرسریز وغیرہ لگائی گئی ہے۔ تعلیم کے لئے زور دیا جارہا ہے کہ پرائمری تعلیم تو دیہات میں جاری کی جائے مگر اس طرف توجہ نہیں کی جاتی' اس کام کے لئے 71500 رکھا گیا ہے۔ اس میں سے 25513 جو ہائی سکول خاص پونچھ میں خرچ ہوتا ہے۔ نکالا جائے تو 45987 باقی رہ جاتا ہے۔ سارے علاقہ میں خاص پونچھ کے علاوہ کوئی ہائی سکول نہیں ہے۔

علاقہ چینی کے بجٹ پر زیادہ بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں' صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ تعلیم' شفاخانہ' سڑکات' زراعت وغیرہ رفاہ عامہ کے کاموں کا کوئی خاص انتظام ہے ہی نہیں' اس کی آمدنی مالیہ اراضی' کسٹم' کاہچرائی' آبکاری' جنگلات' سٹاپ وجاگیر کے تراتیر سب 52148 روپے ہے۔

اور خرچ 50020 اس میں سے راجہ صاحب اور ڈیوڑھی 18033 اور ادائیگی قرضہ جات 10500 کل 28533 تو علاقہ دار صاحب لیتے ہیں' باقی تنخواہوں وغیرہ پر خرچ ہوتا ہے۔ شفاخانہ میں صرف ایک کمپوڈر ہے' ڈاکٹر ندارد۔

اب ساری کیفیت سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ بمقابلہ آمدنی کے کس قدر رفاہ عامہ کے کاموں پر رعایا کی بہتری و بہبود و ترقی کے لئے یا اسے بیجا بوجھ مالیہ اراضی' آبیانہ' کسٹم وٹیکس سے نجات دلانے کے لئے بجٹ میں رکھا گیا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ کل آمدنی صرف تنخواہوں پر علاوہ 764200 ریزرو سبجیکٹ کے قریباً 93 لاکھ تنخواہوں وغیرہ پر خرچ ہو اور باقی

بڑی سڑکوں وعالیشان عمارات وغیرہ پر خرچ کیا جائے اور اس میں سے بہت ناکافی رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جاتا ہے اور بالخصوص دیہاتی آبادی زمیندار کسانوں کے لئے تو برائے نام رقم رکھی گئی ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ جہاں صنعت وحرفت کو وسعت دینے اور ہزار ہا بیکاروں کو کام مہیا کرنے اور لاکھوں کسانوں' زمینداروں جو سال میں چھ ماہ بیکار رہتے ہیں کو کام دینے اور گھریلو دستکاری کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرنے کی ضرورت ہے' اس لئے گرام سدھار کام کے لئے لاکھوں کی اشد ضرورت ہے'' مگر اس طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

علاوہ ازیں شفاخانہ جات میں ایزادی کی سخت ضرورت ہے۔ اکثر 50 میل تک کسی شفاخانہ کا نہ ہونا نہ یونانی حکماء ویدوں کا خاطر خواہ انتظام کرنا اور پھر آتشک جزام کی بیماری جس سے پہاڑی تحصیلات کے علاقہ جات تباہ ہو رہے ہیں' جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کا ضرور واقعی انسداد نہ کرنا۔

کل ریاست پونچھ وغیرہ میں پرائمری تعلیم عام کرنے اور پھر زراعتی تعلیم دینے کا انتظام خاطر خواہ نہ کرنا' کنڈی میں پانی کا خاطر خواہ انتظام نہ کرنا' دیہاتی نالہ جات کے پلوں وسڑکات کی تعمیر ومرمت کی طرف خاص توجہ نہ کرنا' غرض یہ کہ جس قدر مدات کے لئے قرار داد ھا متذکرہ الصدریں ذکر کیا گیا ہے۔ رعایا کے مطالبات جو بذریعہ منتخب ممبران پیش کئے جاتے ہیں کو منظور نہ کرنا اور باوجود یہ کہ سٹینڈنگ کمیٹی متعلق' کے پبلک کی رائے کے بغیر بجٹ بنا دینا اور مناسب ضروری واجبی مطالبات رفاہ عامہ ورعایا کی بہتری وبہبود کے سوال کو مالی مشکلات کے عذر سے نامنظور کر دینا۔ الابرعکس اس کے آئے دن عملہ وتنخواہوں کو بڑھاتے جانا بلکہ سینکڑوں کی تعداد کو بڑھا دینا اور بجائے سابقہ ٹیکس ہا' مالیہ اراضی' کاہچرائی' آبیانہ انکم ٹیکس' بجلی اور ٹول کے کم کرنے کے اخراجات بڑھائے جانا' کسٹم کی آمدنی کا خود بخود بڑھاتے

جانا' شرح نامہ اپنی مرضی سے مقرر کرنا۔

غرض یہ کہ ماسوائے جنگل' ریشم' بجلی وغیرہ کے دیگر مدات آمدنی جو حکماً جبراً رعایا سے وصول ہو رہے ہیں ان کو مستقبل آمدنی سمجھ کر تنخواہات وغیرہ بڑھے ہوئے اخراجات میں خرچ کر دینا اور رعایا کی مرضی کے بغیر اور اس کی مالی حالت نظرانداز کرتے ہوئے باوجود آہ زاری وغربت بیکاری کے ٹیکس ہا کا عاید کرنا اور بڑھاتے جانا اور پھر رفاہ عامہ کے کاموں کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ کرنا اور کوئی ذرائع مستقل آمدنی کے پیدا نہ کرنا اور کانوں کے کام میں دلچسپی نہ لینا وغیرہ ایسے واقعات ہیں کہ جنہوں نے ہم کو مجبور کیا ہے کہ ہم اس خود ساختہ بجٹ میں حصہ نہ لیں کیونکہ یہ محض جبری ٹیکس ہائے سے لاکھوں روپے وصول کر کے بڑی بڑی تنخواہ جات اور فضول غیر ضروری اخراجات کی زیادتی اور سامان تعیش پر خرچ کیا جا رہا ہے۔

صرف ہم ہی نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ فنانس منسٹر صاحب خود تسلیم کر چکے ہیں' جیسا کہ اوپر ان کے بیان کا حوالہ دیا گیا ہے کہ تنخواہیں بہت زیادہ ہیں اور کونسلروں کے لیڈر جرنیل جنک سنگھ صاحب نے اپنی حال کی تقریر میں فرمایا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ بجٹ ایسا خوش قسمت نہیں ہے' فیڈریشن آنے والی ہے' معلوم نہیں کہ اس میں ہماری شمولیت سے ہماری آمدنی کس قدر رہ جائے گی اس لئے یہ کہنا کہ بجٹ بیلنس ہو گیا ہے۔ یہ کوئی مبارک بات نہیں ہے۔ کم از کم اتنی بڑی ریاست کے لئے یہ ضروری ہے کہ کئی خاص مواقع آنے پر دس یا پندرہ لاکھ روپے امسال زیادہ ہونا چاہیے تا کہ اگر اگلے سال میں کچھ خرچ کرنا پڑے تو اس سے پورا ہو سکے۔

ان تمام حالات اور افسوسناک سلوک کے جو گورنمنٹ ہمارے ساتھ کیا کرتی ہے کہ وہ کمی تنخواہ و اخراجات کے بارے میں ہماری بات سننا نہیں چاہتی۔ ملاحظہ ہو فنانس منسٹر کی تقریر کہ "مجھے اس کی تائید کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی' اس لئے میں ریزولیشن کی پرزور مخالفت کرتا

ہوں‘‘۔

کیا کسی طرح بھی ضروری قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس بجٹ کے ساتھ تعاون کیا جائے یا بجٹ میں حصہ لیا جائے۔ کیا اسی بجٹ اور اس کی متعلقہ قرارداد کے نتائج کو مدنظر رکھ کر گورنمنٹ کے حمایتی کونسلروں و نامزد ممبر کی تقاریر جو بجٹ کے ارہ میں کی گئی ہیں کو درست تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کیا وہ ایمانداری سے کہہ سکتے ہیں کہ گورنمنٹ کا موجودہ رویہ بجٹ کے سلسلہ میں غیر ہمدردانہ نہیں اور کیا رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے موجودہ رقوم مناسب اور کافی ہیں؟

کیا کئی سرکاری نامزد ممبران و کونسلروں نے صنعت و حرفت کو فروغ دینے‘ کنڈی میں پانی مہیا کرنے‘ بیکاری کو دور کرنے اور فضول اخراجات‘ بڑی تنخواہوں میں کمی کرنے کے متعلق رائے نہیں دی اور وہ ہمارے ساتھ اس بارے میں متفق نہیں ہیں؟ کیا کئی کونسلروں نے ہماری عدم موجودگی میں گورنمنٹ کی وکالت کی ہے۔ ان میں سے کئی صاحب نے گزشتہ سال کی بجٹ کی بحث میں یہ نہیں کہا کہ جنگلات کے عملہ کی تنخواہیں بہت زیادہ ہیں۔ اتنی زیادہ ہیں کہ اگر نصف کم کی جائیں تو کام بخوبی چل سکتا ہے‘ نہ صرف خرچ کم ہوگا بلکہ غریب رعایا کا دکھ درد جو جنگلات کی طرف سے ان کو دیا جاتا ہے اور بُرا سلوک کرتے ہیں وہ بھی دور ہوگا۔ اسی طرح بیکاری کے دور کرنے اور کان ہانکالنے کے لئے انہوں نے زور نہیں دیا۔ ملاحظہ ہو‘ پروسیڈنگ بک تیسرا پارٹ صفحہ 362‘ اب وہ کس طرح نہایت غیر ذمہ داری سے منتخب ممبران پر حملہ کرتے ہیں اور ان کو سینہ سپر ہو کر لڑائی میں لینے کے لئے کہتے ہیں۔ کیا رعایا کے نمائندے لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ یا داد و فریاد سنانے کے لئے‘ کیا ایک کونسلر نے حال کی تقریر میں 50 لاکھ فوج کی بڑی ہوئی تنخواہوں کا رونا نہیں رویا اور یہ الفاظ نہیں کہے کہ اگر واقعی اس قدر بھارتی فوجی مصارف جو بقدر 50 لاکھ کے ریاست پر عائد نہ ہوتے تو ایسی

صورت میں رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے یہ ریاست بھی بہت زیادہ خرچ کرسکتی اور پرجا سبھائے ممبران کی خواہش بھی پوری ہوتی۔

اور آپ نے یہ بھی کہا کہ میں اس کے متعلق یقیناً منتخب ممبران سے اس حد تک متفق ہوں کہ ریاست میں بہت سی ایسی اسامیاں ہیں جن کے رکھنے کی ضرورت نہیں' بذریعہ کمیشن تنخواہ جات کی جانچ پڑتال ہوسکتی ہے۔

اسی اثنا میں دیگر کونسلروں یا نامزد ممبروں نے جو تقاریر بجٹ کی تائید میں کیں جس حد تک انہوں نے ہماری غیر حاضری میں ریمارکس کئے ہیں وہ اخلاق اور اصول سے بعید ہیں۔ اس کا جواب دینا غیر ضروری ہے۔ کیا ہم ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ سابقہ مطالبات رعایا کے منظور ہوچکے ہیں؟ کیا جوانہوں نے خود اب تک بجٹ کے متعلق کمی بیشی کرنے کے لئے مطالبہ کیا ہے یا جواب موجودہ تقریروں میں کیا گیا ہے وہ پورا کیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا جارہا تو پھر بجٹ میں حصہ لینا اور حاضر رہنا کیونکر ضروری سمجھا جاتا ہے چونکہ گورنمنٹ کی سرکاری کونسلروں و نامزد ممبروں کی تعداد 42 ہے اور وہ کثرت میں ہے اور ہماری جو یہ 36 لاکھ رعایا کے نمائندے ہیں کی تعداد 33 ہے اور عموماً ہر ایک ریزولیشن بڑے افسران کی تنخواہوں میں کمی کرنے کی مخالفت میں کی گئی اور گورنمنٹ کی طرف سے جب کسی قسم کے ہمدردانہ و منصفانہ سلوک کی امید باقی نہ رہی اور رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے روپیہ پیدا کرنے کے بڑے ہوئے اخراجات و تنخواہ جات میں کمی کرکے گنجائش نکالی جاسکتی تھی' جسے گورنمنٹ منظور نہیں کرتی اور منسٹروں کی تنخواہوں و تعداد میں کمی کرنے و اخراجات کے گھٹانے کا سوال ہی نہیں ہونے دیتی اور اگر کسی شکل میں پیش ہوجائے تو وہ نامنظور کردیتی ہے اور پرزور مخالفت کرتی ہے' تو ایسی صورت میں بجٹ میں حصہ لینا قطعاً غیر ضروری تھا' لہٰذا ہم واک آؤٹ کرنے پر سخت مجبور ہوگئے۔

اب سوال پیدا ہوگا کہ ہم بجٹ کی مد میں کیا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب جملہ قرارداد ہا جن کی تفصیل اوپر دی گئی ہے' آ چکا ہے۔ تاہم مختصراً آخر پر پھر واضح کر دیتے ہیں کہ بجٹ کے متعلق ہم کیا چاہتے ہیں۔

(1) بڑھے ہوئے اخراجات کم کیئے جائیں۔ (2) بڑی بڑی تنخواہوں میں جو افسران و منسٹران لے رہے ہیں میں کمی کی جائے۔ جیسا کہ ریزولیشن میں مطالبہ کیا گیا ہے۔ (3) عملہ کی تعداد میں کمی کی جائے' مثلاً محکمہ پبلک ورکس پولیس جنگلات' مال میں کئی اسامیاں افسران کی خاصی تنخواہ کی ایزادکی گئی ہیں جو قطعاً غیر ضروری ہیں' ان کو کم کیا جائے۔ (4) صنعت وحرفت' گھریلو دستکاری' زراعتی ترقی' تعلیم' شفاخانہ جات' دیہاتی سڑکات' پل ہا گرام سدھار' نئی نہروں کے بنانے' آبپاشی میں وسعت دینے' علاقہ کنڈی میں پانی مہیا کرنے کا انتظام کیا جائے اوراس کے لئے کافی روپیہ دیا جائے۔ چرار شریف و دیگر کنڈی علاقہ کشمیر میں پانی مہیا کرنے کا انتظام کیا جائے۔ بیکاروں کو کام دیئے جانے کا انتظام کیا جائے۔ کان ہا کا کام شروع کیا جائے۔ نالہ مارسری نگر کی صفائی کے لئے معقول رقم دی جائے۔ یتیم خانے کھولے جائیں۔ کسٹم کے نرخوں میں کمی کی جائے۔ مالیہ اراضی و آبیانہ میں مناسب کمی کی جائے۔ کسٹم ٹیرف بورڈ بنایا جائے' انکم ٹیکس روڈ ٹول بجلی وغیرہ میں کمی کی جائے۔ مستقل کاہچرائی معاف کی جائے اوراخراجات تنخواہ ملازمان اعلیٰ وتعداد گزیٹڈ افسران کی 72ب کے برابر کی جائے۔

مذکورہ بالا بیان مطبوعہ صورت میں سردار فتح محمد خان کریلوی کے ذاتی کاغذات میں محفوظ ہے جس پر اس وقت کے تمام منتخب ممبروں کے تائیدی دستخط ثبت ہیں۔

اس تاریخی بیان سے ایک طرف سردار فتح محمد خان کریلوی کی پارلیمانی جدوجہد اور عظمت کے کردار کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف ہم ریاستی حکومت وحکام کے

طرز عمل سے بھی باخبر ہوتے ہیں کیونکہ یہ تاریخی بیان اس دور کے معاشی' اقتصادی اور سیاسی حالات کا ایک آئینہ ہے' جس میں ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اس وقت ریاست جموں کشمیر کی آبادی کتنی تھی' ذرائع آمدن کیا کیا تھے اور کن کن ذرائع سے کتنی کتنی آمدن ہوتی تھی۔ تمام مدات کی آمدن جمع کر کے ریاست کے خزانے میں کل کتنی رقم ہوتی تھی اور کس طرح خرچ کی جاتی تھی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ مہاراجہ نے جس قدر بڑے بڑے افسروں کی بھاری تنخواہیں مقرر کر رکھی ہیں یہ کم کی جائیں اور ریاستی بجٹ کے بڑے حصہ کو فلاح عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جائے۔

سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے حلقہ مہنڈر اور حویلی سے منتخب ہو کر ریاستی اسمبلی میں گئے تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ اسمبلی میں کل ریاست جموں و کشمیر کے عوامی مسائل کی بات کی ہے۔ صرف اپنے حلقہ انتخاب کے عوامی مسائل ہی کو پیش نظر نہیں رکھا۔ ان کا یہ تنقیدی بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ وہاں ساری ریاست کے عوامی مفاد کا مطالبہ کرتے تھے اور بلا جھجک پوچھتے تھے کہ ڈوگرہ حکومت عوام سے مالیہ اور ٹیکسوں کی صورت میں سالانہ کس قدر رقم وصول کرتی ہے اور عوام کی فلاح اور ملک کی ترقی کے لئے کس قدر خرچ کرتی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ریاست کے لوگوں کو پسماندہ اور مفلوک الحال رکھا جائے اور ان پر بھاری ٹیکس عائد کر کے اس رقم سے ریاست کے ایک مخصوص طبقہ کو نوازا جائے۔ آخر لوگ مالیہ اور ٹیکس کی رقوم کہاں سے اور کس ذریعہ سے ادا کریں گے' ان کا مطالبہ تھا (جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہے) کہ پہلے ریاست میں صنعت و حرفت اور کاشت و زراعت کو ترقی دی جائے تا کہ یہاں کے لوگ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکیں اور سرکار کو مالیہ اور ٹیکس آسانی سے ادا کر سکیں۔ اگر رعیت غریب ہو گی اور اس کے پاس آمدن کا کوئی ذریعہ نہیں ہو گا تو سرکاری واجبات کس طرح اور کس صورت میں

ادا ہوں گے۔

انہوں نے ریاستی اسمبلی کے پہلے سالانہ بجٹ اجلاس میں یہ سوال اٹھایا تھا اور سالانہ بجٹ کے موقع پر پورے جوش وجذبے سے یہ مطالبہ دہراتے تھے اور زور دیتے تھے لیکن اسمبلی میں بیٹھا ہوا سرکاری ممبروں کا ٹولہ (جن میں سے اکثر سرکاری خزانے سے بھاری بھاری تنخواہیں وصول کرتا تھا) آئیں بائیں شائیں کر کے سردار فتح محمد خان کریلوی کے اس مطالبہ کو دبا دیتا تھا کیونکہ اس سے براہ راست ان کے مفاد پر زد پڑتی تھی۔

کریلوی صاحب کے اس بیان میں ہندوستان کی دیگر ریاستوں کے حوالے بھی ملتے ہیں' جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کی اکثر ریاستوں کی آمدن اور خرچ سے باخبر تھے اور انہیں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ کس ریاست کا حکمران اپنی رعایا کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔

جس زمانے میں وہ ریاستی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ریاست جموں وکشمیر کی کل آمدن دو کروڑ سنتالیس لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ اعداد وشمار جمع کئے کہ ریاست کی یہ آمدن کن کن ذرائع سے ہے۔ جنگلات کی آمدن کیا ہے' کسٹم سے کس قدر رقم آتی ہے۔ لوگوں کے مالیہ اور ٹیکس سے کس قدر رقم جمع کی جاتی ہے اور اس رقم کو خرچ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جب انہیں اس بات کا پوری طرح اندازہ ہوگیا کہ ریاست کی آمدن کا بڑا حصہ مہاراجہ ہری سنگھ کے رشتہ داروں، مہاراجہ کی ڈوگرہ برادری کے کھڑپینچوں، بڑے بڑے سرکاری وغیر ضروری افسروں، مہاراجہ کے ذاتی سٹاف اور ذاتی عیاشیوں پر خرچ ہوتا ہے اور اس آمدن میں سے عوام کے لئے کچھ بھی نہیں کیا جاتا' تو انہوں نے یہ سارے اعداد وشمار مذکورہ بالا تنقیدی

بیان کی صورت میں مرتب کر کے شائع کئے تا کہ ریاستی عوام کو بھی ساری صورتحال کا پتہ چل سکے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی 1934ء سے لے کر 1947ء تک ریاستی اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے ایسے مطالبات و معاملات پر زور دیتے رہے جن کا تعلق کل ریاست جموں و کشمیر سے تھا' کسی ایک حلقے یا علاقہ سے نہ تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت ریاستی آمدن کو فضول خرچیوں پر خرچ کرنے کے بجائے عوامی فلاح کے لئے خرچ کرے۔ ملک میں صنعتیں قائم کی جائیں اور رسل و رسائل کی سہولت کے لئے سڑکیں اور پل تعمیر کئے جائیں تا کہ ریاستی عوام اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور سرکاری مالیہ اور ٹیکس آسانی سے ادا کر سکیں۔ ریاستی اسمبلی میں عوام کی طرف سے منتخب ہو کر جانے والے ممبروں میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اجلاس کے دوران چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے اور کچھ کہنے سے اس لئے گریز کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو حکومت ناراض ہو جائے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے ایسے تمام ممبروں میں جرأت پیدا کی اور ان کو بولنے کا حوصلہ دے کر یہ احساس دلایا کہ انہیں عوام نے منتخب کر کے بھیجا ہے تا کہ وہ اسمبلی میں عوام کے مفاد کی بات کر سکیں' اس میں حکومت نے ان پر کوئی احسان نہیں کیا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی کی انفرادی حیثیت اور شان ریاستی اسمبلی میں ہمیشہ قائم رہی۔ بہادر، دلیر اور زیرک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گرجدار آواز بھی رکھتے تھے اور اسمبلی میں حکومت کے خلاف پورے جوش و جذبے سے بولتے تھے۔ جب بھی اسمبلی کا اجلاس ہوا اور انہیں بولنے کا موقع ملا تو انہوں نے عوامی احساسات و جذبات کی بھرپور عکاسی کی اور حکمران طبقہ کو پوری دلیری سے جھنجھوڑا۔ 1947ء میں جب انہوں نے اپنے حلقہ سے سردار یار محمد خان کو کامیاب کرایا تو اپنے حلقہ یا عوام سے بے تعلق نہ ہوئے تھے بلکہ حسب سابق اپنے عوام کی خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ سردار یار محمد خان کو انہوں نے نہ صرف یہ کہ کامیاب کرایا بلکہ انہیں

ڈوگرہ حکومت اور اس کے اعلیٰ حکام کی ذہنیت اور عوام کے بارے میں رویہ سے بھی آگاہ کیا اور سردار یار محمد خان کو اس بات کی تاکید کی کہ وہ پوری جرأت سے اسمبلی میں عوامی مفاد کی بات کریں۔

ڈوگرہ فوج کی نقل وحرکت

ریاستی اسمبلی کے انتخابات کے فوراً بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے جب راولاکوٹ آنے کا پروگرام بنایا تو صوبیدار خان محمد خان نے اس کے استقبال کی زبردست تیاری شروع کر دی۔ انہوں نے تحصیل باغ اور سدھنوتی کے تمام سابق فوجیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ مقررہ تاریخ کو وردیاں پہن کر راولاکوٹ آئیں اور مہاراجہ کو سلامی دیں۔ تحصیل سدھنوتی اور باغ سے دوسری جنگ عظیم کے دوران بہت بھاری تعداد میں نوجوانوں نے شرکت کی تھی اور اب جنگ بند ہونے کی وجہ سے یہ سارے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے تھے۔ صوبیدار خان محمد خان کا نظریہ یہ تھا کہ چونکہ یہ علاقہ فوجیوں کا ہے جنہوں نے دوران جنگ برطانوی سردار کی مدد کی ہے۔ مہاراجہ ہری سنگھ جب راولاکوٹ آئے گا تو بہت سے باوردی نوجوانوں کو دیکھ کر خوش ہوگا اور وہ اس خوشی میں پونچھ کے عوامی مطالبات پورے کرے گا۔

مقررہ تاریخ کو راولاکوٹ کے مقام پر کم وبیش 50 ہزار باوردی نوجوان جمع ہوئے اور جب مہاراجہ راولاکوٹ پہنچا تو وہ اتنی بڑی تعداد میں باوردی نوجوانوں کو دیکھ کر بے حد خوفزدہ ہوا اور اس نے واپس جموں جا کر راولاکوٹ اور باغ کی طرف اپنی ڈوگرہ فوج بھیج دی۔ اس نے اپنے ڈوگرہ فوجی افسروں کو حکم دیا کہ تحصیل باغ اور سدھنوتی میں جس قدر سابق فوجی ہیں ان کے گھروں کی تلاشیاں لے کر ان سے تمام ہتھیار جمع کر لئے جائیں۔ مہاراجہ کو شبہ تھا کہ جب یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو آئے ہوں گے تو ضرور یہ اپنے اپنے یونٹوں سے ہتھیار بھی لے آئے

ہوں گے اگر ان سے ہتھیار نہ جمع کرائے گئے تو یہ اکٹھے ہو کر کسی بھی وقت بغاوت کر سکتے ہیں۔

چنانچہ مہاراجہ ہری سنگھ کے حکم کے مطابق جب تحصیل باغ اور سدھنوتی کے مرکزی مقامات کی طرف ڈوگرہ فوج آئی تو گویا یہاں کے لوگوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی کیونکہ فوج نے آتے ہی لوگوں کی خانہ تلاشیاں لینی شروع کر دیں اور لوگوں کا گھریلو سامان لوٹنا شروع کر دیا۔

ان واقعات کے پیش نظر سردار فتح محمد خان کریلوی نے ان تمام علاقوں کا دورہ کیا' جہاں جہاں فوج متعین کی گئی تھی ڈوگرہ فوج پہلے سدھنوتی اور باغ کے علاقہ میں آئی اور اس کے بعد کچھ یونٹ کوٹلی اور میرپور کی طرف بھی بھیجے گئے جہاں انہوں نے پہنچتے ہی بے گناہ لوگوں کو لوٹنا اور پریشان کرنا شروع کر دیا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے سدھنوتی اور باغ کا دورہ کرنے اور سارے حالات خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد وزیر پونچھ سے ملاقات کی۔ اس سے پوچھا کہ بلاوجہ اور بلاجواز لوگوں کو لٹوانے اور بے عزت کرنے کے لئے فوج کیوں تعینات کی گئی ہے تو اس نے اس معاملہ میں معذرت کی اور کہا کہ یہ اعلیٰ سطح کی بات ہے۔ کشمیر سرکار نے کوئی فیصلہ کیا ہے جس میں ہم سے کوئی رائے نہیں لی گئی اور صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ ان علاقوں میں بغاوت کا اندیشہ ہے۔

اس افسوسناک صورتحال کا جائزہ سردار محمد ابراہیم خان نے بھی لیا اور کریلوی صاحب کے ساتھ ملاقات کرنے کے بعد جب سردار محمد ابراہیم خان سرینگر پہنچے تو تمام مسلم کانفرنس عہدیداروں کا ایک اجلاس بلایا گیا جس میں سردار فتح محمد خان کریلوی پیش پیش تھے۔ اس اجلاس کی غرض و غایت یہ تھی کہ حالات پر غور کرنے کے بعد جماعتی طور پر کوئی قدم اٹھایا جائے۔

اس اجلاس میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے تجویز پیش کی کہ پہلے قائم مقام صدر مسلم کانفرنس کی حیثیت سے چودھری حمید اللہ خان راولاکوٹ کا دورہ کریں اور حالات خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ان کے واپس سرینگر آنے پر جماعت کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا جائے اور اس میں ڈوگرہ سرکار کی اس ظالمانہ کارروائی کے خلاف تحریک چلانے کا فیصلہ کیا جائے کیونکہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اس فیصلہ کے مطابق 22 جون 1947ء کو چودھری حمید اللہ خان راولاکوٹ پہنچے اور مولوی محمد اقبال خان کے گھر پوٹھی ماکولاں میں رات کو ایک خفیہ اجلاس منعقد ہوا' جس میں تحصیل باغ اور راولاکوٹ کے تمام سیاسی کارکنوں نے شمولیت کی۔ سید حسن شاہ گردیزی کے ہمراہ سردار محمد عبدالقیوم خان بھی اس اجلاس میں گئے اور غالباً کسی اہم سیاسی اجلاس میں ان کی یہ پہلی شرکت تھی۔

جب چودھری حمید اللہ خان اس اجلاس میں پہنچے تو تمام سیاسی رہنماؤں نے قرآن کریم پر حلف لے کر ڈوگرہ بربریت کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور چودھری حمید اللہ خان کو پورے تعاون کا یقین دلایا گیا۔ اس وقت تحصیل سدھنوتی اور باغ میں ڈوگرہ حکومت کے خلاف شدید نفرت کے جذبات ابھر چکے تھے کیونکہ ڈوگرہ فوج گاؤں گاؤں پھر کر بے گناہ لوگوں کے گھروں کی تلاشیاں لے رہی تھی اور انہوں نے لوگوں کی تمام فصل بھی برباد کر دی تھی۔

19 جولائی 1947ء کی قرارداد

چودھری حمید اللہ خان کے دورہ پونچھ کے بعد 19 جولائی 1947ء کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس سرینگر میں بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس وقت سردار محمد ابراہیم خان کے پونچھ میں داخلہ پر پابندی عائد ہو چکی تھی۔ وہ سرینگر میں وکالت کرتے تھے اور ان کی رہائشگاہ سرینگر

آبی گزر میں تھی اور یہ تاریخی اجلاس انہی کے گھر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا جس میں مجلس عاملہ کے تمام ممبر شامل ہوئے اور ممبران مجلس عاملہ کے علاوہ بھی تمام نمایاں مسلم کانفرنسی کارکنوں اور رہنماؤں نے شرکت کی، جس کی تعداد 200 کے لگ بھگ تھی۔

یہ تاثر دیا گیا کہ خدانخواستہ قائداعظم نے چودھری غلام عباس کو ریاست جموں وکشمیر کو خودمختار رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ (نوٹ) کریلوی صاحب نے اپنے انٹرویو میں اس حوالے سے خود تفصیلات بتائی تھیں جس میں انہوں نے ہدایت کی تھی کہ قائداعظم کی خواہش کے مطابق ریاست جموں وکشمیر کو خودمختار رکھنے کی قرارداد منظور کی جائے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس بات کی شدید مخالفت کی اور اجلاس میں اعتراض کیا کہ یہ پیغام جعلی ہے اور غلط طور پر چودھری غلام عباس سے منسوب کیا گیا ہے، جب تک اس کی تصدیق نہ ہو جائے کسی قسم کی قرارداد منظور نہ کی جائے کیونکہ یہ انتہائی اہم معاملہ ہے جس کا تعلق ہماری ریاست کے مستقبل سے ہے اور اس وقت کے غلط فیصلہ سے ہماری تاریخ کا دھارا ہی بدل جائے گا۔ اس وقت چودھری غلام عباس ریاسی جیل میں نظر بند تھے۔ ان سے تصدیق کا معاملہ نہایت کٹھن تھا چنانچہ سردار فتح محمد خان کریلوی اس مقصد کے لئے فوراً ریاسی پہنچے مگر جیل میں چودھری غلام عباس سے ملنا مشکل تھا کیونکہ حکومت نے ان سے ملنے پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔

جیسا کہ پہلے بھی متعدد بار ذکر آ چکا ہے کہ مسلم کانفرنس کو جب بھی کوئی مشکل مہم پیش آتی تھی تو اسے سر کرنے کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی کو ہی پکارا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا ذہن رسا عطا کیا تھا اور وہ اس قدر باتدبیر تھے کہ ہر مہم سر کر کے ہی آتے تھے، ناکام کبھی واپس نہیں لوٹے۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے انہوں نے جیل کی دیوار کے قریب چند لوگوں کو جمع

کر کے ان سے بلند آواز میں نعرے لگوائے اور خود بھی بلند آواز سے نعرے لگائے تا کہ چودھری صاحب ان کی آواز سن سکیں۔ جب جیل کے اندر چودھری غلام عباس نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی آواز سنی تو وہ روشن دان کے قریب آئے اور ادھر سردار فتح محمد خان کریلوی ایک بانس کے ذریعہ روشن دان تک چڑھے اور چودھری صاحب کو دیکھا۔ اندر سے چودھری صاحب نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے' آپ کیسے آئے ہیں تو کریلوی صاحب نے ان سے تفصیلی بات کی' جس کے جواب میں چودھری صاحب نے کہا کہ قائداعظم کبھی خواب میں بھی ایسی بات نہیں سوچ سکتے کہ کشمیر کو خودمختار رکھا جائے اور میں نے اس قسم کا کوئی پیغام نہیں بھیجا۔ چودھری حمیداللہ کو قائداعظم کے پاس بھیجو تاکہ وہ خود اس بات کی تصدیق کر لے۔

جب چودھری غلام عباس سے تصدیق لے کر سردار فتح محمد خان کریلوی واپس سرینگر پہنچے تو کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی تاریخی قرارداد پاس کی گئی۔ اس واقعہ کا ذکر انہوں نے اپنے ایک تفصیلی انٹرویو میں کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح ریاسی پہنچے اور چودھری غلام عباس سے ملاقات کے دوران کیا کیا باتیں ہوئیں۔

قرارداد کا ردعمل

19 جولائی 1947ء کی اس تاریخی قرارداد کے بعد پوری ریاست کی سیاسی فضا مکدر ہو چکی تھی اور دوسری طرف کانگریسی لیڈروں نے بھی مہاراجہ ہری سنگھ کو پھانسنے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ ریاستی مسلمانوں کے احساسات و جذبات سے آگاہ تھا مگر اس کے چاروں طرف جس تیزی سے سازشوں کا جال بچھایا جا رہا تھا اسے توڑنا اس کے بس میں نہ تھا۔ سرینگر کے اجلاس میں طے ہوا تھا کہ تمام جماعتی کارکن اور رہنما اپنے اپنے علاقہ میں حالات کو اعتدال پر رکھنے کی کوشش کریں گے۔ جب سردار فتح محمد خان کریلوی سرینگر سے

اپنے علاقہ میں پہنچے تو انہوں نے سردار یار محمد خان کو ہدایت کی کہ وہ جگہ جگہ دورے کر کے تمام مسلمانوں کو پرامن رہنے کی تاکید کریں تاکہ علاقہ میں کسی قسم کا فرقہ وارانہ تصادم نہ ہو۔ انہوں نے خود مہنڈر اور حویلی کے مرکزی مقامات پر جلسے کر کے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ بالکل پرامن رہیں اور کسی ہندو یا سکھ کی دل آزاری نہ کریں۔ ادھر سردار فتح محمد خان کریلوی حالات کو پرامن رکھنے کے لئے جگہ جگہ دورے کر رہے تھے اور ادھر ڈوگرہ حکومت نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ حکم دیا کہ ریاست پونچھ کے تمام مسلمانوں سے اسلحہ ضبط کر کے مقامی تھانوں میں جمع کیا جائے حالانکہ ریاستی مسلمانوں میں سے اِکا دُکا کسی کے پاس بارود والی بندوق تھی۔ اس سلسلے میں سردار فتح محمد خان کریلوی کی گرفتاری کا جو وارنٹ جاری کیا گیا تھا اس کا عکس آگے دستاویزی حصہ میں شامل ہے۔

اس حکم کے بعد ڈوگرہ فوج اور پولیس نے ملکر بلاوجہ لوگوں کی خانہ تلاشیاں شروع کر دیں اور اس سے لوگوں میں شدید خوف و ہراس پھیل گیا۔ تحصیل باغ کے تمام سیاسی کارکن گرفتار کر لئے گئے اور سدھنوتی میں بھی گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور باغ و سدھنوتی میں دفعہ 144 کے ذریعہ ہر طرح کے جلسے، جلوسوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اس افسوسناک صورتحال سے سردار فتح محمد خان کریلوی کے حلقہ مہنڈر اور حویلی میں بھی بے حد خوف و ہراس تھا۔ کریلوی صاحب نے اس طرف باغ اور سدھنوتی کے بچے کھچے سیاسی کارکنوں سے رابطہ رکھا اور دوسری طرف وہ سرینگر میں پروان چڑھنے والی صورتحال کا بھی جائزہ لیتے رہے۔ انہوں نے اپنے حلقہ میں جگہ جگہ پھر کر لوگوں کے حوصلے بلند کئے اور امن کمیٹیاں قائم کرائیں تاکہ ملک میں کسی قسم کی بدامنی نہ ہو سکے۔

14 اگست 1947ء کو جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو انہوں نے فوراً ہی لاہور اور

راولپنڈی کا دورہ کیا تا کہ وہاں کے تمام سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کر کے کشمیر کے بارے میں کوئی رائے لے سکیں لیکن اس وقت راولپنڈی اور لاہور میں افراتفری کا عالم تھا اور ادھر دلی میں ہندو مسلم فسادات بھی شروع ہو چکے تھے۔ انہوں نے راولپنڈی میں چند سرکردہ مسلم لیگی رہنماؤں سے ملاقات کی اور فوراً ہی واپس اپنے علاقہ میں چلے آئے اور جگہ جگہ دورے کر کے مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ کسی ہندو یا سکھ کے ساتھ زیادتی نہ کریں بلکہ علاقہ میں امن قائم رکھیں۔

قیام پاکستان کی خبر سن کر مہنڈر اور حویلی کے ہندو سکھ بے حد پریشان تھے اور ہندوستان میں ہونے والے قتل عام کی خبریں بھی اب اس علاقہ تک پہنچ چکی تھیں۔ کریلوی صاحب ہندوؤں اور سکھوں کے علاقوں میں گئے اور انہیں تسلی دی کہ آپ پُرامن اور بے فکر رہیں۔ میرے جیتے جی تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ انہوں نے اپنے گاؤں کریلہ مجہان میں ایک بڑا جلسہ کیا اور اس سارے علاقہ میں آباد ہندوؤں اور سکھوں کو پورا پورا تحفظ دینے کا وعدہ کیا۔

غازی کشمیر

گزشتہ صفحات میں ہم نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی قومی خدمات اور مجاہدانہ کارناموں کا ایک نہایت مختصر مگر جامع خاکہ 28-1927ء سے لے کر 1947ء تک تحریک آزادی کشمیر کے پس منظر میں پیش کیا ہے تا کہ قارئین ان کی قومی خدمات کے ساتھ ساتھ 1927ء سے لے کر 1947ء تک کے سیاسی نشیب و فراز اور وقت کی ہنگامہ خیزیوں سے بھی آگاہ ہوں اور سردار فتح محمد خان کریلوی کی گرانقدر خدمات کے سارے پہلو وقت کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ان کے ذہن میں رہیں۔

جس طرح سردار فتح محمد خان کریلوی نے 1927ء سے لے کر 1947ء تک نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ اپنے ملک اور قوم کے لئے بے لوث خدمات انجام دیں اور بالخصوص 1932ء سے لے کر 1947ء تک ہر بُرے وقت میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے استحکام اور اس کی شیرازہ بندی کے لئے بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی طرح انہوں نے 1947ء کی جنگ آزادی میں بھی بھرپور حصہ لے کر ''غازی کشمیر'' اور انزیری کیپٹن کا خطاب پایا اور ثابت کر دیا کہ وہ ایک بلند پایہ سیاستدان ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد بھی ہیں۔ اس سے قبل کہ ہم ان کی 1947ء کی گرانقدر خدمات کا خاکہ مرتب کریں' مناسب ہوگا کہ ان حالات کا بھی مختصراً ذکر کریں جن میں کہ جہاد ناگزیر ہو گیا تھا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ 19 جولائی 1947ء کی قرارداد الحاق پاکستان کے فوراً بعد کشمیر کے حالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔ سرینگر میں جماعتی طور پر یہ فیصلہ ہوا تھا کہ تمام مسلم کانفرنسی کارکن اور رہنما اپنے اپنے علاقوں میں حالات کو اعتدال پر رکھنے کی کوشش کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ جب تحصیل باغ اور سدھنوتی کے سیاسی رہنما واپس اپنے اپنے علاقوں میں آئے تو انہوں نے یہاں کے خوفزدہ اور ہراساں مسلمانوں کو پرامن رہنے کی تلقین کی مگر ڈوگرہ حکومت اور حکام کا طرز عمل خطرناک تھا۔ پولیس اور ڈوگرہ فوج نے جگہ جگہ پھر کر لوگوں کے گھروں کی تلاشیاں لینی شروع کر دیں تھیں۔ انہیں حکم ملا تھا کہ لوگوں سے اسلحہ ضبط کر کے مقامی تھانوں میں جمع کراؤ لیکن انہوں نے اسلحہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کا گھریلو سامان بھی لوٹنا شروع کر دیا تھا۔

اس افسوسناک اور افراتفری کی فضا میں سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے علاقہ مہنڈر اور حویلی کے دورے کر کے لوگوں کی ڈھارس بندھواتے تھے اور وزیر پونچھ دیوان بھیم سین کو اس قسم

کا رویہ اختیار کرنے پر منع کرتے تھے لیکن وہ معذرت کرتے ہوئے کہتا تھا کہ یہ سب کچھ کشمیر سرکار کے حکم سے ہو رہا ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں تمام سیاسی کارکنوں پر کڑی نظر رکھوں۔ راولاکوٹ میں سردار محمد شریف خان' سردار لطیف خان' سردار علی محمد خان' سردار محمد خان' مولوی اقبال خان اور سردار مختار خان لوگوں کے حوصلے بلند کر رہے تھے لیکن وزیر پونچھ ہر دوسرے تیسرے روز ان کو پونچھ شہر طلب کر کے ان کو دھمکیاں دیتا تھا۔ باغ میں سید حسن شاہ گردیزی صدر تحصیل مسلم کانفرنس' سید خادم حسین شاہ سیکرٹری تحصیل مسلم کانفرنس' سردار محمد اکرم خان اور سردار گل احمد خان لوگوں کو حوصلہ تسلی دیتے تھے مگر جس جارحانہ طریقہ سے فوج اور ڈوگرہ پولیس نے لوگوں کا مال متاع اور غلہ لوٹنا شروع کر دیا تھا اس سے لوگوں میں روز بروز بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ راولاکوٹ اور باغ کے سیاسی رہنماؤں نے چودھری حمید اللہ خان کے دورہ راولاکوٹ کے دوران ڈوگرہ فوج کی زیادتیوں کے خلاف جہاد کا پروگرام بنایا تھا اور اسی نقطہ نظر سے وہ سابق فوجیوں کو منظم کر رہے تھے' جب حالات زیادہ خراب ہونے لگے تو باغ اور سدھنوتی کے تمام سیاسی رہنماؤں نے راولاکوٹ کے ایک قریبی گاؤں ترنوئی کے جنگل میں خفیہ اجلاس بلایا جس میں بڑی تعداد میں سابق فوجی شامل ہوئے اور ملک کے اندر پھیلی ہوئی اس بے چینی کے پیش نظر ایک کمیٹی آف ایکشن قائم کی گئی لیکن جب کسی مخبر نے وزیر پونچھ کو اس اجلاس کی اطلاع دی تو اس نے تحصیل باغ اور سدھنوتی کے تمام سیاسی کارکنوں کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے اور اس طرح سارے سیاسی کارکن گرفتار ہو گئے' البتہ خادم حسین شاہ روپوش ہو گئے اور انہوں نے راولاکوٹ کے فوجی افسروں سے رابطہ رکھا تا کہ جہاد کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ سیاسی کارکنوں کی گرفتاریوں کے فوراً بعد راولاکوٹ اور باغ

میں دفعہ 144 نافذ کر دیا گیا مگر 11 اگست 1947ء کو راولاکوٹ کے مقام پر بچے کھچے سیاسی کارکنوں نے ایک زبردست جلسہ منعقد کر کے دفعہ 144 کی دھجیاں اڑا دیں اور اس طرح انہیں بھی گرفتار کر کے شہر پونچھ پہنچایا گیا۔

14 اگست

14 اگست 1947ء کو جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو یہاں کے حالات اور زیادہ بگڑنا شروع ہو گئے کیونکہ مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاستی سرحد کی حفاظت کے لئے اور ڈوگرہ فوج بھیج دی جس نے آتے ہی مظفر آباد سے لے کر میر پور تک دریا کے کنارے کنارے سرحدی چوکیاں قائم کر لیں اور اب ان تمام علاقوں پر ایک مصیبت نازل ہو گئی کیونکہ ڈوگرہ سپاہیوں نے ان ساحلی علاقوں کے لوگوں پر زیادتیاں شروع کر دیں۔

اس دوران سوہاوہ شریف غربی باغ کے پیر صاحبان سید شمشاد حسین شاہ' سید صادق حسین شاہ اور مولوی مظفر حسین شاہ ندوی نے پروگرام بنایا کہ باغ کے مقام پر ایک بڑا جلسہ منعقد کر کے پوسٹ آفس پر پاکستانی پرچم لہرایا جائے اور اس کو سلامی دی جائے کیونکہ پاکستان کے قیام کا اعلان ہوتے ہی مہاراجہ ہری سنگھ نے تجارتی سامان' پٹرول اور ڈاک وتار کے لئے پاکستان کے ساتھ معاہدہ سا کن کر لیا تھا اور اس لحاظ سے کشمیر کے تمام ڈاک خانے پاکستان کے ماتحت تھے۔ 23 اگست 1947ء کو سوہاوہ شریف غربی باغ کے پیر صاحبان ایک جتھہ لے کر نیلا بٹ غربی پہنچے اور یہاں قرب وجوار کے لوگ بڑی تعداد میں جمع ہوئے جس میں سردار محمد عبدالقیوم خان بھی تھے۔

جب یہاں جلسہ منعقد ہوا تو پیر سید صادق حسین شاہ' پیر سید شمشاد حسین شاہ اور مولوی سید مظفر حسین شاہ ندوی کے علاوہ سردار محمد عبدالقیوم خان نے بھی جلسہ سے خطاب کیا اور نہایت

پرزور تقاریر کیں۔ یہاں طے پایا کہ اس جلسہ کے تمام لوگ ایک جلوس کی صورت میں باغ روانہ ہوں اور راستے میں بھی لوگوں کو جلوس میں شامل کیا جائے۔ یہاں سے پیر سید علی اصغر شاہ کو شرقی باغ پیغام بھیجا گیا کہ 25 اگست کو وہ اپنے علاقہ کے لوگوں کا ایک بڑا جلوس لے کر باغ آئیں تاکہ پاکستانی پرچم کو سلامی دی جائے۔ تاریخ مقررہ پر جب جلوس باغ پہنچا تو ڈوگرہ حکام نے جلوس کے باغ کی حدود میں داخل ہونے پر پابندی لگا دی۔ باغ کے قریب ہڈاباڑی میں لوگ جمع ہوئے اور جب جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی تو ڈوگرہ فوج نے نہتے لوگوں پر گولیوں کی بارش برسانا شروع کر دی جس سے سینکڑوں لوگ زخمی ہوئے اور پانچ آدمی موقع پر شہید ہو گئے۔

اس افسوسناک واقعہ کے بعد جلسہ منتشر ہو گیا اور جلسہ کے منتظمین ہلڑسیداں سید خادم حسین شاہ کے پاس چلے گئے تاکہ وہاں اکٹھے بیٹھ کر آئندہ کے لئے کوئی پروگرام مرتب کر سکیں۔ یہاں طے پایا کہ سید خادم حسین شاہ راتوں کو گاؤں گاؤں پھر کر سابق فوجیوں کو متحد کریں اور لوگوں کے حوصلے بلند رکھیں اور دیگر حضرات علاقہ سے نکل کر راولپنڈی چلے جائیں تاکہ وہاں سے کسی طرح چند پٹھانی بندوقیں حاصل کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والی بات تھی کیونکہ راولپنڈی میں ان لیڈروں کا کسی سے کوئی رابطہ نہ تھا اور نہ ہی کسی طرح سے ہتھیار ملنے کی کوئی توقع تھی۔ سید خادم حسین شاہ نے راتوں کو گاؤں گاؤں پھر کر سابقہ فوجیوں کے ساتھ رابطہ مہم شروع کی لیکن جب ڈوگرہ حکام کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے سید خادم حسین شاہ کو گرفتار کر کے 6 ستمبر 1947ء کو شہید کر دیا اور اس کے بعد ڈوگرہ فوج نے باغ کے علاقہ میں وسیع پیمانے پر آتش زنی کی۔ اس وقت سری نگر میں بڑی تیزی کے ساتھ سازشوں کے جال بچھائے جا رہے تھے اور تمام کانگریسی لیڈروں کی نظریں مہاراجہ ہری سنگھ پر لگی ہوئی تھیں۔

سردار محمد ابراہیم خان سری نگر میں وکالت کرتے تھے اور ڈوگرہ حکام نے انہیں میونسپل حدود میں

نظر بند کر دیا تھا مگر سردار صاحب راجہ عبدالحمید خان آف مظفر آباد کی وساطت سے نہایت حکمت عملی سے سری نگر سے نکل کر پہلے ایبٹ آباد آئے اور پھر راولپنڈی چلے گئے۔

جہاد کی تیاری

قیام پاکستان کے فوراً بعد سارے ملک میں افراتفری اور بربادی کا عالم تھا۔ ہندوستان سے لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین کے لٹے پٹے قافلے پاکستان کی طرف آ رہے تھے اور یہاں سے ہندو اور سکھ ہندوستان کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ان حالات میں پاکستان کے حکام اعلیٰ اور ذمہ دار مسلم لیگی لیڈروں کو تن بدن کا ہوش نہ تھا لیکن حضرت قائداعظم کشمیر کے معاملہ میں بے خبر نہ تھے اور وہ جانتے تھے کہ کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے اگر کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہو گیا تو پاکستان معاشی اور زرعی طور پر تباہ ہو جائے گا اور دفاعی طور پر پاکستان بھارت کے گھیرے میں آ جائے گا۔

ان سارے پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت قائداعظم نے وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان کو ہدایت کی کہ وہ کشمیر کے معاملہ میں کچھ کریں۔ قائداعظم کی ہدایت کے پیش نظر لیاقت علی خان نے کشمیر کے اندرونی حالات کا جائزہ لینے کے لئے خفیہ طور پر میاں افتخار الدین کی سربراہی میں ایک ٹیم سری نگر بھیجی مگر ان کو کوئی کامیابی نہ ہوئی' البتہ انہوں نے بڑی حکمت عملی سے میرواعظ کشمیر مولوی یوسف شاہ کو سری نگر سے نکال کر راولپنڈی پہنچایا۔

میاں افتخار الدین کے بعد خفیہ طور پر حالات کا جائزہ لینے کے لئے ڈاکٹر تاثیر سری نگر گئے لیکن انہیں بھی کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ ان کے واپس آنے کے بعد وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان نے لاہور میں ایک خفیہ میٹنگ بلائی تا کہ کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے کوئی منصوبہ بنایا جائے کیونکہ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے چاروں طرف کانگریسی لیڈروں کا

حلقہ مضبوط ہے اور وہ اس سے ہر قیمت پر کشمیر کا الحاق ہندوستان سے کرائیں گے اور ایسی صورت میں پاکستان کی تمام سرحدیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔

ان حالات کے پیش نظر لاہور کی خفیہ میٹنگ میں خان عبدالقیوم خان' نواب ممدوٹ' ممتاز دولتانہ' میاں افتخار الدین' سردار شوکت حیات' سردار اورنگزیب' راجہ غضنفر علی خان اور جنرل محمد اکبر وغیرہ بھی موجود تھے۔ قبائلیوں کے جتھوں' رضا کاروں سے کام لیا جائے اور قبائلی جتھوں کی کمان خورشید انور کو سونپی جائے' جو ان دنوں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا سالار تھا اور نواب صدیق علی خان کے ساتھ راہ رسم کے سبب وزیر اعظم پاکستان کے ساتھ بھی اس کا تعارف تھا بلکہ نواب صدیق علی خان اور چودھری محمد علی نے لیاقت علی خان کو مشورہ دیا کہ قبائلی ایکشن کے لئے خورشید انور سے زیادہ موزوں کوئی آدمی نہیں کیونکہ یہ کشمیر کے اندرونی حالات سے واقف ہے اور وادی کشمیر میں پہنچ کر یہ بہتر طریقے سے قبائلیوں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ کشمیر کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور بھارتی افواج کے ریاست میں داخلہ کے بعد حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے کمانڈر انچیف جنرل گریسی کو کشمیر میں پاکستان افواج بھیجنے کا حکم دیا جس پر جنرل گریسی نے یہ کہہ کر عملدر آمد نہ کیا وہ مشترکہ سپریم کمانڈر جنرل آکن لیک کے حکم کا پابند ہے۔ قائداعظم کو اس بات کا اس قدر دکھ ہوا کہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور ان کی رحلت کی ایک وجہ یہ افسوسناک واقعہ بھی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر طے پایا کہ اس سے قبل حضرت قائداعظم نے مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک خط لکھا جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ حضرت قائداعظم تبدیلی آب وہوا کے لئے سری نگر آنا چاہتے ہیں مگر مہاراجہ ہری سنگھ نے اس کے جواب میں صرف اتنا لکھا کہ وہ ایک پڑوسی ملک کے گورنر جنرل کے شایان شان انتظامات نہیں کر سکتا' اس لئے حضرت قائداعظم حالات کا جائزہ لینے کے لئے خود سری نگر نہ جا سکے۔ انہیں بدلتے ہوئے حالات کے

پیش نظر کشمیر کی بے حد فکر تھی۔ انہوں نے خفیہ طور پر اپنے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر کے ایچ خورشید کو سری نگر بھیجا تا کہ وہ اندرون خانہ ہونے والی کارروائیوں کا کچھ سراغ لگا سکیں۔ جب اس طرح بھی صورت حال کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا تو انہوں نے وزیراعظم لیاقت علی خان کو پھر شدت سے ہدایت کی کہ وہ کشمیر کے بارے میں کوئی سنجیدہ اقدام کریں۔

ادھر سری نگر میں مہاراجہ ہری سنگھ گومگو کی پالیسی پر گامزن تھا اس کے ماتحت والیان ریاست ہنزہ، چترال، نگر، پونیال اور نگر وغیرہ نے بھی اس کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر وہ قوت فیصلہ سے عاری تھا اس نے پاکستان کے ساتھ ساکن معاہدہ کر لیا تھا۔ اس معاہدہ کے مطابق ریاستی سپلائی جاری تھی لیکن اس نے ریاستی سرحد کی حفاظت کے لئے جو فوج بھیجی تھی یہ کوہالہ اور برارکوٹ میں مخل ہو رہی تھی اس وجہ سے ٹرک ڈرائیوروں نے سامان سری نگر لے جانا بند کر دیا اور اس طرح سری نگر میں پٹرول اور اشیائے خوردنی نایاب ہو گئیں۔ مہاراجہ نے اس کا الزام پاکستان پر لگایا کہ پاکستان نے جان بوجھ کر یہ بحران پیدا کیا ہے اور اس طرح ایک لحاظ سے مہاراجہ ہری سنگھ پاکستان سے بدظن ہو گیا اور ان حالات میں کانگریسی لیڈروں کو اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کا مزید موقع مل گیا۔

شیخ عبداللہ کو یٹ کشمیر تحریک کی پاداش میں بھدرواہ جیل میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ کانگریسی لیڈروں اور شیام سندر لال در کی سفارش پر مہاراجہ نے اسے 29 ستمبر 1947ء کو رہا کیا گیا مگر اس نے رہائش کے بعد عجیب و غریب پالیسی اختیار کر لی۔ اس نے ایک طرف اپنی تقریروں میں حضرت قائداعظم پر یہ کہہ کر تنقید شروع کر دی کہ انہوں نے کویٹ کشمیر تحریک کی مخالفت کی تھی اور دوسری طرف جی ایم صادق اور بخشی غلام محمد بھی شامل تھا کو لاہور بھیجا تا کہ وہ مسلم لیگی رہنماؤں سے مل کر حضرت قائداعظم کے ساتھ شیخ عبداللہ کی ملاقات کا وقت مقرر

کریں۔ ادھر جی ایم صادق ابھی لاہور میں ہی تھا کہ شیخ عبداللہ مرزا، افضل بیگ اور غلام محی الدین قرہ کو ساتھ لے کر 20 اکتوبر 1947ء کو پنڈت نہرو سے ملنے دہلی چلا گیا۔ لاہور میں جب ایم صادق کو پتہ چلا کہ شیخ عبداللہ دہلی چلا گیا ہے تو وہ بھی دہلی جانے کی تیاری کرنے لگا۔ وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے جی ایم صادق کو شیخ عبداللہ کے لئے ایک خفیہ خط دیا تھا جس میں شیخ عبداللہ سے کہا گیا تھا کہ وہ ریاست کے الحاق کے لئے کانگریسی لیڈروں سے کوئی وعدہ نہ کرے، پاکستان ریاست کے بہتر مفاد کے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات دے گا اور ریاستی مسلمانوں کا مفاد بھی اسی میں ہے کہ ریاست کا الحاق پاکستان سے ہو جب جی ایم صادق دہلی پہنچا تو اس نے وزیراعظم پاکستان کا خفیہ خط شیخ عبداللہ کو دیا مگر شیخ عبداللہ نے وہ خط پنڈت نہرو کو تھما دیا اور یہی وہ واقعہ تھا جس کے بعد پنڈت نہرو نے پوری سرگرمی سے کشمیر پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔ سری نگر میں پاکستان کی کوئی لابی نہ تھی۔ شیخ عبداللہ کے دہلی چلے جانے کے بعد پاکستانی حکام اور سیاسی رہنما شیخ عبداللہ سے مکمل طور پر مایوس اور بدظن ہو گئے اور اب ان کے پاس ماسوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ قبائلی لشکروں کے ذریعے سری نگر پر قبضہ کریں اور مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاستی سرحد پر فوج متعین کر رکھی ہے۔ پونچھ کے سابق فوجیوں اور قبائلیوں کے ذریعے اس ساری فوج کا صفایا کیا جائے۔ اس منصوبہ کو فوراً روبہ عمل لانے کے لئے لاہور کے مقام پر پاکستان کے اعلیٰ سول حکام اور مسلم لیگی لیڈروں نے دوسری میٹنگ بلائی کیونکہ اب سری نگر کی صورتحال تیزی سے بدل رہی تھی اور یہ بات لازمی ہو گئی تھی کہ ریاست کو بھارت کے چنگل سے بچانے کے لئے سنجیدہ اقدام کیا جائے کیونکہ ادھر مہاراجہ ہری سنگھ کو پھانسنے کے لئے پنڈت نہرو نے وی پی مینن کو سری نگر بھیجا جس نے سری نگر پہنچتے ہی وزیراعظم کشمیر مہر چند مہاجن کو بھی اپنا حامی بنا لیا تھا اور یہ دونوں مہاراجہ ہری سنگھ کو بھارت کے

ساتھ الحاق کے لئے ہموار کر رہے تھے۔

لاہور میں جو میٹنگ بلائی گئی تھی اس میں جنرل اکبر بھی شریک تھے۔ انہوں نے اس روز کے سارے واقعات بڑی تفصیل سے اپنی کتاب ''کشمیر کے حملہ آور'' میں بیان کئے ہیں۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبائلی مجاہدوں کو سیالکوٹ کے راستے جموں میں داخل کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا تاکہ پہلے جموں پر قبضہ کر کے کشمیر کا دروازہ بند کیا جائے مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر یہ منصوبہ ترک کر دیا گیا حالانکہ جنرل اکبر اس پر زور دیتے رہے۔ بالآخر طے ہوا کہ چودھری حمید اللہ کے ذریعہ جموں کے مسلم کانفرنسی کارکنوں اور عام تربیت یافتہ رضا کاروں کے لئے پانچ سو پٹھانی بندوقیں بھیجی جائیں تاکہ وہ جموں میں مسلمانوں کی حفاظت کر سکیں اور قبائلی لشکریوں کو مظفر آباد کے راستے سری نگر بھیجا جائے۔

جہاد کی تیاری

اس وقت پونچھ کے تمام سابق فوجی افسر اور سیاسی کارکن راولپنڈی میں جمع تھے اور وہ اپنے طور بھی پٹھانی بندوقوں کے حصول کے لئے جدوجہد میں مصروف تھے۔ منصوبے کو آخری شکل دینے کے لئے کوہ مری میں ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں پاکستان کے ساتھ ملنے والی سرحد پر جہاد شروع کرنے کے لئے علاقہ کو سیکٹروں میں تقسیم کیا گیا اور جہاد کی نگرانی کے لئے ایک وار کونسل قائم کی گئی۔ سیکٹر نمبر ایک میں مظفر آباد سے لیکر گلگت تک کا علاقہ رکھا گیا۔ سیکٹر نمبر دو کو تین سب سیکٹروں میں تقسیم کیا گیا۔

1- باغ سب سیکٹر 2- راولاکوٹ سب سیکٹر 3 پلندری سب سیکٹر

سیکٹر باغ کی ذمہ داری پیر سید علی اصغر شاہ کو سونپی گئی اور انہوں نے سردار عبدالقیوم خان کو سالار جہاد مقرر کیا۔ سیکٹر راولاکوٹ کے کمانڈر کیپٹن حسین خان مقرر ہوئے جن کے

ماتحت کرنل رحمت اللہ خان، کیپٹن بوستان خان آف نڑ، کیپٹن بوستان خان آف رہاڑہ، غازی اللہ دتہ خان، کرنل حسین خان آف گوراہ اور کئی دیگر فوجی افسر تھے۔ سیکٹر پلندری کی کمان صوبیدار خان محمد خان سابق ممبر اسمبلی کو دی گئی اور میجر فروز دین خان و میجر چنوں خان کو ان کے ماتحت رکھا گیا۔ میر پور کی طرف کرنل خان محمد خان عرف خان آف منگ چلے گئے۔ کوٹلی کی کمان کرنل راجہ محمود صاحب کو دی گئی اور راجہ سخی دلیر کو ان کے ماتحت رکھا گیا۔

اس تقریب کے مطابق ہر سیکٹر کے لئے اٹک کے قلعہ سے پرانی پٹھانی بندوقیں راولپنڈی پہنچائی گئیں اور راولپنڈی باغ سرداراں میں جہاد آزادی کا ایک مرکز قائم کیا گیا جس کی نگرانی (محمد زمان کیانی) کو سونپی گئی اور راجہ حبیب الرحمان کو بھی ان کے ماتحت رکھا گیا جن کا تعلق آئی این اے سے تھا۔

جن جن قبائلی سرداروں اور خانوں سے قبائلی رضا کار مہیا کرنے کا وعدہ ہوا تھا انہوں نے اپنے اپنے علاقوں سے رضا کار بھیجنے شروع کر دیئے تھے۔ انہیں میجر خورشید انور کی کمان میں متحد کیا جا رہا تھا اور یہ کام بڑی تیزی سے ہو رہا تھا۔

یکم اکتوبر **1947**ء کو بلیاں کے قریب سے دریائے جہلم عبور کر کے **40** مجاہدین سمیت سردار محمد عبدالقیوم خان علاقہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے نیلہ بٹ کے دامن میں اپنا مرکز قائم کر لیا۔ **4** اکتوبر کو منگ کے قریب غازی اللہ دتہ نے ہندو مجسٹریٹ جگت رام کو گولی مار دی۔ اس وقت راجہ سخی دلیر اپنے ساتھی مجاہدوں سمیت بھاتیاہ کا پل عبور کر کے آگے بڑھ چکے تھے۔

5 اکتوبر **1947**ء کو کیپٹن بوستان خان نے تھوراڑ کے مقام پر ڈوگراں کو محاصرے میں لے لیا اور ادھر سردار عبدالقیوم خان کے ساتھیوں میں سے راجہ محمد صدیق خان (بعد میں کرنل

ریٹائرڈ) نے دیرکوٹ کے تھانہ کو نذر آتش کر دیا۔ 21 اور 22 اکتوبر کی درمیانی رات کو قبائلیوں کا ایک بڑا قافلہ براستہ برارکوٹ مظفرآباد پہنچا اور انہوں نے چند گھنٹوں میں مظفرآباد میں مقیم ڈوگرہ فوجوں کا صفایا کر کے آگے بڑھنے کے لئے بگل بجا دیا اور ان کے ساتھ ساتھ بڑی کثرت سے قبائلی جتھے کوہالہ اور اور بھاتیاہ کی طرف سے علاقہ میں آنا شروع ہو گئے۔ میرپور میں خان آف منگ نے ڈوگرہ فوج کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔

قبائلیوں کا جو لشکر راولپنڈی سے براستہ ایبٹ آباد؍ برارکوٹ مظفرآباد کی طرف روانہ ہوا تھا یہ بہت تیز رفتاری سے بارہ مولا پہنچا اور انہوں نے مہورہ بجلی گھر کی نہر کاٹ کر سارے سرینگر کی بجلی بند کر دی کہتے ہیں کہ اس وقت مہاراجہ ہری سنگھ دربار لگائے بیٹھا تھا۔ اس وقت مہاراجہ کے تمام وزیر، مشیر جاگیردار اور والیان ریاست بھی موجود تھے اور مہاراجہ کا سرکاری پروہت کہہ رہا تھا ''مہاراج میں آپ کا جھنڈا لاہور قلعہ پر لہراتا ہوا دیکھ رہا ہوں'' جونہی اس کے منہ سے یہ فقرے ادا ہوئے بجلی بند ہو گئی اور جب مہاراجہ کو پتہ چلا کہ قبائلی لشکر بارہ مولا پہنچ گیا ہے تو وہ راج محل کا سامان سمیٹ کر 25 اکتوبر 1947ء کو اپنے خاندان سمیت جموں کی طرف بھاگ گیا وہ بالکل اسی راستے گیا جس راستے 1847 کو اس کا پردادا گلاب سنگھ سرینگر میں داخل ہوا تھا۔

قبائلی لشکر لے کر جب خورشید انور بارہ مولا پہنچا تو اس نے پیش قدمی روک دی اور قبائلیوں سے کہا کہ کوئی شخص لوٹ مار نہ کرے۔ ہم سرینگر میں داخل ہو کر مہاراجہ کا محل لوٹیں گے جس میں کروڑوں روپے کا سامان ہے۔ اس بات کا ذکر رشید تاثیر نے اپنی کتاب ''تاریخ حریت کشمیر'' میں کیا ہے کہ خورشید انور کشمیر کا حکمران بننا چاہتا تھا اور اس سلسلہ میں وہ راولپنڈی سے ہیڈ بل بھی چھپوا کر لے گیا تھا جو اس نے بارہ مولا پہنچ کر تقسیم کرائے اور سرینگر بھی بھیجے جن

میں کہا گیا تھا کہ میں کشمیر کا حکمران ہوں اور ہر آدمی میرے حکم کی تعمیل کرے لیکن ادھر جب 24 اکتوبر کو سردار محمد ابراہیم خان کو آزاد کشمیر کا صدر بنایا گیا اور اس کا اعلان ریڈیو سے ہوا تو خورشید انور ناراض ہو کر واپس آ گیا۔ اس نے کہا کشمیر میں فتح کر رہا ہوں اور حکمران سردار ابراہیم خان کو بنایا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے پاؤں میں خود گولی مار کر اپنے آپ کو زخمی ظاہر کیا اور بارہ مولا سے ہی واپس ہو گیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کا قافلہ جب جموں پہنچا تو وہاں ایک کھلبلی مچ گئی۔ رانی تارا دیوی نے سربازار اپنے بال نوچ کر ڈوگوں کو غیرت دلائی کہ ہمارا تاج و تخت لٹ گیا اور تم یہاں آرام سے بیٹھے ہو۔ رانی کے اس طرز عمل سے جموں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے جموں پہنچ کر وی پی مینن کے ذریعے بھارتی حکومت سے فوراً امداد کی اپیل کی کہ میری ریاست میں قبائلی جتھے گھس آئے ہیں۔ بھارتی حکومت نے جواب دیا کہ جب تک تم باقاعدہ الحاق کی دستاویز پر دستخط نہ کرو امداد خلاف قانون ہے۔ بھارتی حکومت نے کشمیر کے معاملے پر ایک ڈیفنس کمیٹی قائم کر رکھی تھی۔ وی پی مینن نے فوری طور پر مہاراجہ ہری سنگھ سے الحاق کی دستاویز پر دستخط لیے اور کہا جاتا ہے کہ اسحاق کی کوئی دستاویز ہی نہیں تھی اس کا اعتراف امریکن پروفیسر لیمب نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ یہ دستاویز ڈیفنس کمیٹی میں پیش ہو کر منظور ہوئی تو ہوائی جہازوں کے ذریعے سرینگر کے ہوائی اڈے پر بھارتی فوج اترنی شروع ہو گئی اور اس وقت قبائلیوں کا کمانڈر میجر خورشید انور ابھی بارہ مولا میں ہی تھا اور قبائلی لشکر گومگو کی حالت میں تھے۔ جنرل اکبر کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ وہ قبائلی لشکریوں کے پیچھے ان کی فتوحات کا جائزہ لیتا ہوا سرینگر تک جائے گا۔ جب وہ بارہ مولا پہنچا تو بھارتی فوج کے دستے جو پہلی مرتبہ سرینگر کے ہوائی اڈا پر اترے تھے بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے اور

قبائلی جس رفتار سے بارہ مولا پہنچے تھے اسی رفتار سے واپس ہو رہے تھے۔ وہاں صرف چند قبائلی موجود تھے جن کی مدد سے جنرل اکبر نے ایک پل توڑ کر بھارتی فوج کی پیش قدمی روکی اور پھر مقامی رضاکاروں کے ذریعے وہاں دشمن کو یہ تاثر دیا کہ اس طرف قبائلیوں کے لشکر بھارتی فوج کو گھیرے میں لینے کے لئے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

سردار فتح محمد کریلوی میدان جہاد میں

19 جولائی 1947ء سے لے کر 25 اکتوبر 1947ء تک کے حالات وواقعات کا جو ملخص ہم نے پیش کیا ہے اس سارے عرصے میں سردار فتح محمد خان کریلوی ملک کی بدلتی ہوئی صورتحال سے بے خبر نہیں رہے بلکہ وہ لحہ بہ لحہ حالات کا جائزہ لیتے رہے اور اس دوران انہوں نے راولپنڈی کی ان اہم میٹنگوں میں بھی شرکت کی جن میں جہاد آزادی کے لئے غور فکر ہو رہا تھا۔ وہ راولپنڈی میں ان تمام مسلم لیگی رہنماؤں سے بھی مل کر ملکی حالات کے بارے میں مشورے کرتے رہے جن سے ان کے مراسم تھے۔

جہاد آزادی کشمیر کے لئے جب "وار کونسل" قائم کی گئی اور ایم زیڈ کیانی و بریگیڈئر راجہ حبیب الرحمان نے سردار فتح خان کریلوی کو مہنڈر اور حویلی کے علاقہ میں منتظم مقرر کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس سارے علاقہ میں سابق فوجیوں کو منظم ومتحد کر کے تیار کریں کیونکہ ان اطراف میں پھیلی ہوئی ڈوگرہ فوج کا صفایا کرنے کا پروگرام بن چکا ہے۔

اس وقت سردار فتح محمد خان کریلوی کے علاقہ مہنڈر اور حویلی میں بھی جگہ جگہ خوف و ہراس اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی' بالخصوص جب مہاراجہ ہری سنگھ نے دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ مظفر آباد سے لے کر میرپور تک ڈوگرہ فوج متعین کی اور ان فوجیوں نے قرب وجوار کے لوگوں کو بلاوجہ پریشان کرنا شروع کر دیا تو لوگوں کے دلوں میں ڈوگرہ فوج کے خلاف نفرت پیدا

ہو گئی اور لوگوں کے دلوں میں ان سے انتقام لینے کے لئے جذبات کروٹیں لینے گے۔ ان حالات میں جب سردار فتح محمد خان کریلوی نے نہایت خفیہ طور پر سابق فوجیوں اور سول نوجوانوں کو جہاد کے پروگرام سے آگاہ کیا تو وہ فوراً ہی متحد ہو گئے اور ادھر جب بیک وقت سارے محاذوں پر ڈوگرہ فوج کے خلاف جہاد شروع ہوا تو سردار فتح محمد خان کریلوی نے اولین کوشش یہ کی کہ ان کے علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بلا وجہ کسی قسم کی زیادتی نہ ہو انہوں نے گاؤں گاؤں پھر کر مسلمانوں کو ہدایت کی کہ اس علاقہ میں ہندو اور سکھ اقلیت میں ہیں۔ یہ بے گناہ لوگ ہیں ہماری جنگ مہاراجہ کشمیر کی فوج سے ہے جس نے جگہ جگہ مسلمانوں کے مکانات جلائے اور اوران کو لوٹا۔ آپ لوگ اپنے اپنے علاقہ میں ہندوؤں اور سکھوں کو کی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیں بلکہ انسانی ہمدردی کے تحت ان سے بھائی چارہ برقرار رکھیں۔

اس دوران پلندری سے ان کے دوست اور پرانے ساتھی صوبیدار خان محمد خان سابق ممبر اسمبلی نے ان کے نام ایک خفیہ خط لکھا جس میں ان سے استدعا کی گئی کہ وہ کسی طرح اپنے علاقہ سے ہندوؤں اور سکھوں کو بحفاظت شہر پونچھ پہنچا دیں تاکہ ان کی وجہ سے علاقہ میں کسی قسم کی بدامنی نہ ہو، اس سے آپ کو سہولت ہو گی اور آپ بہت سے خطرات سے بچ جائیں گے۔ اس وقت سردار فتح محمد خان کریلوی کے علاقہ تھکیالہ پڑاوہ میں برطانوی فوج سے ریٹائر ہو کر آئے ہوئے تربیت یافتہ نوجوانوں کی تعداد سات سو کے لگ بھگ تھی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی ان سب تک جہاد کا پیغام پہنچا چکے تھے۔ جب انہیں پلندری سے صوبیدار خان محمد خان کا خط ملا تو انہوں نے اپنے علاقہ کے تمام سابق فوجیوں کو اپنے گھر بلایا اور ان سے کہا ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم اس علاقہ کے تمام غیر مسلموں کو اکٹھا کر کے شہر پونچھ بھیج دیں تاکہ ان کی وجہ سے ہمارے علاقہ میں کوئی نقصان نہ ہو۔ کریلوی صاحب کی اس تجویز پر تمام نوجوان مستعد

ہو گئے اور انہوں نے تمام ہندوؤں اور سکھوں کو نہایت حکمت عملی سے اکٹھا کیا۔ ہندوستان میں رونما ہونے والے ہندو مسلم فسادات اور مسلمانوں کے قتل عام کی خبر اس علاقہ میں بھی پہنچ چکی تھی اور اس وقت مسلمانوں کے جذبات بے حد مشتعل تھے۔ بعض مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کو قتل کرنے پر تل گئے تھے لیکن کریلوی صاحب نے ان کو سمجھایا کہ بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا دنیا کے کسی بھی مذہب میں جائز نہیں۔ بے شک ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے لیکن اس میں ہمارے علاقہ کے ہندوؤں اور سکھوں کا کوئی قصور نہیں جب مسلمانوں کے جذبات ٹھنڈے ہوئے تو کریلوی صاحب نے ہندوؤں اور سکھوں کا قافلہ بحفاظت شہر پونچھ کی طرف روانہ کیا اور اس طرح گویا ایک گولی چلائے بغیر کریلوی صاحب نے ہندوؤں اور سکھوں سے اپنا علاقہ خالی کرالیا مگر اس کے بعد ایک یہ حیران کن بات دیکھنے میں آئی کہ ہندوؤں اور سکھوں کا 307 افراد مرد و زن پر مشتمل جو قافلہ کریلوی صاحب نے اپنے علاقہ سے بھیجا تھا جب یہ لوگ دھروتی نامی ایک مقام پر پہنچے تو آناً فاناً انہوں نے دین اسلام قبول کر کے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے بلند آواز پاکستان زندہ باد اور سردار فتح محمد خان کریلوی زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

اس وقت سردار فتح محمد خان کریلو ''وار کونسل'' راولپنڈی کی ہدایت کے مطابق بحیثیت ایڈمنسٹریٹر مہنڈر میں اپنا کیمپ قائم کر چکے تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں کا یہ قافلہ دو ماہ تک مہنڈر میں انہی کی تحویل میں رہا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ ان لوگوں کو واپس اپنے گھروں کو بھیجا جائے یا کیا صورت ہو؟ اس بارے میں جب سردار فتح محمد خان کریلوی نے چند علماء سے رائے لی تو ان میں سے اکثر نے ان سب کے قتل کا فتویٰ دیا اور اس قسم کا فتویٰ دینے والوں میں سے بعض ابھی زندہ ہیں۔ علماء کے اس فتویٰ پر کریلوی صاحب کو بے حد حیرت ہوئی اور انہوں نے سوال اٹھایا

کہ جو لوگ بلا جبر از خود صدق دل سے دین اسلام قبول کر کے مسلمان ہو چکے ہوں ان کو قتل کرنیکا کوئی جواز نہیں۔ ان کو کس جرم میں سزائے قتل دی جائے۔ انہوں نے حکم دیا کہ نو مسلموں میں جو نوجوان ہیں یہ فوراً کیمپوں میں حاضر ہو کر جنگی تربیت حاصل کریں اور فوراً جہاد میں شریک ہو جائیں۔ بوڑھوں میں سے جو صحت مند ہیں وہ محاذوں پر راشن اور ایمونیشن پہنچانے کی خدمت انجام دے اور بچوں' عورتوں کو بحفاظت ان کے گھروں میں آباد کیا جائے۔ انہوں نے تمام علاقہ کے مسلمانوں کو تاکیدی پیغام بھیجا کہ ان نو مسلموں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا امتیازی سلوک نہ روا رکھا جائے کیونکہ یہ دائرہ اسلام میں آ چکے ہیں۔

اس انتظام کے بعد سردار فتح محمد خان کریلوی نے بحیثیت چیف ایڈمنسٹریٹر اپنا ہیڈ کوارٹر تحریک آزادی اور مسلم کانفرنس کے بزرگ رہنما سردار ممتاز خان (حال مقیم گوجرانوالہ) کے مکان کے متصل مہنڈر میں قائم کیا اور اعلان کیا کہ تمام نوجوان بالخصوص برطانوی فوج سے ریٹائرڈ ہو کر گھر آنے والے نوجوان ہمارے پاس آئیں۔ اس وقت کچھ ہندو بھی منتشر ہو کر ادھر ادھر چھپے ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں کریلوی صاحب نے اعلان کیا کہ جو غیر مسلم ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں یہ فوراً ہمارے پاس چلے آئیں ہم ان کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔ اس طرح چند ہی دنوں میں ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد کریلوی صاحب کے ہیڈ کوارٹر میں جمع ہو گئی۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے اپنے کیمپ کا انتظام اس طرح کیا کہ جو لوگ برطانوی فوج میں حوالدار یا نائب صوبیدار تھے، ان کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ سول نوجوانوں کو فوراً فوجی تربیت دیں ان کے حکم کی تعمیل میں سابق فوجی حوالداروں اور صوبیداروں نے سول نوجوانوں کو تربیت دینی شروع کر دی اور اس کے لئے گولت کے مقام پر ایک کیمپ قائم کر دیا گیا۔ اس وقت

سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے لئے راشن کا انتظام کیسے کیا جائے؟ غلہ کے معاملے میں مہنڈر کا علاقہ خود کفیل تھا اور یہاں کی زرعی پیداوار پورے پونچھ میں مشہور تھی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے مقامی زمینداروں کو پیغام بھیجا کہ وہ مکئی' دھان' گندم اور دالیں کیمپ کے لئے مہیا کریں۔ اس پیغام پر لبیک کہتے ہوئے مقامی زمینداروں نے بھرپور تعاون کیا اور غلہ کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں مجاہدوں کے لئے لوئیاں اور پٹو بھی دیئے۔

اس وقت پونچھ' میرپور' مظفر آباد اور گلگت کے تمام محاذوں پر شدت سے جنگ جاری تھی کیونکہ جب مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیئے تو ہندوستان نے تمام محاذوں پر بے تحاشہ فوج بھیج دی جو پوری طاقت سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کے ساتھ ہمارے نہتے مجاہد نہایت بے سروسامانی میں مقابلہ کر رہے تھے۔

سردار فتح محمد خان کریلوی کے ہیڈ کوارٹر میں جو نوجوان فوجی تربیت حاصل کرتے تھے ان کو تیار ہونے میں فوراً محاذ جنگ پر بھیج دیا جاتا تھا۔ سردار فتح محمد خان ایک اعلیٰ منتظم اور ایڈمنسٹریٹر ہونے کی حیثیت میں مجاہدین کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔

کیپٹن ریٹائرڈ ملک شیر محمد خان آف فتح پور تھکیالہ پہلے دن سے لے کر جنگ بندی تک سردار فتح محمد خان کریلوی کے ہمراہ رہ کر جنگی خدمات انجام دیتے رہے۔ اپنے ایک انٹرویو میں اس دور کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ سردار فتح محمد خان کریلوی نہایت اعلیٰ پایہ کے منتظم تھے اور دوران جنگ تمام پہلوؤں پر ان کی نظر بہت گہری تھی وہ کسی قسم کی بددیانتی یا فریب ہرگز برداشت نہ کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ریاست پونچھ کے کسی حصہ میں بھی سڑک نام کو بھی نہ تھی اور دریائے جہلم کے کنارے سے مہنڈر جیسے دور افتادہ پہاڑی علاقہ میں دو سیر بوجھ پہنچانا بھی مشکل تھا۔ جتنا عرصہ پاکستان کی طرف سے راشن پہنچنے کا انتظام ہوتا سردار فتح محمد خان

کریلوی نے مقامی زمینداروں سے غلہ مانگ کر مجاہدین کو دیا اور محاذوں پر جنگ لڑنے والے مجاہدین کو غلہ کے معاملے میں کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔ وہ مینڈر میں رہ کر اپنے ہیڈکوارٹر میں ہی انتظام نہ کراتے تھے بلکہ مجاہدین کے حوصلے بلند کرنے اور ان کی ضرورتوں سے آگاہ ہونے کے لئے تمام محاذوں پر کئی کئی میل پیدل جاتے تھے جب برف باری شروع ہوئی تو مجاہدین کے لئے انہوں نے وہاں کے پیال سے ہزاروں جوڑے پولیس بنوا کر محاذوں پر بھجوائیں کیونکہ برف میں جوتوں کی نسبت پولیس زیادہ مفید تھیں۔ انہوں نے اپنے ہیڈکوارٹر میں باقاعدہ ایک دفتری نظام قائم کر رکھا تھا۔ مقامی زمینداروں سے مجاہدین کے لئے جس قدر غلہ آتا تھا یا بکرے و مرغ آتے تھے یہ تمام اشیاء اپنی مقدار کے ساتھ رجسٹر پر درج کی جاتی تھیں اور جس قدر سامان محاذوں پر مجاہدین کو بھیجا جاتا تھا اس کا بھی باقاعدہ اندراج ہوتا تھا۔ یہ سارے رجسٹر اب تک مرحوم سردار فتح محمد خان کریلوی کے ذاتی کاغذات میں مکمل محفوظ ہیں اور ان کاغذات سے ان کی اس وقت کی مصروفیت کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی بہت سے سربستہ راز منکشف ہوتے ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس شدید نازک دور میں سردار فتح محمد خان کریلوی کو کئی سازشوں اور رقابتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی کو فورسز ہیڈکوارٹر راولپنڈی کی طرف سے علاقہ مینڈر کا چیف ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا تھا اور وہ ہر ہفتے اپنی کارگزاری کی رپورٹ فورسز ہیڈکوارٹر کو بھیجا کرتے تھے جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے اس وقت پونچھ محاذ پوری شدت سے جنگ جاری تھی اور مجاہدین کی کمان کرنے والوں میں بعض افسر ایسے بھی تھے جو برطانوی فوج میں بمشکل حوالدار یا از خود نائب صوبیدار رہے لیکن جہاد آزادی میں ان میں سے اکثر میجر اور کرنل بن بیٹھے تھے۔ ایسے ہی افسروں میں سے ایک دو نے فورسز ہیڈکوارٹر

راولپنڈی میں تحریری مطالبہ کیا کہ سردار فتح محمد خان کریلوی ایک سول آدمی ہے۔ سابق فوجیوں کو چھوڑ کر انہیں مہنڈر کا چیف ایڈمنسٹریٹر کس طرح مقرر کیا گیا ہے؟ انہیں فوجی معاملات کا کوئی علم نہیں۔ ان کو ہٹا کر ان کی جگہ کوئی فوجی افسر متعین کیا جائے جو فوجی معاملات جانتا ہو۔ اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی خود راولپنڈی فورسز ہیڈ کوارٹر میں گئے اور مطالبہ کیا کہ شکایت کرنے والوں کو میرے سامنے بلایا جائے تاکہ مجھے علم ہو کہ وہ برطانوی فوج میں کس عہدے پر فائز تھے اور انہیں کہاں تک جنگی مہارت حاصل ہے؟

جیسا کہ ابتدائی حالات میں ہم بتا چکے ہیں کہ سردار فتح محمد خان کریلوی نے ڈوگرہ دور میں پولیس افسر کی تربیت پھلور سے حاصل کی تھی اور وہ پورے بیج میں فسٹ آئے تھے۔ اس زمانے میں پولیس افسر اور فوجی افسر کی تربیت بالکل یکساں ہوا کرتی تھی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے فورسز ہیڈ کوارٹر کے اعلیٰ فوجی افسروں ایم زیڈ کیانی اور بریگیڈیئر راجہ حبیب الرحمٰن کو ایسا مطمئن کیا کہ انہیں کریلوی صاحب سے اس تکلیف کے لئے تحریری معذرت کرنی پڑی۔ یہ معذرت نامہ سردار فتح محمد خان کریلوی کے ذاتی کاغذات میں محفوظ ہے جس کا عکس آگے آئے گا۔

اس وقت مجاہدین تاہی منڈھول اور سہر لکوٹہ کے محاذوں پر لڑ رہے تھے اور مہنڈر کا سارا علاقہ آزاد ہو چکا تھا۔ ان مجاہدین کی کمان کرنل ہدایت خان آف کہالہ کے پاس تھی۔ جب انہیں پتہ چلا کہ مہنڈر کا علاقہ آزاد ہو گیا ہے اور وہاں سول انتظامیہ بھی قائم ہو چکی ہے۔ تو وہ خود مہنڈر آئے سردار فتح محمد خان کریلوی سے ملے۔ انہوں نے دوران گفتگو کریلوی صاحب سے پوچھا کہ یہاں کون لڑ رہا تھا اس کے جواب میں کریلوی صاحب نے کہا کہ یہ علاقہ ان سابق فوجیوں نے آزاد کرایا ہے جو دوسری جنگ عظیم برطانوی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ اس وقت

ان کا ریکروٹنگ تھا اور یہ خاص طور پر قانونی طور پر قابل ذکر ہے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی ہی کی کوشش، لگن اور جدوجہد سے مہنڈر کے محاذ پر تین بٹالین فرسٹ حیدری، سیکنڈ حیدر اور تھرڈ حیدر قائم کی گئی تھیں، جنہوں نے اس محاذ پر شاندار عسکری کارنامے انجام دیئے۔ اسی بریگیڈ کے ایک نائیک سیف علی جنجوعہ شہید نے اپنی بے مثال بہادری سے جہاد کا سب سے بڑا اعزاز ہلال کشمیر حاصل کیا تھا۔ یہ فخر بھی کریلوی صاحب کو حاصل ہے کہ نائیک سیف علی کو انہوں نے خود بھرتی کیا تھا۔ اسی برگیڈ میں کریلوی صاحب کے سگے بھانجے گل محمد شہید بھی تھے جن کو بعد از شہادت پاکستان کا تیسرا بڑا اعزاز ستارہ جرأت دیا گیا تھا۔ میں نے ہی ان کو بھرتی کر کے برطانوی فوج میں بھیجا تھا۔ اب جبکہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے ان کو جہاد کرنا پڑا تو میں ان کا کمانڈر اور اس علاقے کا چیف ایڈمنسٹریٹر ہوں اور انہوں نے میری قیادت میں یہ علاقہ آزاد کرایا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ کریلوی صاحب نے پھلور میں پولیس افسر کی اعلیٰ تربیت حاصل کی تھی اور یہ تربیت بالکل اس معیار کی تھی جس معیار پر کہ اس زمانے میں فوجی افسروں کو تربیت دی جاتی تھی اور یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ کریلوی نے مہنڈر سیکٹر کا نظم و نسق کامیابی سے چلایا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی اگرچہ فوجی نہ تھے تاہم انہی کے سبب پورے مہنڈر سیکٹر کے فوجی نظم و نسق کی طرف بھی خاص توجہ دینی پڑی کیونکہ انقلاب کے بعد سارا سول نظم و نسق درہم برہم تھا اور ڈوگرہ حکومت کے تمام اہلکار شہر پونچھ کی طرف بھاگ گئے تھے۔ گویا علاقے سے قانون کی بالادستی اٹھ چکی تھی اور ان حالات میں کوئی کسی کو قتل کر دے تو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

اس افراتفری اور خوف وہراس کے عالم میں کریلوی صاحب نے جہاد کے ساتھ لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری بھی ایک مردِ مومن کی حیثیت سے قبول کی

اور پورے جوش وجذبے اور دینی لگن کے ساتھ نبھائی۔ انہوں نے مہنڈر کے علاقہ میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے کچھ نوجوانوں کو پولیس میں بھرتی کیا اور انہی سے عہدیدار بھی مقرر کئے لیکن انہوں نے عدل وانصاف کا معاملہ اپنے ہاتھ میں رکھا اور اس سلسلہ میں کبھی اپنے پرائے کا امتیاز نہیں کیا۔ وہ برسوں علاقہ مہنڈر اور حویلی کی طرف سے ریاستی اسمبلی میں ممبر اور اس علاقہ کے لیڈر رہے تھے اور یہاں کے لوگ ان پر جان چھڑکتے تھے۔ یہ لوگ ان کے بہادرانہ اور مجاہدانہ کردار سے آگاہ تھے اور بلا حیل وحجت ان کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ اگر علاقہ میں کوئی تنازع ہوتا تھا تو کریلوی صاحب اس کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق کرتے تھے۔ اس دور کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے ساتھی ریٹائرڈ کیپٹن ملک شیر محمد خان نے بتایا کہ ان دنوں مجاہدین کی مدد کے لئے قبائلی پٹھانوں کے جتھے بھی کثرت سے آنا شروع ہو گئے تھے۔ ان دنوں جس قدر ہندو مسلمان ہوئے تھے یہ بھی سردار فتح محمد خان کریلوی کی تحویل میں ہی تھے اور ان میں سے دو تین عورتیں کہیں بچھڑ گئی تھیں۔ جب یہ عورتیں پٹھانوں کے ہتھے چڑھیں تو وہ ان کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ اس کا علم کریلوی صاحب کے بڑے بیٹے سردار فیض محمد خان کو ہوا تو وہ بھاگے بھاگے اپنے والد گرامی کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ پٹھان ہندو عورتوں کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔ اس افسوسناک اطلاع پر کریلوی صاحب خود مسلح ہوئے اور بارہ مسلح نوجوانوں کو ساتھ لے کر اس طرف چل پڑے جس طرف سے پٹھانوں کے گزرنے کا راستہ تھا۔ کیمپ میں اس وقت جس قدر مجاہدین موجود تھے ان سب نے کریلوی صاحب سے استدعا کی کہ آپ ہمارے کیمپ کمانڈر ہیں آپ خود نہ جائیں بلکہ عورتوں کو پٹھانوں سے ہم خود چھڑا لاتے ہیں مگر کریلوی صاحب نہ مانے اور خود چل پڑے۔ وہ آگے جا کر راستے میں چھپ گئے' جب پٹھان عورتوں کو لے کر قریب پہنچے تو کریلوی صاحب نے پٹھانوں کو للکار کر وارننگ دی کہ

عورتوں کو چھوڑ دیں اور ایک طرف نکل جائیں لیکن پٹھان نہ مانے۔ انہوں نے پٹھانوں کو تین دفعہ وارننگ دی کہ عورتوں کو چھوڑ دیں ورنہ ان پر فائرنگ کی جائے گی' اس پر بھی پٹھان نہ مانے بلکہ انہوں نے آگے سے فائرنگ کر دی تو سردار فتح محمد خان کریلوی کے ساتھیوں نے جوابی فائرنگ کی۔ کریلوی صاحب نے عورتوں کو کہا کہ میں فتح محمد خان کریلوی ہوں تم ان پٹھانوں سے الگ ایک طرف ہو جاؤ' جب عورتوں نے کریلوی صاحب کی آواز سنی تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔ وہ ایک طرف چھپ گئیں اور فائرنگ کے تبادلے میں دو پٹھان مارے گئے اور ایک بچ کر بھاگ گیا۔ یہ تین عورتیں تھیں جن میں سے ایک حاملہ تھی اور اسے اسی کیمپ میں بچہ پیدا ہوا تھا۔ ان عورتوں کے ورثاء بھی اسی کیمپ میں تھے' ان عورتوں کو ورثاء کے حوالے کیا گیا۔ سردار صاحب کی وفات پر روزنامہ سچ جموں کے ایڈیٹر ماسٹر روشن لال کے ایڈیٹوریل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے' جو کتاب کے تاثراتی باب میں شامل ہے۔

اس وقت پونچھ کے مختلف محاذوں پر بڑی تعداد میں پٹھان بھی مجاہدین کے دوش بدوش جنگ لڑ رہے تھے۔ جب ان پٹھانوں کے مارے جانے کی خبر محاذ جنگ پر ان تک پہنچی تو وہ سخت مشتعل ہو گئے اور ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل پٹھانوں کا جتھہ مہنڈر کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہ سردار فتح محمد خان کریلوی سے ان مقتول پٹھانوں کا انتقام لے سکیں۔ ادھر کریلوی صاحب تک بھی اطلاع پہنچ چکی تھی کہ بپھرے ہوئے پٹھان ان کو قتل کرنے کے لئے آ رہے ہیں لیکن سردار فتح محمد خان کریلوی نہایت نڈر اور دلیر انسان تھا۔ انہوں نے ذرا بھر بھی ڈر یا خوف محسوس نہ کیا۔ کسی نے کہا کہ اگر کسی معاملہ میں بکرا لے کر عورت پٹھانوں کے سامنے چلی جائے تو وہ جھگڑے سے رک جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ آتے ہی سخت قدم اٹھائیں گے' کیوں نہ ہم کسی عورت کو ایک بکرا دے کر آگے بھیجیں' یہ بات سن کر کریلوی صاحب نے اس آدمی سے کہا کہ تف ہو تم پر

کسی عورت کو میری زندگی کی بھیک مانگنے کے لئے بھیجنے کے بجائے میں خود ہی کیوں نہ پٹھانوں کے سامنے چلا جاؤں اور ان کو جو کرنا ہے وہ کر گزریں' یہ کہہ کر فی الواقع سردار فتح محمد خان کریلوی تن تنہا اس طرف روانہ ہو گئے جدھر سے پٹھان آ رہے تھے۔ انہوں نے پوری جرأت سے پٹھانوں کا سامنا کیا اور پوری تفصیل سے ان کو اصل واقعہ بتایا اور یہ بھی بتایا کہ پہلے فائرنگ انہوں نے کی اور جب ہم نے جان بچانے کے لئے جوابی فائرنگ کی تو وہ مارے گئے۔ کریلوی صاحب نے پٹھانوں کے اس ہجوم کے سامنے ایسی مؤثر اور مدلل تقریر کی کہ ان کے جذبات سرد پڑ گئے اور وہ اسی بات پر رضامند ہوئے کہ جو آدمی مارے گئے ان کے وارثوں کی مالی مدد کی جائے۔

جب کریلوی صاحب پٹھانوں سے معاملہ طے کر کے واپس آئے تو ان کے تمام ساتھی حیران و ششدر رہ گئے کیونکہ ان کے زندہ واپس آنے کی کسی کو بھی توقع نہ تھی۔ کریلوی صاحب کے اس بہادرانہ اقدام کا ذکر ان دنوں آل انڈیا ریڈیو سے بھی ہوا تھا اور جموں کے ایک ہندو صحافی نے بھی سردار فتح محمد خان کریلوی کی اس انصاف پسندی اور حق رسی پر ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا۔ ایک کمیشن قائم ہوا تھا' سردار یار محمد سیشن جج اور ایک میجر کریم اس میں شامل تھا۔ تحقیقاتی کمیشن کا اجلاس جاری تھا کہ جہاز نے بمباری کی' انکوائری افسر اور کریلوی صاحب کے خلاف ایک جھوٹا گواہ زخمی ہو گیا۔ کمیشن نے اس واقعہ کو خدائی فیصلہ قرار دے کر انکوائری ختم کر دی' جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

کیپٹن ریٹائرڈ ملک شیر محمد خان 14 ستمبر 1947ء سے لے کر 26 دسمبر 1948ء تک سردار فتح محمد خان کریلوی کے ماتحت ان کے ہمراہ جنگی خدمات انجام دیتے رہے اور انہیں اس دور کے تمام واقعات یاد ہیں۔ انہوں نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی قومی امانت داری اور

دیانت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ایک دفعہ سدھنوتی محاذ پر لڑنے والے کچھ افسروں نے مطالبہ کیا کہ سردار فتح محمد کریلوی کے علاقہ میں لوگوں کے پاس ہندوؤں اور سکھوں کا مال مویشی اور دیگر جو سامان ہے لوگوں سے یہ سامان لے کر فروخت کیا جائے اور اس رقم سے ہمارے لیے راشن اور ایمونیشن خریدا جائے حالانکہ یہ تمام افسر دوسرے محاذوں اور دوسرے علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں' ان کا اس علاقہ کے مال واسباب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جب انہوں نے لوگوں سے یہ مال ضبط کرنے کے لئے اپنے آدمی فتح پور تھکیالہ کی طرف بھیجے تو کریلوی صاحب نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ ملک شیر محمد خان بتاتے ہیں کہ کریلوی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ راہنمائی کے لئے جاؤ اور جس قدر سامان اور مال مویشی یہ لوگ ضبط کریں خفیہ طور پر اس کی ایک مکمل فہرست تیار کر کے میرے پاس لے آنا چنانچہ حسب حکم میں ان لوگوں کے ساتھ بطور راہنما گیا اور خفیہ طور پر سارے سامان کی ایک فہرست بنالی۔ یہ لوگ مال مویشی اور دیگر سامان ضبط کر کے جب واپس ہوئے تو انہوں نے اس مال میں سے بڑا حصہ خود ہضم کرنے کا پروگرام بنایا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ میں نے سارے سامان کی فہرست بنا رکھی ہے تو انہوں نے مل کر وہ فہرست مجھ سے چھین لی مگر میں نے اس کی ایک مکمل نقل بھی تیار کر کے چھپا رکھی تھی۔ انہوں نے سمجھا کہ فہرست ان کے قبضے میں آ گئی ہے' وہ سامان اور مال مویشی لے کر روانہ ہوئے اور میں نے لا کر وہ فہرست کریلوی صاحب کو پیش کر دی۔ کریلوی صاحب نے مطالبہ کرنے والوں کو بلا کر کہا کہ آپ نے میرے علاقہ کی تلاشی کے لئے جو لوگ بھیجے تھے وہ سامان لائے ہیں اور میں نے ان کے ساتھ اپنا آدمی بھیجا تھا جس نے ضبط ہونے والے سامان کی یہ فہرست مجھے دی ہے' اب مہربانی کر کے اس فہرست کے مطابق تمام سامان میرے ہیڈ کوارٹر میں لا کر میرے حوالے کیا جائے تاکہ میں اسے فروخت کرا کر اپنے علاقہ کے محاذوں پر

مجاہدین کے لئے راشن وایمونیشن بھجوا سکوں۔ یہ میرے علاقہ کا سامان ہے اس پر آپ کا کوئی حق نہیں' جب ان افسروں نے سردار فتح محمد خان کریلوی کے تیور دیکھے تو چپ چاپ واپس چلے گئے اور اس کے بعد فہرست کے مطابق سارا سامان کریلوی صاحب نے اپنے ہیڈ کوارٹر میں جمع کرایا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی جس طرح فوجی معاملات پر بہت گہری نظر رکھتے تھے اسی طرح ایک اعلیٰ پائے کے منتظم کی حیثیت سے اس علاقہ کے سول نظم ونسق پر بھی ان کی گرفت مضبوط تھی اور اس سارے علاقہ کے تنازعات کی سماعت وہ خود اپنے ہیڈ کوارٹر میں کرتے تھے اور مہینہ میں ایک دن جمعہ کے روز دربار عام منعقد ہوا کرتا تھا جس پر ہر آدمی پوری آزادی کے ساتھ اپنی شکایت یا مطالبہ پیش کرتا تھا اور سردار فتح محمد کریلوی جو فیصلہ کرتے تھے اس پر فوراً عملدر آمد ہوتا تھا۔ انہوں نے بیت المال قائم کیا تھا' اس سے راشن صرف مجاہدوں کے لئے محاذوں پر بھیجا جاتا تھا یا جو نوجوان کیمپوں میں تربیت حاصل کرتے تھے انہیں راشن ملتا تھا۔ اس کے علاوہ کسی آدمی کی یہ جرأت نہ تھی کہ وہ سرکاری سٹور سے سوئی بھی اٹھائے۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے اپنے کیمپ میں جن جن نوجوانوں کو جنگی تربیت دے کر محاذوں پر بھیجا تھا انہوں نے ہر جگہ شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور یہ مجاہد جنہوں نے دو دو ہفتے جنگی تربیت حاصل کی تھی بھارت کی تربیت یافتہ فوج کے سامنے آہنی دیوار بن گئے جس کا اعتراف دشمن کو بھی کرنا پڑا۔

نامور مجاہد سیف علی جنجوعہ کو بھی سردار فتح محمد خان کریلوی نے بھرتی کیا تھا جس نے پیر پنجال کا ایک حصہ پیر کلیوا پہاڑی پر بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہادت پائی اور اسے آزاد کشمیر کا سب سے بڑا ''اعزاز'' ہلال کشمیر دیا گیا۔ یہ جنگ آزادی کشمیر کا واحد شہید ہے

جسے ہلال کشمیر ملا' اسی طرح اور سینکڑوں نے اپنی بہادری اور اعلیٰ کارکردگی کے باعث اعزازات اور سندیں حاصل کیں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے سولہ ماہ کی جنگ آزادی کے دوران چوبیس سو سے زائد مجاہد بھرتی کر کے محاذ پر بھیجے تھے' جن کے نام' ولدیت اور مکمل پتے سردار فتح محمد خان کریلوی کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے رجسٹر کی صورت میں ان کے کاغذات میں موجود ہیں اور ان مجاہدین میں سے اکثر کے کوائف اور جنگی کارکردگی کریلوی صاحب کو زبانی یاد تھی اور خود بھی کریلوی صاحب کو اپنی بے مثال کارکردگی اور قومی خدمت کے صلہ میں ''غازی کشمیر'' کا معزز خطاب عطا ہوا تھا اور وہ انریری کیپٹن بھی بنائے گئے تھے' جن احکامات کے ذریعے انہیں خطاب اور انریری کیپٹنی عطا ہوئی یہ سارے خطوط ان کے ذاتی ریکارڈ میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض کے عکس آگے آئیں گے۔

جنگ بندی کے بعد

سردار فتح محمد خان نے سولہ ماہ تک جہاد آزادی کشمیر میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ یہ ہماری جنگ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے کیونکہ انہوں نے نہایت بے سروسامانی کی حالت میں ایک طرف مجاہد بھرتی کر کے مختلف محاذوں پر بھیجے' ان کے راشن اور دیگر ضروریات کا خیال رکھا اور دوسری طرف پورے مہنڈر میں سول نظم ونسق برقرار رکھا لیکن یکم جنوری 1949ء کو رات کے بارہ بجے جنگ بند ہوئی اور کشمیر کے سینے پر جنگ بندی لائن کے نام سے ایک منحوس لکیر کھینچنے کا اعلان ہوا تو کریلوی صاحب کا فتح کیا ہوا علاقہ مہنڈر دشمن کے قبضے میں چلا گیا اور مہنڈر کا صرف چھوٹا زیریں حصہ جس میں کریلوی صاحب کا گاؤں کریلہ منجہان بھی شامل ہے جنگ بندی لائن سے اس طرف رہا۔ اس اعلان کے تحت راجوری کا مفتوح علاقہ بھی دشمن کے قبضے

میں چلا گیا' جس کی وجہ سے سردار فتح محمد خان کریلوی کے لئے بے شمار نئی پریشانیاں اور نئے مسائل پیدا ہوئے۔

جنگ بندی کے اعلان کے فوراً بعد بھارتی فوج' ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر مسلمانان بالائی مہنڈر اور حویلی پر بے پناہ مظالم توڑنے شروع کیے جس کی وجہ سے انہیں اپنے علاقہ سے ہجرت کر کے آزاد علاقے یا پاکستان کی طرف آنا پڑا۔ تحصیل مہنڈر اور حویلی کی طرف سے سردار فتح محمد خان کریلوی مسلسل بارہ سال تک ریاستی اسمبلی کے ممبر تھے اور وہ اس علاقہ کے نہ صرف یہ کہ ایک مسلم رہنما تھا بلکہ انہیں اس سارے علاقہ کے لوگوں سے بے پناہ محبت تھی' جب ان لوگوں کے تباہ حال قافلے اپنا گھر بار چھوڑ کر اس طرف آنا شروع ہوئے تو ان دردناک مناظر نے کریلوی صاحب کی راتوں کی نیندیں حرام کر دیں اور وہ ان کے مصائب سن کر نہایت غمگین اور پریشان ہو گئے کیونکہ اتنی بڑی تعداد ہیں' لوگوں کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کرنا بہت بڑا مسئلہ تھا اور جو لوگ اس طرف آتے تھے ان کی کریلوی صاحب سے اس حوالے سے توقعات وابستہ تھیں کہ یہ ان کے راہنما تھے اور تحصیل مہنڈر اور حویلی کا بچہ بچہ انہیں جانتا تھا۔ اس سارے علاقہ کے تمام معزز اور قابل ذکر لوگوں کے ساتھ کریلوی صاحب کے گہرے مراسم تھے۔ ان حالات میں کریلوی صاحب کے لئے یہ بات لازمی ہو گئی تھی کہ وہ ان لٹے پٹے لوگوں کی آبادکاریوں اور ان کی ضروریات کے لئے رات دن ایک کر دیں اور فی الواقع انہوں نے اس خدمت کے لئے دن رات ایک کر دیئے' جس کی گواہی ان کے خطوط اور تحریروں سے ملتی ہے' جو وہ 1949ء سے لے کر 53-1952ء تک پاکستان حاکم کو بھیجتے رہے۔ یہ ساری رپورٹیں ان کے ذاتی کاغذات میں محفوظ ہیں' جس سے ان کی بے پناہ مصروفیات اور مہاجرین کی آبادکاری کے لئے ان کی گہری لگن اور دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان تمام رپورٹوں کو من وعن

پیش کرنا طوالت کا باعث ہوگا البتہ چند اہم رپورٹوں کے اقتباسات انہی کے الفاظ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ حکومت پاکستان نے مہاجرین جموں و کشمیر کی نگہداشت کے لئے ایک پبلک ریلیشنگ ڈائریکٹریٹ قائم کیا تھا جس کا دفتر راولپنڈی میں قائم کیا گیا تھا۔

اس محکمہ میں سردار فتح محمد خان کریلوی کو بحیثیت لیکچرر متعین کیا گیا اور ان کو یہ خدمت سونپی گئی کہ وہ جہاجرین جموں و کشمیر کے تمام کیمپوں میں جائیں' ان کی ضروریات سے ڈائریکٹریٹ کو آگاہ کریں اور موثر تقریروں کے ذریعے ان کے حوصلے بلند کریں۔ سردار فتح محمد کریلوی نے اپنی ساری رپورٹیں اسی حیثیت میں 1949ء سے لے کر 53-1952ء تک اپنے ڈائریکٹریٹ کو ارسال کی ہیں جس میں اس وقت کے بہت سے سربستہ راز اور حالات کے کئی گوشے بے نقاب ہوتے ہیں۔

24 دسمبر 1949ء کی رپورٹ میں سردار فتح محمد خان کریلوی لکھتے ہیں کہ مظہر کو جنرل طارق کے بقیہ پیغام پر محاذ سے راولپنڈی آنا پڑا۔ محترم جنرل طارق کی ملاقات اور صورتحال پر سیر حاصل تبادلہ خیال کے بعد حضرت قائد ملت کی واپسی تک قیام کا فیصلہ کیا۔ اسی اثنا میں یہ فرض منصبی جان کر کہ مہنڈر سے آئے ہوئے بے خانماں مہاجرین کی حالت زار کا مختلف کیمپوں میں بچشم خود معائنہ کر کے ان کے حوصلے بلند کئے جائیں اور ان کی جائز شکایات و جائز مطالبات منوانے کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں چنانچہ اس نظریہ کے تحت چیف کمشنر آزاد کشمیر' چیف کنزرویٹر جنگلات و پرسنل اسسٹنٹ صدر آزاد کشمیر کی معیت میں واہ کیمپ میں جا کر مہاجرین تحصیل حویلی و مہنڈر اور راجوری کی حالت زار کا معائنہ کیا۔ کیمپ میں ایک ناخوشگوار واقعہ یہ ہوا کہ فوجی جوانوں کے ہاتھوں تقریباً دو درجن مہاجرین راشن کے جھگڑے میں ہلاک ہو گئے۔

ان دنوں مہاجر کیمپ آرمی کے کنٹرول میں تھے۔ اس واقعہ پر ہزاروں مہاجرین مشتعل ہو گئے۔ وہ کسی بھی شخص کو کیمپ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ چودھری غلام عباس اور نواب گورحانی کی استدعا پر سردار فتح محمد خان کو کہا گیا کہ وہ ان مہاجرین جو سردار صاحب پر جان نچھاور کرتے تھے کو کنٹرول کریں۔ لہٰذا سردار فتح محمد خان' سردار آفتاب احمد اور اپنے بیٹے سردار سکندر حیات خان جو ان دنوں میٹرک کے طالب علم تھے کے ہمراہ مہاجرین کے کیمپ میں گئے اور مہاجرین کے جذبات کو ٹھنڈا کیا اور وزیر اعظم پاکستان زندہ باد کے نعرے لگوائے۔ کوئی آٹھ ہزار مہاجرین کے اجتماع میں سردار آفتاب احمد خان نے تقریر کی جس میں حکومت آزاد کشمیر اور قائد ملت وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان کی جانب سے مہاجرین کو یقین دلایا کہ وہ مقدور بھر مہاجرین کے مصائب کا تدارک کرنے میں منہمک ہیں۔ بعدازاں مظہر نے کامل دو گھنٹے مہاجرین سے خطاب کیا۔ حاضرین نے مجھے دیکھ کر زاروقطار رونا شروع کر دیا اور مختلف قسم کی شکایات پیش کیں۔ راقم نے ان کو صبر وشکر کی تلقین کی اور بہت جلد ان کو فاتحانہ انداز میں اپنے گھروں کو لوٹ جانے کا یقین دلایا۔ اس کے بعد مہاجرین نے عاملین آزاد کشمیر اور کیمپ کے ذمہ دار افسران کو پرتکلف چائے دی۔

مہاجرین سے تبادلہ خیال اور کیمپ کے افسروں سے ملاقات

کرنے کے بعد مظہر اپنے تاثرات حسب ذیل پیش کرتا ہے:

اس وقت مہاجرین کی تعداد شاید 28 ہزار اور اس کے لگ بھگ مانسر کیمپ میں بھی تھی جبکہ چک جمال کیمپ اس کے علاوہ تھا۔ کے قریب پہنچ چکی ہے جس میں کوئی دو ہزار کے قریب راجوری کے باشندے ہیں اور باقی تحصیل مہنڈر سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آٹھ ہزار پناہ گزین آزاد علاقہ میں تراڑکھل و میرپور کے قرب وجوار میں بارش اور برفباری کے

باعث مجبور بیٹھے ہیں اور جلد ہی اس کیمپ میں پہنچ جائیں گے۔ دیگر کیمپوں سے بھی مہاجرین کی یہاں آنے کی توقع ہے اس لئے لازم ہے کہ مزید از کم دس ہزار پناہ گزینوں کے لئے انتظامات واقدامات کئے جائیں۔ مہاجرین کی رہائش کا انتظام تسلی بخش نہیں ہے جگہ کم ہے اور تعداد زیادہ ہے۔ مقامی حکام کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ کیمپ سے متصل بہت سی بارکیں خالی پڑی ہوئی ہیں۔ ان میں سے اگر اے ٹی کی بارکیں بھی مہاجرین کے لئے مختص کردی جائیں تو رہائش کی شکایت رفع ہوسکتی ہے۔ جہاں تک اشیائے خوردنی کا تعلق ہے وہ بے شک خالص ہیں البتہ چاول میں کسی قدر دوسری ناقص جنس کی آمیزش ہے اگر اسے رفع کیا جائے اور کارڈ پر جس قدر جنس درج ہے وہ پورے طور پر مہاجرین کو دی جائے تو طعام کے بارے میں کوئی شکایات نہیں ہوگی۔ مہاجرین کا بیشتر حصہ لباس کے لئے مجبور ہے۔ کڑاکے کی سردی کے باعث ہر روز اموات بیان کی جاتی ہیں جو محض سردی کی شدت اور لباس کی عدم موجودگی کے باعث واقع ہوتی ہیں۔ محترم چیف کمشنر آزاد کشمیر نے وعدہ کیا ہے کہ موصوف کی تحویل میں متعدد مقدار میں تین کپڑے موجود ہیں جو مہاجرین کے لئے بھیجے جارہے ہیں، اگر ممدوح کا یہ عہد ایفا کے درجہ تک پہنچ جائے اور فی کس اوسطاً دس گز پکڑا بچھونے کے لئے اور چھ گز کپڑا لباس کے لئے دیا جاتے تو یہ کمی پوری ہوسکتی ہے۔

یہ امر انتہائی قلق کا موجب ہے کہ مہاجرین کے رہائشی مکانوں کے اردگرد بیت الخلا نہیں ہے۔ کوڑا کرکٹ پڑا ہے۔ مہاجرین کے کپڑے میلے کچیلے ہیں کہ انہیں صاف کرنے کے لئے صابن فی کس دیا جائے۔ جو غیر مسلم خاکروب علی بیگ کیمپ میں ہیں ان میں سے چند ایک کو اس کیمپ کی صفائی میں متعین کیا جائے۔

مہاجرین نے سپرنٹنڈنٹ کیمپ راجہ افضل خان کی احسن کارکردگی اور ان کے حسن

اخلاق کی تعریف کی ہے' یہ افواہ گرم ہے کہ موصوف کو کسی دوسرے مقام پر تبدیل کیا جائیگا یا ان پر والٹن کیمپ کے کسی افسر کو متعین کیا جائے گا۔ یہ امر تمام مہاجرین کے لئے مہلک اور کیمپ کے انتظامات کے لئے خطرناک ہے۔ ان کے تبادلہ کا خیال ترک کر دیا جائے۔

تحصیل مہنڈر ایک عرصہ تک میدان جنگ بنی رہی ہے اس لئے طلباء کی تعلیم میں حرج ہوا ہے۔ مظہر کی تجویز پر طلباء کو آج ہی سکول بھیجا گیا اور ان کو کیمپ کے احاطہ کے اندر ہی تعلیم دی جانے لگی۔ چیف کمشنر صاحب آزاد کشمیر نے جملہ طلباء کو وظائف اور کتب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ مہاجرین مہنڈر اپنے گھروں میں زراعت کرتے تھے لیکن بعض کسب کمال سے آگاہ ہیں۔ ان کی ایک مکمل فہرست تیار کر کے ان کو مناسب کام پر لگانے کا بندوبست کیا جائے۔ جو لوگ تاجر تھے ان کے لئے دکانیں اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تا کہ مہاجر حکومت پر بوجھ نہ بنیں بلکہ اپنی روزی خود کما سکیں۔

افراتفری کے عالم میں مہنڈر کے بعض مجاہدین کو اپنے اہل وعیال کے ساتھ کیمپوں میں آنا پڑا اگر ان کو زیادہ دیر کیمپوں میں رکھا گیا تو وہ اپنے فرض منصبی سے کوتاہی کے علاوہ یہ لوگ غیر حاضر تصور ہونگے۔ کیمپ کے نزدیک کوئی نلکا نہیں اس لئے ضروری ہے کہ ماشکی مقرر کیا جائے۔ رہائش کے لئے جگہ کم ہونے کے سبب مرد وزن کو ایک جگہ رہنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے نیز ہر مزاج کے لوگ ایک ہی بارک میں قیام رکھتے ہیں اس لئے مزید بارکیں وقف کرنے کے بعد ایک ہی مزاج یا قرابت دار مہاجروں کے گروپ بنا کر انہیں مکان میں رکھا جائے۔

متذکرہ بالا رپورٹ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اپنے ڈائریکٹریٹ کے لئے راولپنڈی کے دوران قیام 24/12/1948 کو لکھی اور اس کے بعد وہ مہاجرین مہنڈر حویلی اور راجوری کے دیگر کیمپوں کے معائنہ کے لئے بھی جاتے رہے اور جہاں بھی گئے اپنے خلوص

اورانسانی ہمدردی کے جذبات سے لبریز خیالات سے مہاجروں کے حوصلے بلند کئے۔ مذکورہ بالا رپورٹ میں ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے مہاجرین کے کیمپوں میں بڑی باقاعدگی سے جاتے تھےاور وہاں کی حالت سے تحریری طور پر اپنے ڈائریکٹریٹ کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔

مسلم کانفرنسی کارکنوں سے رابطہ

مہاجر کیمپوں کے دوروں کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ تمام مسلم کانفرنسی کارکنوں سے رابطہ کر کے آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی شیرازہ بندی کی جائے کیونکہ انقلاب کی وجہ سے جماعتی کارکن منتشر ہو گئے تھےاور ان کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ اس مہم کا آغاز انہوں نے بڑی گرمجوشی سے کیا جس کا اندازہ ان کی رپورٹوں سے ہوتا ہے اور جماعت کے لئے ان کی دلی لگن اور جذبے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد جماعت کی شیرازہ بندی کی جائے اور جماعت ہی کی زیرنگرانی جہاد آزادی کشمیر کی از سرنو تیاری کی جائے۔ انہی دنوں قادیانیوں کے اشارہ سے راولپنڈی انجمن المجاہدین آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کا سرپرست مشہور قادیانی خواجہ غلام نبی گلکار تھااو رخواجہ غلام دین وانی' ثناء اللہ شمیم اور دوسرے کئی لوگ اس تنظیم کے معاون تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس کی شدید مخالفت کی اور اسے ایک نیا فتنہ قرار دیتے ہوئے آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی شیراہ بندی پر پوری پوری توجہ کر دی۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ قادیانیوں نے ایک سازش کے تحت آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا نام استعمال کیا ہے۔ جب اس جماعت کے کرتا دھرتا لوگوں نے مہاجر کیمپوں میں رکنیت سازی کا پروگرام بنایا تو سردار فتح محمد خان کریلوی نے تمام مہاجری کیمپوں کا دورہ کر کے لوگوں کو منع کیا اور اس بات کی شدید تاکید کی کہ قادیانیوں کی قائم کردہ کسی تنظیم میں شامل نہ ہوں۔ انہوں نے راولپنڈی' واہ' جہلم' میرپور'

گوجرانوالہ‘ گجرات اور لاہور وغیرہ کے دورے کر کے تمام بکھرے ہوئے مسلم کانفرنسی کارکنوں سے رابطہ کیا اور انہیں قادیانیوں کی اس سازش سے آگاہ کیا۔ اس تنظیم کا ذکر انہوں نے اپنی رپورٹ محررہ 4/12/49 میں اس طرح کیا ہے کہ انجمن المجاہدین آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس جو حقیقتاً آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی ایک مخالف جماعت ہے نے اپنے دفتر راولپنڈی میں قائم کرلیا ہے اور وہ رضاکاروں کی بھرتی کر رہے ہیں۔ اس تخریبی جماعت کے کارکنوں نے اپنا دستور اساسی اور رکنیت نامے بھی چھپوا لئے ہیں اور اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دی ہیں۔ اس جماعت کے کارکنوں میں بیشتر حصہ ان صاحبان کا ہے جو خواجہ غلام نبی گلکار اور آزاد کشمیر کے منسٹر خواجہ غلام دین وانی پر مشتمل ہے۔ اس انجمن کی کارروائیاں موجودہ حالات کے سراسر منافی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس جدید فتنے کو جس قدر جلد ہو سکے ختم کیا جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ کیمپ کے مہاجرین میں انجمن المجاہدین کے کارکن بھرتی کے لئے مامور کئے گئے ہیں۔ اس بارے میں مسلمانان مقیم کیمپ کو سامان اور ادویات بھیج دی گئی ہیں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی کی اس مفصل رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس قادیانی سازش کو بروقت بھانپ لیا اور ان کے عزائم سے نہ صرف یہ کہ حکام بالا کو آگاہ کیا بلکہ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے تمام ان کارکنوں کو بھی خبردار کیا جو اس وقت مختلف کیمپوں میں تھے اس طرح قادیانیوں کی یہ تنظیم ترقی نہ کر سکی۔

کریلوی صاحب کی مرتب کردہ ان پراز حقائق رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ بندی کا اعلان ہوتے ہی ان کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں اور انکا زیادہ وقت سفر میں ہی گزرتا تھا۔ وہ کبھی مہاجرین کے معاملات کا جائزہ لینے واہ کیمپ جاتے تھے‘ کبھی کبھی گوجرانوالہ اور گجرات میں ہوتے تھے۔ کبھی سرائے عالمگیر جہلم میں ہوتے تھے اور کبھی میرپور اور کوٹلی کے دور

افتادہ مقامات پر پیدل سفر کرتے تھے۔ رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ معاملات میں فوری اقدامات کرنے کی تاکید کرتے تھے، اس وقت اس آزاد علاقہ میں بھارتی حکومت نے کچھ جاسوس بھی پھیلا رکھے تھے اور کچھ ڈوگرہ حکومت کے پرانے نمک خوار ابھی تک مشکوک تھے جن سے ان جاسوسوں کے روابط تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کی نظر ان پر بھی تھی کیونکہ ان کی رپورٹوں میں جابجا اس کا ذکر ملتا ہے اور بالخصوص ڈوگرہ حکومت کے ان نمبرداروں کا پتہ چلتا ہے جو دوران جہاد اس طرف سے دشمن کو باقاعدہ خبریں پہنچا کر ملک وقوم کے ساتھ غداری کے مرتکب ہوتے رہے۔

سیاسی عمل

1947ء کے اواخر میں جب مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں گیا تو صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم خان کو بھی شیخ عبداللہ کے مقابلہ میں اقوام متحدہ میں پیش ہونا پڑا۔ اس موقع پر پاکستانی نمائندوں میں سر ظفر اللہ وزیر خارجہ کے ہمراہ پاکستان کے سیکرٹری جنرل چودھری محمد علی بھی تھے جو جالندھر کے رہنے والے تھے اور چودھری غلام عباس کے ساتھ ان کے بہت گہرے خاندانی مراسم تھے۔ چودھری محمد علی نے اقوام متحدہ کے اجلاس کے بعد شیخ عبداللہ کو مشورہ دیا کہ وہ چودھری غلام عباس کو رہا کر کے پاکستان بھیج دیں تا کہ ان کی آمد کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمیں کوئی مفید مشورہ مل سکے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ نے واپسی پر چودھری صاحب کو رہا کر دیا اور یہ سیالکوٹ کی سرحد عبور کر کے پاکستان تشریف لائے۔

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے سردار فتح محمد خان کریلوی اپنی رپورٹ محررہ 15/1/49 میں لکھتے ہیں کہ 10 بجے رات بذریعہ ٹرین سیالکوٹ روانہ ہوا اور حضرت قائد ملت چودھری غلام عباس سے ملا۔ رہنماؤں کی آمد پر جو جلوس مرتب ہوا اس میں شامل ہوا۔ حدود ریاست پر

ہزاروں مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ قومی رضا کاروں اور بینڈ و جھنڈوں سے جلوس روانہ ہوا۔ جلوس کیا تھا انسانوں کا ایک جنگل تھا۔ قائد ملت کو گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔ بچھڑے ہوئے مجاہد اپنے بھائیوں سے ملے اور عوام نے عقیدت کے پھول نچھاور کیئے۔ مجاہد مولوی عبدالرحمان پونچھی نے تبادلہ اور حوالگی کے وقت جانے سے انکار کر دیا اور بالآخر جماعت کے ساتھ آملا۔ جلوس کی شکل میں رہنمایان قوم مسٹر ساغر آغا شوکت اور مسٹر خورشید حسن دفتر کانفرنس میں پہنچے۔ قائد ملت کی کوٹھی پر جلوس بحکم قائد ملت منتشر ہوا۔ 16/1/49 کو سردار محمد ابراہیم خان رات 9 بجے سیالکوٹ پہنچے اور کیپٹن میاں نصیرالدین کے ہاں ٹھہرے۔ اس رپورٹ کے بعد جس قدر رپورٹیں کریلوی صاحب نے لکھی ہیں ان سے ان کی دوہری مصروفیات کا پتہ چلتا ہے کیونکہ ایک طرف وہ مہاجروں کے معاملہ میں سرگرم تھے اور دوسری طرف ساتھ ہی ساتھ وہ جماعت کے لئے بھی کام کرنے لگے تھے۔ کیونکہ چودھری غلام عباس کے آنے کے بعد حلقہ مہاجرین جموں و کشمیر مقیم پاکستان اور عوام آزاد کشمیر میں سیاسی عمل شروع ہو چکا ہے۔

چودھری غلام عباس نے قائد اعظم کے ساتھ مل کر کچھ دن آرام کیا مگر اس کے بعد اس عزم کے ساتھ سرگرم ہوئے کہ حکومت آزاد کشمیر اور مہاجرین جموں و کشمیر کے معاملہ میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو بالادستی ہونی چاہئے۔ اس سے پہلے آزاد کشمیر کا صدر وزارت امور کشمیر کے سامنے جوابدہ تھا لیکن چودھری صاحب نے یہ موقف اختیار کیا کہ صدر آزاد کشمیر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے سامنے جوابدہ ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ چودھری صاحب کے اس مطالبہ سے وزارت امور کشمیر کی افسر شاہی کے اختیارات و اقتدار پر زد پڑتی تھی اس وجہ سے پہلے دن سے ہی وزارت امور کشمیر کے افسران اور چودھری صاحب کے درمیان ان بن شروع ہو گئی۔ افسران وزارت امور کشمیر اس بات کے حق میں نہ تھے کہ آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کی

شیرازہ بندی ہو۔وہ جانتے تھے کہ اس طرح ان کا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا۔اس وجہ سے انہوں نے اندرون خانہ سازشیں شروع کر دیں تا کہ مسلم کانفرنس ایک نہ ہو سکے اور اس کے لئے انہیں بعض مسلم کانفرنسی کارکن ہی دستیاب ہو گئے جو راولپنڈی میں رات دن وزارت امور کشمیر کے اشاروں پر لگائی بجھائی کرتے رہتے تھے۔اس افسوس ناک صورت حال میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے پورے خلوص کے ساتھ چودھری غلام عباس کا ساتھ دیا اور مسلم کانفرنس کو فعال اور متحرک بنانے میں رات دن کام کیا۔

1927-28ء سے لے کر 1948ء تک جو سیاست سردار فتح محمد خان کریلوی کا اوڑھنا بچھونا رہی اور جس سیاست میں ان کے پورے خاندان کو ایک عظیم امتحان سے گزرنا پڑا تھا وہ سیاست ڈوگرہ بربریت کے خلاف جہاد اور مسلمانان ریاست کے انسانی حقوق کی بحالی کی سیاست تھی۔انہی عظیم مقاصد کے حصول کی خاطر سردار فتح محمد خان کریلوی مسلسل 12 سال تک ریاست کی ڈوگرہ اسمبلی میں حکومت کے خلاف گرجتے برستے رہے اور جب 1947ء میں تاریخ نے اپنا ورق الٹ لیا اور ملک وقوم کی آزادی کے لئے عملاً میدان جنگ میں اترے تو ضرورت پڑی تو سردار فتح محمد خان کریلوی سب سے آگے تھے۔اور اس خدمت میں وہ دن رات مصروف رہے لیکن جنگ بندی کے بعد ریاست کے اس حصہ میں جس قسم کی سیاست جنم لے رہی تھی کریلوی صاحب کا ذہن اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھا البتہ دو باتیں ان کے پیش نظر تھیں۔اول آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے ساتھ مکمل وفاداری اور ثانیاً چودھری غلام عباس کے ساتھ دیرینہ رفاقت اور انہوں نے اپنی سیاست کو انہیں حدود تک محدود رکھ کر سرگرمی شروع کی کیونکہ اقتدار کی سیاست کے وہ آرزومند نہ تھے۔

اقوام متحدہ سے واپس آنے کے بعد سردار محمد ابراہیم خان کو صدارت سے الگ کر دیا

گیا اور اس کا فیصلہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل نے کیا جس کا اجلاس راولپنڈی میں مسلم لیگ ہاؤس میں منعقد ہوا تھا۔ سردار محمد ابراہیم خان نے اس فیصلہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنے حامیوں سید حسن شاہ گردیزی، چودھری نور حسین، راجہ حیدر خان، سردار لطیف خان اور سردار مختار خان وغیرہ کے تعاون سے اپنی مسلم کانفرنس بنا لی اور چودھری غلام عباس کے ساتھ دوبدو سیاسی جنگ شروع کر دی تو سردار فتح محمد خان کریلوی نے چودھری غلام عباس کا ساتھ دیا البتہ اس خانہ جنگی اور باہمی سر پھٹول میں سرگرم حصہ نہیں لیا کیونکہ وہ عمل کی طبیعت کے سراسر خلاف تھا۔ وہ اس دوران اپنے علاقہ کی فلاح اور مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں کوشاں رہے جس کا اندازہ ان کی روزمرہ کی کارکردگی اور رپورٹوں سے ہوتا ہے۔

فوجیوں کے ساتھ اَن بن

اس وقت تھکیالہ پراوہ کی طرف سے محاذ فوجی سامان پہنچانے کے لئے کوئی سڑک نہیں تھی۔ سارا سامان مزدوروں اور خچروں کے ذریعے محاذ جنگ تک لے جایا جاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ بالائی حصے میں آباد لوگوں کو بھی آمدورفت کی بے حد تکلیف تھی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ کوٹلی سے نکیال تک پختہ سڑک تعمیر ہو جائے تاکہ لوگوں کو پریشانی سے نجات ملے۔ اس مقصد کے پیش نظر ان ہی کی کوششوں سے فوجیوں نے سڑک نکالنی شروع کی لیکن فوجیوں کے ساتھ کریلوی صاحب کی اَن بن ہو گئی جس کا ذکر انہوں نے اپنی ایک تفصیلی رپورٹ میں کیا ہے۔ ان کی تحریر کے مطابق فوجی افسر سڑک پر کام کرنے والے مقامی لوگوں کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کرتے تھے اور کریلوی صاحب اپنے علاقے کے لوگوں کے ساتھ اس سلوک کو برداشت کرنے والے کہاں تھے۔ انہوں متعلقہ فوجی افسر کو جب فہمائش کی تو فوجی افسر ناراض ہو گئے اور انہوں نے کریلوی صاحب کے خلاف یہ الزام گھڑا کہ

انہوں نے کچھ سرکاری بندوقیں اور ایمونیشن اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔حالانکہ اس زمانے میں جو لوگ محاذ جنگ پر لڑتے رہے اور سیز فائز کے بعد واپس اپنے علاقوں آئے تھے تو ان میں سے اکثر لوگ اپنے اپنے ہتھیار اور ایمونیشن بھی اپنے اپنے گھروں کو لائے تھے کہ وہ ان ہی ہتھیاروں سے دوبارہ دشمن کے خلاف جہاد کریں گے۔سردار فتح محمد خان کریلوی علاقہ مہنڈر کے ایڈمنسٹریٹر تھے۔ان کے ذاتی استعمال کے لئے ایک دو بندوقوں کا ان کے گھر میں ہونا کوئی تعجب کی بات نہ تھی لیکن بایں ہمہ فوجی افسروں کے ان کی خانہ تلاشی کرائی اور انہیں گرفتار کرا کر راولپنڈی لائے اور ازاں بعد جب راولپنڈی میں ذمہ دار فوجی افسروں کو اصل صورتحال کا پتہ چلا تو انہوں نے کریلوی صاحب کی رہائی کے احکامات جاری کردیئے اور معذرت بھی کی۔

کریلوی صاحب کا عزم نو

فوجی افسروں نے سردار فتح محمد خان کریلوی جیسے نامور قومی رہنما' بہادر مجاہد اور غازی کشمیر کے خلاف جو سازشیں تیار کی اور اسے عملی جامہ پہنایا اس کا ذکر کریلوی صاحب نے اپنی چند دوسری رپورٹوں میں بھی کیا ہے۔وہ اس سازش سے نکلنے کے بعد بددل نہیں ہوئے بلکہ ایک عزم نو کے ساتھ قومی خدمت میں مصروف رہے۔ان کے سامنے تین محاذ تھے۔اول آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی صفوں کو مضبوط کرنا' دوئم مہاجرین جموں کشمیر بالخصوص مہاجرین مہنڈر اور حویلی کی آبادکاری اور ان کے مسائل کی طرف توجہ دینا اور سوئم اپنے علاقہ کے تعمیری وترقیاتی مسائل کی طرف کماحقہ توجہ دینا۔کریلوی صاحب پوری توجہ سے ان تینوں محاذوں پر خدمات انجام دیتے رہے۔دوران جنگ اور جنگ بندی کے بعد تحصیل مہنڈر اور حویلی سے تقریباً دس ہزار مسلمان بے خانماں ہو کر پاکستان کے مختلف مہاجر کیمپوں میں پڑے تھے جن کو بے شمار مشکلات کا سامنا تھا۔کریلوی صاحب کی رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود ان

کیمپوں کے مسلسل دورے کر کے مہاجرین کی حوصلہ افزائی کرتے تھے بلکہ تواتر سے افسران بالا کی توجہ بھی ان کی ضرورتوں کی طرف مبذول کراتے تھے اور ان کی دلی خواہش تھی کہ جن لوگوں نے سالہا سال تک کریلوی صاحب پر اعتماد کیا انہیں کسی قسم کی شکایت نہ ہو۔ مسلمانان مہنڈر اور حویلی کو سردار فتح محمد خان سے دلی انس تھا کیونکہ وہ ان کے گزشتہ مجاہدانہ کارناموں سے واقف تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں سے لٹ پٹ کر پاکستان کی طرف آئے تو ان کا آخری سہارا اور امیدوں کا مرکز سردار فتح محمد کریلوی ہی تھے اور وہ اپنا رونا انہی کے سامنے روتے تھے۔

مہاجرین کے مسائل کے ساتھ ساتھ کریلوی صاحب کے سامنے اپنے علاقہ کے دوسرے مسائل بھی تھے اور ان کے علاقہ میں بھی کئی مہاجر کنبے اور نومسلم ایسے تھے جن کا مکمل بھروسہ کریلوی صاحب پر تھا۔ اس وقت اس علاقہ میں اشیاء خوردنی ناپید تھیں۔ کیونکہ انقلاب نے اس سارے علاقہ کا زرعی نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ یہ خطرناک پہاڑی علاقہ تھا جس میں سڑکیں نام کو نہ تھیں اور سڑک کے ذریعہ اس علاقہ کا پاکستان کے ساتھ کوئی رابطہ نہ تھا۔

کریلوی صاحب نے اولین توجہ سڑکوں کی طرف دی تاکہ پاکستان کے ساتھ رابطہ ہو اور اشیاء خوردنی اس علاقہ میں آسانی سے پہنچائی جا سکیں۔ فتح پور نکیال سے ایک پیدل راستہ پیر کلنجر پہاڑی کی طرف جاتا تھا۔ ایک وقت میں اس کو صرف اسی قدر درست کیا گیا تھا کہ اس سے خچریں ہی گزر سکتی تھیں۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے لوگوں سے رات دن محنت کرا کے اس راستہ کو پختہ سڑک میں تبدیل کرایا کیونکہ دفاعی لحاظ سے اس سڑک کی اشد ضرورت تھی۔ اس سڑک کی تعمیر سے ایک طرف سامان جنگ بڑی آسانی سے محاذوں تک پہنچنے لگا اور دوسری طرف ایک بہت بڑے علاقے کے لئے آمد و رفت کی سہولت بھی ہو گئی۔ اس سڑک کی تعمیر کے

ساتھ ساتھ کریلوی صاحب نے علاقہ کی دوسری سڑکوں کی طرف بھی توجہ دی۔

جنگ کی وجہ سے سارے ملک کا تعلیمی نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ ڈوگرہ دور میں جو محدودے چند پرائمری سکول ان میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ منقطع تھا۔ کریلوی صاحب نے رات دن کوشش کر کے علاقہ کے تعلیمی نظام کو بحال کرانے کی کوشش کی اور پڑھے لکھے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ رضا کارانہ طور پر کھلے میدانوں میں بٹھا کر لوگوں کے بچوں کو پڑھائیں تا کہ ان کا وقت نہ ضائع ہو۔ کریلوی صاحب کی کوشش سے تھکیالہ پراوہ میں کئی پرائمری سکول کھل گئے جن میں بچے تعلیم پانے لگے۔ علاقہ میں لوگوں کے باہمی جھگڑے تنازعے نمٹانے کے لئے انہوں نے پنچائت کا نظام قائم کر رکھا تھا اور اکثر سنجیدہ معاملات کی نگرانی اور فیصلے وہ خود کیا کرتے تھے جن سے کبھی اختلاف نہ کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس طرف بھی توجہ دی کہ ملک کا زرعی اور تجارتی نظام درست ہو۔ انقلاب سے پہلے کریلوی صاحب نے یہاں کے مسلمانوں میں یہ شعور پیدا کیا کہ وہ تجارت کی طرف توجہ دیں اور زراعت کے ذریعہ اپنی زمینوں سے غلہ پیدا کریں کیونکہ انسان کی بنیادی ضرورت غلہ ہے۔ ان کی تحریری رپورٹوں سے اندازہ ہوتا کہ وہ حکومت سے مطالبہ کرتے تھے اور اس بات پر شدت سے زور دیتے تھے کہ حکومت زمینداروں کو بیل خریدنے کے لئے مالی امداد کرے اور کاشت کے لئے اچھے بیج فراہم کرے تا کہ لوگ اپنی زمینوں سے مکئی، گندم اور دھان پیدا کر سکیں۔ یہ ان کے مسلسل مطالبات اور کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس سارے علاقہ میں لوگوں نے زراعت اور کاشتکاری کی طرف بھرپور توجہ دی اور اس طرح وہ زرعی پیداوار کے معاملہ میں خود کفیل ہو گئے۔

افسوس ناک سیاست

جن دنوں سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے علاقہ کے مسائل اور مہاجرین کے معاملات

میں مصروف تھے انہی دنوں میں آزاد کشمیر کی سیاست نے منفی رنگ اختیار کر لیا تھا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی کے لئے سیاست سے وابستہ رہنا ایک فطری بات تھی لیکن وہ منفی سیاست سے یکسر بیزار تھے اور اس میں کسی قسم کا کردار ادا کرنے کے روادار نہ تھے کیونکہ یہ باہمی مناقشات' سازشوں اور خانہ جنگی کی سیاست تھی جس سے سردار فتح محمد خان کریلوی کو دلی طور پر نفرت تھی۔

مئی 1949ء میں جب اچانک ہی چودھری غلام عباس خرابی صحت کے باعث سیاست سے الگ ہوئے اور جماعتی صدارت اے آر ساغر کو سونپی گئی تو اس وقت اگر سردار فتح محمد خان کریلوی ذرا بھی عندیہ ظاہر کرتے تو لامحالہ جماعت کا صدر انہیں ہی بنایا جاتا کیونکہ اے آر ساغر ان سے بہت جونیئر تھے حتیٰ کہ چودھری غلام عباس جونیئر تھے کیونکہ سردار فتح محمد خان کریلوی نے قومی زندگی کا سفر 1927' 1928ء میں شروع کیا تھا اور مسلم کانفرنس کے سیاسی سفر کا آغاز 1932ء میں ہوا تھا' تاہم کریلوی صاحب نے کبھی بھی جماعت میں کسی بڑے عہدے کی خواہش نہیں کی بلکہ وہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا ہی اپنا اصل مشن سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ چودھری غلام عباس کی عدم موجودگی میں بھی پورے خلوص کے ساتھ جماعتی سرگرمیوں اور قومی جدوجہد میں حصہ لیتے رہے۔ اس دوران جب جماعت کی مجلس عاملہ نے سردار محمد ابراہیم خان کو آزاد کشمیر کی صدارت سے ہٹا کر کرنل سید علی احمد شاہ کو آزاد کشمیر کا صدر بنایا تو جماعت میں دھڑے بندی شروع ہو گئی۔ سردار محمد ابراہیم خان نے اپنی مسلم کانفرنس الگ بنالی اور آزاد کشمیر میں کرنل سید علی احمد شاہ کے مقابلہ میں متوازی حکومت بھی بنائی۔ اس مرحلہ پر بھی اگر سردار فتح محمد خان کریلوی تیار ہوتے تو کرنل علی احمد شاہ کی جگہ وہ آزاد کشمیر کے صدر بنائے جاسکتے تھے۔ 31 مئی 1950ء سے 3 دسمبر 1951ء تک کرنل سید علی احمد شاہ آزاد کشمیر کے صدر رہے اور جماعتی طور پر سردار فتح محمد خان کریلوی نے ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

جون 1952ء میں کرنل شیر احمد خان کو آزاد کشمیر کا صدر بنایا گیا جو 1956 تک اس منصب پر رہے۔ اگر اس دفعہ بھی کریلوی صاحب خواہشمند ہوتے تو کرنل شیر احمد خان کی جگہ بڑی آسانی سے آزاد کشمیر کے صدر بن سکتے تھے کیونکہ وہ اپنے پیچھے بڑا ہنگامہ خیز اور شاندار ماضی رکھتے تھے۔ وزارت امور کشمیر نے کئی مرتبہ انہیں اس کی پیش کش بھی کی لیکن انہوں نے ہمیشہ اقتدار کی سیاست سے دور رہنا پسند کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اقتدار کی سیاست ان کے مزاج اور بے باک فطرت کے خلاف ہے۔

سردار محمد ابراہیم خان اور ان کے ساتھی کارکن پوری شدت سے کرنل شیر احمد خان کی مخالفت کر رہے تھے یہاں تک کہ سردار محمد ابراہیم خان نے گاؤں گاؤں پھر کر اس قسم کی تقریریں کیں کہ کرنل شیر احمد خان کی حکومت غیر آئینی ہے۔ اسے زمینوں کا مالیہ مت ادا کرو اور فی الواقع لوگوں نے سردار محمد ابراہیم خان کے کہنے پر حکومت کو مالیہ دینا بند کر دیا۔ اس دوران جب پلندری کے ہنگامہ کے باعث تحصیل سدھنوتی اور باغ میں پنجاب کانسٹیبلری کے سپاہی آئے جنہیں اس زمانے میں پی سی کہا جاتا تھا تو انہوں نے اہل پلندری کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کیا یہاں تک کہ انہوں نے سارے سیاسی کارکن گرفتار کر لئے اور 13 مکانات ڈائنامائٹ سے اڑا دیئے۔

اس دارو گیر کے وقت سردار فتح محمد خان کریلوی نے پی سی کی کارروائیوں کی شدید مذمت کی کیونکہ فطری طور پر وہ ظلم کے خلاف تھے۔ انہوں نے ذاتی طور پر سدھنوتی کے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور جن جن سیاسی کارکنوں کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا ان کے حوصلے بلند کیے۔

ایک عظیم سیاسی رہنما اور بالغ نظر مدبر ہونے کی حیثیت میں ان کی ہمیشہ کوشش یہ رہی

کہ آزاد کشمیر کی سیاست میں دھڑے بندی نہ ہو اور وہ مخلصانہ جذبے کے ساتھ اتحاد کی کوشش کرتے رہے کیونکہ باہمی اختلافات کی وجہ سے ایک طرف پاکستان کے تمام سیاسی رہنما اور اعلیٰ حکام بدظن تھے اور دوسری طرف آزاد کشمیر کے لوگوں میں بھی گروہ بندی' قبیلہ پرستی اور بے چینی کے اثرات پروان چڑھ رہے تھے۔ آزاد کشمیر کے لوگوں نے اگرچہ پی سی کی افسوسناک کارروائی کے بعد اندھی شخصیت پرستی ترک کر لی تھی تاہم سیاسی گروہ بندی اور قبیلہ پرستی کے عناصر بدستور موجود تھے اور ان حالات میں چودھری غلام عباس محسوس کر رہے تھے کہ محاذ آرائی ترک کر کے سردار محمد ابراہیم خان کے ساتھ صلح ہی بہتر رہے گی۔

ادھر وزارت امور کشمیر میں بھی کسی حد تک تبدیلی آ گئی تھی کیونکہ وزیر امور کشمیر نواب مشتاق احمد گورمانی کی جگہ ڈاکٹر محمود حسین نے وزیر امور کشمیر کی حیثیت سے اختیارات سنبھال لئے تھے اور ان کی بھی خواہش تھی کہ آزاد کشمیر کے لیڈر باہمی محاذ آرائی ترک کر کے ملک اور قوم کے مفاد میں ایک ہی پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوں۔ سردار محمد ابراہیم خان نے حکومت پاکستان کے ایماء پر چودھری غلام عباس سے سلسلہ جنبانی شروع کی جس کے لئے وہ پہلے ہی تیار تھے۔ پاکستان میں یہ چودھری محمد علی کی وزارت عظمیٰ کا زمانہ تھا اور ان کا خاص الخاص معتمد وزارت امور کشمیر کا جوائنٹ سیکرٹری مسٹر اظفر تھا جس نے کشمیری لیڈروں کے اتحاد کے لئے بنیادی کردار ادا کیا اور اس طرح چودھری غلام عباس اور سردار محمد ابراہیم خان کے درمیان وقتی طور پر صلح ہو گئی اور اتحاد ثلاثہ کا زبردست کنونشن منعقد کیا گیا جس میں علاقہ جات شمالی کے علاوہ آزاد کشمیر کے سارے سیاسی رہنما اور کارکن شامل ہوئے۔

اسی دوران مئی 1956ء میں جب کرنل شیر احمد خان آزاد کشمیر کی صدارت سے الگ ہوئے تو عارضی طور پر تین ماہ کے لئے میر واعظ مولوی یوسف شاہ کو صدر بنایا گیا اور ان کے بعد

دسمبر 1956ء میں سردار محمد عبدالقیوم خان آزاد کشمیر کے صدر بنائے گئے۔ اس وقت پاکستان میں چودھری محمد علی کی جگہ حسین شہید سہروردی وزارت عظمیٰ پر فائز ہو چکے تھے جن کے اشارے سے آزاد کشمیر میں عوامی لیگ بنائی گئی۔ چودھری غلام عباس ان دنوں رفیوجی کونسل کے چیئرمین تھے۔ حسین شہید سہروردی نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری آفتاب احمد اور میر واعظ مولوی یوسف شاہ کے مشورہ سے چودھری صاحب کو اس منصب سے ہٹا کر ان کی جگہ شیخ دین محمد کو رفیوجی کونسل کا چیئرمین مقرر کیا۔ شیخ دین محمد امور کشمیر کے مشیر بھی تھے۔ اس دوران 9 ماہ بعد سردار محمد عبدالقیوم خان کو آزاد کشمیر کی صدارت سے الگ کر کے 13 اپریل 1957ء کو پھر سردار محمد ابراہیم خان کو آزاد کشمیر کی صدارت سونپ دی گئی۔

اس عرصہ میں آزاد کشمیر کی داخلی سیاست میں کئی نشیب و فراز آئے اور کئی سازشیں ہوئیں جن میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے عملاً کوئی حصہ نہیں لیا البتہ وہ جماعت کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں بدستور شرکت کرتے رہے اور چودھری غلام عباس کو جماعتی اور ملکی مفاد میں مشورے بھی دیتے رہے۔ اس کے علاوہ ان کا سارا وقت اپنے علاقہ کے مسائل اور ریاستی مہاجرین کی بحالی کے معاملات میں صرف ہوتا رہا۔ اس دوران پاکستان میں حسین شہید سہروردی کی جگہ آئی آئی چندریگر وزیراعظم بن چکے تھے اور آزاد کشمیر کے رہنماؤں نے اتحاد کی جو دیوار کھڑی کی تھی اس میں بھی دراڑیں پڑنی شروع ہو گئی تھیں۔ پاکستان کے صدر سکندر مرزا تھے اور آئی آئی چندریگر کی حیثیت ان کے نامزد کردہ وزیراعظم کی سی تھی۔ ان کی جگہ جب 1958ء میں پاکستان کی وزارت عظمیٰ ملک فیروز خان نون کے پاس آئی تو چودھری غلام عباس نے راولپنڈی میں ان سے ملاقات کر کے انہیں مشورہ دیا کہ سردار محمد ابراہیم خان کو آزاد کشمیر کی صدارت سے ہٹا کر کسی دوسرے آدمی کو صدر بنایا جائے۔

اس وقت ایک بڑی مشکل یہ بھی تھی کہ اتحاد ہونے کے باوجود تمام سیاسی کارکن حسب سابق ذہنی اور فکری طور پر الگ الگ دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب ملک فیروز خان نون مظفر آباد کے دورہ پر آئے تو مسلم کانفرنس کے ایک دھڑے کے کارکنوں نے سردار محمد ابراہیم خان کے خلاف شدید مظاہرہ کرنے کا پروگرام بنایا۔

کے ایل ایم

ملک فیروز خان نون کے دورہ مظفر آباد کے فوراً بعد 4 مئی 1958ء کو چودھری غلام عباس وزیراعظم پاکستان سے بالمشافہ ملاقات کرنے کے لئے کراچی گئے کیونکہ اس وقت مقبوضہ کشمیر میں شیخ عبداللہ کو اقتدار سے ہٹا کر گرفتار کرلیا گیا تھا۔ چودھری غلام عباس محسوس کرتے تھے کہ شیخ عبداللہ کی اقتدار سے علیحدگی اور گرفتاری سے مقبوضہ کشمیر میں جونئی صورتحال پیدا ہوئی ہے اسکے پیش نظر آزاد کشمیر میں ایک زبردست لبریشن موومنٹ منظم کی جائے جس کے پرجوش جتھے احتجاج کرتے ہوئے جنگ بندی لائن عبور کرلیں اور اس طرح عالمی سطح پر مسئلہ کشمیر میں جان پڑے کیونکہ آزاد کشمیر اور پاکستان کی گزشتہ سیاسی محاذ آرائیوں کے باعث مسئلہ کشمیر سردخانے میں پڑ چکا تھا اور لوگ اس جان لیوا مسئلہ کو بھولتے جارہے تھے۔ اس وقت آزاد کشمیر کی طرف سے کسی ایسی طوفانی تحریک کی ضرورت تھی جس سے مسلمانان مقبوضہ کشمیر کے حوصلے بھی بلند ہوں اور بھارت کو بھی احساس ہو کہ مسئلہ کشمیر زندہ ہے۔ پاکستان کے تمام سیاسی راہنما اور حکام اس وقت مسئلہ کشمیر کو فراموش کر کے داخلی جوڑ توڑ اور باہمی آویزشوں کا شکار تھے چنانچہ جب ان حالات میں چودھری غلام عباس نے کے ایل ایم تحریک کے لئے منصوبہ بندی کی تو سردار فتح محمد خان کریلوی کو اس تحریک کا مرکزی راہنما بنایا گیا کیونکہ مشکل مہمیں سر کرنا کریلوی صاحب ہی کا کام تھا۔ چودھری غلام عباس کی خصوصی درخواست پر انہوں نے یہ گراں ذمہ داری

قبول کی اور اپنا مرکزی دفتر راولپنڈی میں ہی قائم کر دیا تاکہ یہاں سے ہو کر وہ سارے آزاد کشمیر اور پاکستان کے جماعتی کارکنوں سے رابطہ قائم کر سکیں۔ وہ اپنے گاؤں سے راولپنڈی آئے اور بے سروسامانی کے عالم میں کے ایل ایم کے لئے رابطہ مہم شروع کر دی۔ مہاجرین جموں کشمیر میں سے جو جماعتی کارکن تھے وہ پاکستان کے کونے کونے میں آباد تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے سب سے پہلے بذریعہ خطوط ان سب کارکنوں کو جماعتی فیصلہ سے آگاہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس تحریک کی افادیت کو اجاگر کرنے کے لئے اخبارات میں مضامین بھی لکھوانے شروع کئے۔ اس وقت راولپنڈی سے صرف روزنامہ کوہستان اور تعمیر شائع ہوتے تھے اور جماعت کا ہفت روزہ اخبار پاک کشمیر تھا۔ راولپنڈی کے مقامی اخبارات کے علاوہ کریلوی صاحب نے پاکستان کے تمام اخبارات سے رابطہ قائم کیا اور پورے زور وشور سے کے ایل ایم تحریک کی تیاری کی۔ خبریں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہونے لگیں۔ سردار فتح محمد خان کریلوی نے تحریک کے لئے راولپنڈی کے مرکزی دفتر کو پوری طرح منظم کیا اور آزاد کشمیر و پاکستان میں لبریشن کمیٹیاں قائم کرائیں جن کے تمام عہدیداروں کا اجلاس 15 جون 1958ء کو راولپنڈی میں منعقد ہوا تاکہ جنگ بندی لائن عبور کرنے کے لئے حتمی فیصلہ کیا جائے۔ اس کے بعد 28 جون 1958ء کو راولپنڈی میں ایک زبردست اجلاس ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ تحریک بالکل پرامن رہے گی اور 9 ذی الحجہ کے روز جنگ بندی لائن عبور کی جائے گی اور نماز عیدالاضحیٰ سری نگر کی خانقاہ معلیٰ میں ادا کی جائے گی۔ اس اجلاس کے بعد سردار فتح محمد خان کریلوی نے پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں مہاجر کیمپوں کا دورہ کر کے پُرجوش تقریریں کیں اور اس طرح تمام کارکنوں کے اندر ایک ولولہ اور جہاد کے لئے نئی روح پھونک دی۔

لبریشن کمیٹیوں کے صدر اپنے اپنے حلقوں میں جتھوں کی قیادت کرنے کے لئے سالار

مقرر ہوئے اور طے ہوا کہ مقررہ تاریخ کو یہ اپنے اپنے حلقوں سے ہزاروں رضا کاروں کے جتھے لے کر جنگ بندی لائن کی طرف روانہ ہونگے۔اس تحریک کے لئے اجلاس میں فیصلہ ہوا تھا کہ جنگ بندی لائن عبور کرنے کے لئے صرف ریاستی باشندے ہی حصہ لیں گے۔

چودھری غلام عباس چونکہ آزاد کشمیر کے تمام حصوں کا دورہ کر کے لوگوں کو تحریک کے مقاصد سے آگاہ کر چکے تھے اس وجہ سے لوگوں میں بے حد جوش و خروش تھا۔اس موقع پر جو ضلع وار کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں ان کے رہنما حسب ذیل تھے۔

راجہ محمد حیدر خان ضلع مظفر آباد' سردار لطیف خان ضلع پونچھ' سردار فتح محمد خان کریلوی ضلع میر پور' خواجہ محمد اقبال بٹ ضلع سیالکوٹ' شیخ منظر مسعود لاہور' خواجہ نور محمد کراچی' چودھری باغ حسین گوجرانوالہ' خواجہ محمد شفیع صراف گجرات' ڈاکٹر مظفر حسین جہلم' مولانا محمد اسماعیل ذبیح ایبٹ آباد' خواجہ علی محمد پشاور' سردار بشیر احمد خان راولپنڈی' ازاں بعد راولپنڈی کے لئے مرزا غلام رسول بیگ اور ہٹیاں مظفر آباد کے لئے منشی گوہر خان مقرر ہوئے۔اسی طرح مرید شاہ گیلانی حویلی کیپٹن محمد عظیم خان پلندری' سردار دوست محمد خان باغ' چودھری خورشید احمد خان بھمبر' سید محبوب شاہ کوٹلی اور پیر سید سلیم گیلانی کا مظفر آباد کے لئے تقرر عمل میں لایا گیا۔

راولپنڈی میں سردار فتح محمد خان کریلوی کی قیادت میں تحریک کے لئے ایک پبلسٹی کا شعبہ بھی قائم کیا گیا تھا جس میں سردار فیاض عباسی ایڈیٹر پاک کشمیر اور گلزار احمد فدا ایڈیٹر ہفت روزہ جہاد سیالکوٹ شامل تھے۔

کے ایل ایم تحریک کے مرکزی رہنما خود چودھری غلام عباس تھے لیکن اس کے سارا نظام راولپنڈی میں رہ کر سردار فتح محمد خان کریلوی چلا رہے تھے جس کے لئے ان دنوں انہیں رات دن کام کرنا پڑا۔تنظیم کے مرکزی ڈھانچہ میں سیکرٹری جنرل یوسف صراف کے علاوہ سردار

محمد عبدالقیوم خان، راجہ محمد حیدر خان، کرنل شیر احمد خان، غازی الٰہی بخش، کے ایچ خورشید، ڈاکٹر مظفر حسین اور قاضی خورشید عالم شامل تھے۔ یہ ترتیب اس طرح قائم کی گئی تھی کہ جب چودھری غلام عباس جنگ بندی لائن عبور کر جائیں تو اسی ترتیب کے مطابق تمام کمانڈر اپنے اپنے حلقوں سے جتھے لے کر جنگ بندی لائن کی طرف روانہ ہوں گے اور بعض رہنماؤں کے لئے یہ طے ہوا تھا کہ وہ گرفتاری نہیں دیں گے بلکہ باہر رہ کر کام کریں گے اور اس سارے نظام کی نگرانی سردار فتح محمد خان کریلوی کے ذمہ تھی اور مرکزی ہائی کمان کا یہ فیصلہ تھا کہ کریلوی صاحب گرفتاری نہیں دیں گے۔

اس عظیم الشان تیاری کے بعد چودھری غلام عباس نے 4 مئی 1958ء کو ملک فیروز خان نون وزیراعظم پاکستان کے نام ایک تفصیلی خط لکھا اور اس کے بعد متعدد یادداشتیں ارسال کیں لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ اس کے بعد انہوں نے پاکستان کے متعدد شہروں کا دورہ کیا اور بالآخر 28 جون 1958ء کو جب راولپنڈی سے جنگ بندی لائن کی طرف روانہ ہوئے تو کوہالہ پل بند کر دیا گیا اور وہ گرفتار کر لئے گئے۔

چودھری صاحب کی گرفتاری کے بعد تحریک پورے زور و شور کے ساتھ شروع ہو گئی اور مختلف علاقوں کے کمانڈروں نے اپنے اپنے جتھے لے کر جنگ بندی لائن کا رخ کیا۔ تحریک کے سیکرٹری جنرل یوسف صراف گرفتار کر لئے گئے اور انہیں ساہیوال کی جیل میں بھیج دیا گیا۔ راجہ محمد حیدر خان جب اپنا جتھہ لے کر چناری کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں گرفتار کر کے پلندری جیل میں پہنچایا گیا۔ یوسف صراف کی گرفتاری کے بعد تحریک کے سیکرٹری جنرل اے آر ساغر تھے لیکن انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے ساتھ ساتھ سردار بشیر احمد خان اور کرنل شیر احمد خان بھی گرفتار کر لئے گئے۔

جب سردار محمد عبدالقیوم خان اپنا جتھہ لے کر چناری کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور اس کے بعد تمام قائدین کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ اس افراتفری کے عالم میں سردار فتح محمد خان کریلوی راولپنڈی کے مرکز میں رہ کر تحریک کو منظم کرتے رہے اور دفتر کا سارا انتظام چلاتے رہے۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ نمایاں قائدین کی گرفتاری کے بعد تحریک دم توڑ جائے گی لیکن سردار فتح محمد خان کریلوی نے اس میں نئی روح پھونک دی تھی کیونکہ وہ بے مثال تنظیمی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کے دفتر میں رات دن جماعتی کارکنوں کا ایک میلہ سا لگا رہتا تھا اور یہ کارکنوں کے اخراجات کا بھی بندوبست کرتے تھے اور تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے بھی نئی حکمت عملی اختیار کرتے تھے۔ اس وقت سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اخبارات کے ساتھ رابطہ رکھا جائے چنانچہ کریلوی صاحب نے اس کے لئے خاطر خواہ انتظام کر رکھا تھا اور ہر روز اخبارات میں تحریک سے متعلقہ خبریں اور مضامین نمایاں طور پر شائع ہوتے تھے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اپنے حلقہ میں تحریک کے لئے بے پناہ جذبہ پیدا کیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ان اطراف سے جتھے جنگ بندی لائن کی طرف روانہ ہوئے تو کوٹلی جو ضلع میر پور میں شامل تھا کے تین رضا کاروں نے جنگ بندی لائن عبور کر لی حالانکہ ان رضا کاروں کے علاوہ کسی جگہ سے بھی کوئی رضا کار جنگ بندی لائن عبور نہ کر سکا کیونکہ کمانڈروں کو راستہ ہی میں گرفتار کر کے ان کے جتھے منتشر کر دیئے جاتے تھے۔ اس وقت آزاد کشمیر کے صدر سردار محمد ابراہیم خان تھے اور انہیں تحریک سے شدید اختلاف تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ تحریک ان کی حکومت کو بے اثر کرنے کے لئے چلائی جا رہی ہے اور اسی خیال سے وہ ان کے کارکن تحریک کے خلاف اخبارات میں بیانات دے رہے تھے لیکن اس کے باوجود کے ایل ایم تحریک پوری کامیابی سے چلی اور اسے چلانے کے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی نے بنیادی کردار ادا

کیا۔ تحریک کے دوران وہ راولپنڈی کے مرکزی دفتر میں رہ کر جتھہ کمانڈروں کو ہدایات بھی جاری کرتے رہے اور دورے کر کے رضاکاروں کو جتھوں میں شامل ہونے اور جنگ بندی لائن کی طرف بڑھنے کی بھی ترغیب دیتے رہے۔

مارشل لاء

پاکستان میں ملک فیروز خان نون کی حکومت بری طرح سیاسی انتشار اور سازشوں کا شکار ہو چکی تھی۔ اسمبلی کے انتخابات نومبر 1958ء میں ہونے طے پائے تھے لیکن بعض وجوہ کی بنا پر انہیں مارچ 1959ء تک ملتوی کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے عام لوگوں میں تلخی پائی جاتی تھی۔ جب مسلم لیگ کی قیادت خان قیوم کے پاس آئی تو انہوں نے ساٹھ ساٹھ میل لمبے جلوس نکالنے شروع کر دیئے اور اس صورتحال سے صدر پاکستان سکندر مرزا بے حد پریشان تھے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلم لیگ کی کامیابی کے بعد ان کے اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انہوں نے جلسے اور جلوسوں میں بے تحاشا لاٹھی چارج کرایا اور ملک میں دفعہ 144 نافذ کر دی جس سے حالات اور زیادہ خراب ہو گئے۔ انہوں نے ان حالات کے پیش نظر 7 اکتوبر 1958ء کی رات کو اپنے ایک فرمان کے ذریعہ ملک کا آئین معطل کر کے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ اس وقت پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف محمد ایوب خان تھے۔ انہوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ملک کا اقتدار سنبھال لیا اور اس طرح غیر معینہ مدت تک کے لئے پاکستان اور آزاد کشمیر میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد ہو گئی۔

صدر ایوب خان نے پاکستان کے معاشی' اقتصادی اور سیاسی حالات سدھارنے کے لئے جو ابتدائی اقدامات کئے ان میں آزاد کشمیر کا معاملہ بھی تھا لیکن آزاد کشمیر میں مارشل لاء کے

اثرات نہیں پہنچے حالانکہ آزاد کشمیر میں ان اثرات کا آنا ایک لازمی امر تھا۔ سکندر مرزا کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر قدرت اللہ شہاب تھے جو سکندر مرزا کے بعد ایوب خان کے ساتھ نتھی ہو گئے اور انہوں نے آزاد کشمیر کے بارے میں صدر ایوب خان کو مشورے دینے شروع کر دیئے۔

کے ایچ خورشید اور بی ڈی نظام

کے ایچ خورشید مرحوم کے ساتھ چونکہ شہاب صاحب کے ذاتی مراسم تھے اور چودھری غلام عباس کے ساتھ جموں کے ناطے گہری نیاز مندی تھی اس لئے انہوں نے کے ایچ خورشید صاحب کو آزاد کشمیر کا صدر بنوانے کے لئے راہ ہموار کرنی شروع کر دی۔ کے ایچ خورشید کے حق میں ایک یہ بات بھی جاتی تھی کہ وہ قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری رہ چکے تھے۔ قدرت اللہ شہاب نے چودھری غلام عباس کو یہ کہہ کر رضا مند کر دیا کہ کے ایچ خورشید ان کے وفادار رہیں گے جبکہ ایچ خورشید کا نام زیر بحث آیا تو مسلم کانفرنس کے دونوں دھڑے عباس گروپ اور ابراہیم گروپ سنجیدگی سے اس بات پر غور کرنے لگے۔ سردار محمد ابراہیم خان کو پختہ یقین ہو گیا تھا کہ قدرت اللہ شہاب وزارت امور کشمیر سے مل کر چودھری غلام عباس کی رضا مندی سے کے ایچ خورشید کو آزاد کشمیر کی صدارت کے لئے آگے لانا چاہتا ہے اس لئے ان کے سامنے رضا مندی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور ایوبی مارشل لاء کی دہشت بھی سامنے تھی۔ جب سردار محمد ابراہیم خان کو اوپر سے اشارہ ملا تو انہوں نے اپنے گھر اپنی مسلم کانفرنس کا اجلاس بلایا جس میں عباس گروپ بھی شامل ہوا اور اس طرح مسلم کانفرنس کے دونوں گروپوں کی رضا مندی سے مسٹر کے ایچ خورشید یکم مئی 1959ء کو آزاد کشمیر کے صدر بنا دیئے گئے۔

بی ڈی نظام

صدر ایوب کی مارشل لاء حکومت کا پہلا زندہ جاوید کارنامہ یہ تھا کہ وہ دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد لے آئی اور اس طرح آزاد کشمیر کے لیڈروں کے لئے یہ سہولت پیدا ہوئی کہ وہ کراچی کے لمبے سفر سے بچ گئے' دوسرا کارنامہ پاکستان کا بی ڈی نظام تھا۔ صدر ایوب خان نے مارشل لاء کے ذریعہ پاکستان کا اقتدار حاصل کیا تھا لیکن بین الاقوامی حالات کے تحت وہ مارشل لاء کے سایہ میں زیادہ عرصہ تک برسراقتدار نہیں رہ سکتے تھے اور پاکستان کا اقتدار سیاسی رہنماؤں کے ہاتھ میں دینے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے پاکستان میں بی ڈی نظام رائج کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ بی ڈی ممبروں کے ذریعہ آسانی سے صدارتی الیکشن میں ووٹ حاصل کئے جا سکیں۔

اس نظام کے نفاذ سے پہلے اس کی اہمیت اور افادیت وسیع پراپیگنڈا کے ذریعہ لوگوں پر واضح کی گئی اور اس کا تجربہ آزاد کشمیر میں کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کے ذریعہ آزاد کشمیر میں سیاسی گہما گہمی شروع ہوئی۔ پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے گاؤں کریلہ مجہان میں ہی رہے اور اس دوران وہ علاقہ کے لوگوں کے باہمی جھگڑے تنازعے نبٹاتے رہتے تھے اور ان کی ساری توجہ علاقہ کی تعمیر و ترقی کی طرف مبذول تھی۔

جب بی ڈی کے الیکشن قریب آئے تو لوگوں کے شدید مطالبہ پر کریلوی صاحب اپنے علاقہ میں بی ڈی ممبر منتخب ہوئے اور اس حلقہ کی دوسری نشست سے ان کے فرزند ارجمند سردار سکندر خان بھی بی ڈی ممبر بنے۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک زمانے میں وہ تحصیل حویلی اور مہنڈر کی طرف سے ریاستی اسمبلی کے ممبر اور ان دو تحصیلوں کے بے تاج بادشاہ تھے اور ایک وقت ایسا آیا کہ انہوں نے اپنے حلقہ کے لوگوں کی فلاح و بہبود کی خاطر یہ چھوٹی سی ممبری قبول کر لی۔ یہ ان کے انکسار اور عوامیت کا زندہ ثبوت ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے علاقے کے لوگوں کی

خدمت کرنا چاہتے تھے۔ بڑی یا چھوٹی پوزیشن کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتے تھے کیونکہ طبعاً وہ فقیر منش اور سادگی پسند انسان تھے۔ وہ اپنی یونین کونسل میں بیٹھ کر اپنے لوگوں کے مسائل کے لئے بھی بالکل اسی طرح سوچا کرتے تھے جس طرح کہ وہ کبھی ریاستی اسمبلی کے ایوان میں تحصیل مہنڈر اور حویلی کے ہزاروں نہیں بلکہ کئی لاکھ لوگوں کے لئے سوچتے تھے۔ وہ دائرہ وسیع تھا اور یہ دائرہ محدود لیکن خلوص، لگن اور جذبہ وہی تھا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے اس محدود دائرہ میں بھی اپنے عوام کی بے مثال خدمت کی اور کبھی کسی آدمی کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی کے ہمدردانہ رویہ اور انصاف پسندی کی کئی مثالیں لوگوں میں موجود ہیں کہ انصاف کے معاملہ میں وہ کسی کی سفارش نہ سنتے تھے اور نہ ہی اپنے پرائے میں امتیاز رکھتے تھے۔ اس دوران وہ اپنے علاقے کے لوگوں کی خدمت بھی کرتے رہے اور جماعتی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے۔ انہوں نے ملک کی تعمیری و ترقیاتی کاموں کی طرف پوری پوری توجہ دی اور ان کی کوشش سے کئی نئے سکول منظور ہوئے اور کئی پرائمری سکولوں کو مڈل اور کئی مڈل سکولوں کو ہائی سکول کا درجہ دیا گیا۔

بعد کا دور

کشمیر کی آزادی کا معاملہ کے ایم ایل ایم تحریک کے بعد سرد خانے میں پڑ چکا تھا اور اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اس سلسلہ میں جان ڈالنے کے لئے ایک آل پارٹیز کشمیر کانفرنس بلائی جائے۔ کریلوی صاحب کافی عرصہ سے اس بارے میں چودھری غلام عباس کو مشورہ دے رہے تھے کیونکہ چودھری غلام عباس تحریک آزادی بورڈ کے چیئرمین بھی تھے چنانچہ جب دسمبر 1962ء میں لاہور میں اس کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہوا تو اس کی تیاری کے لئے

کریلوی صاحب نے بھرپور کردار ادا کیا۔ مسلم کانفرنس کی طرف سے بلائی جانے والی یہ پہلی کانفرنس تھی جس میں پاکستان کی تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کے سربراہوں نے شرکت کر کے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

مقبوضہ کشمیر میں جب موئے مقدس کی چوری کا واقعہ ہوا تو وادی کشمیر کے تمام مسلمان بھارتی سنگینوں کے سایہ میں سراپا احتجاج بن گئے۔ان کے ساتھ اظہار یکجہتی اور موئے مقدس کی بے حرمتی کے خلاف پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں احتجاجی مظاہرے ہوئے' بالخصوص راولپنڈی میں جس قدر احتجاجی جلسے ہوئے ان سب میں کریلوی صاحب شامل ہوتے رہے۔اس شدید تحریک کے نتیجہ میں جب شیخ عبداللہ رہا ہوئے اور وہ پاکستان آئے تو کریلوی صاحب نے راولپنڈی میں اس حیران کن جلسہ میں شرکت کی جو شیخ عبداللہ اوران کے ساتھیوں سے ملاقات کی تو بڑی دلسوزی سے انہیں مشورہ دیا کہ وہ کشمیری مسلمانوں کے بارے میں ایک مسلمان کے دماغ سے سوچیں اور کشمیری مسلمانوں کی تکالیف کو ایک مسلمان کے دل سے محسوس کریں۔

جب 1965ء میں پاک بھارت جنگ شروع ہوئی تو سردار فتح محمد خان کریلوی بالکل اسی جذبے سے سینہ سپر ہوئے جس جذبے کے ساتھ وہ 1947ء میں تھے' جتنا عرصہ جنگ جاری رہی سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے علاقے میں جگہ جگہ پھر کر نوجوانوں کو جہاد کے لئے تیار کرتے رہے اور لوگوں کے حوصلے بلند کرتے رہے۔اس جنگ کے دوران مقبوضہ پونچھ اور راجوری سے ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے کوٹلی اور میرپور کی طرف چلے آئے تھے۔انہیں خوردونوش اور رہائش کی بے حد پریشانی تھی۔سردار فتح محمد خان کریلوی نے اپنے اثر ورسوخ سے ان کی آبادکاری کے لئے بھرپور کردار ادا کیا۔

سٹیٹ کونسل:

۱۹۶۸ء میں جب آزاد کشمیر میں سٹیٹ کونسل کے انتخابات ہوئے تو لوگوں کی خواہش اور مطالبہ پر کریلوی صاحب نے اس انتخاب میں حصہ لے کر کامیابی حاصل کی اور اس حیثیت میں بھی انہوں نے اپنے علاقہ کے لوگوں کی گراں قدر خدمت انجام دی اور ان کی کوشش سے ان کے علاقہ کے کئی تعمیری و ترقیاتی منصوبے مکمل ہوئے۔

جولائی ۱۹۶۹ء میں آزاد کشمیر کے آئندہ انتخابات کے لئے ایک طے شدہ آئینی فارمولے کا اعلان کیا گیا اور پاکستان کی حکومت نے پہلی بار تسلیم کیا کہ آزاد کشمیر میں ۲۵ ممبران پر مشتمل اسمبلی ہوگی جس کو قانون بنانے اور بجٹ پاس کرنے کے اختیارات حاصل ہوں گے۔ اسمبلی کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی کہ ۱۶ ممبر آزاد کشمیر سے منتخب ہوں گے' ۸ مہاجرین جموں کشمیر مقیم پاکستان سے اور ایک خاتون ممبر ہوگی اور صدر آزاد کشمیر کا انتخاب براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوگا۔ اس الیکشن میں آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس نے بھرپور حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور سردار فتح محمد خان کریلوی نے طے کیا کہ وہ خود الیکشن نہیں لڑیں گے بلکہ اپنے جانشین کے طور پر اپنے فرزند گرامی سردار سکندر حیات خان کو آگے لائیں گے چنانچہ جب ان کے حلقہ میں الیکشن ہوئے تو سردار فتح محمد خان کریلوی اپنی انتخابی و پارلیمانی ذمہ داریاں سردار سکندر حیات کو منتقل کرنے کے باوجود وہ جماعتی امور سے بدستور وابستہ رہے اور جماعت کے تمام پروگراموں میں پورے جوش و جذبے کے ساتھ حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو کر بنگلہ دیش بنا تو اس المیہ نے کریلوی صاحب کو نڈھال کر دیا تھا اور وہ زیادہ تر خانہ نشین ہی تھے مگر اس دوران جب آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کرٹ والڈ ہائم کے راولپنڈی آنے پر شدید مظاہرے کا پروگرام بنایا تو بیمار ہونے

کے باوجود کریلوی صاحب اپنے گاؤں سے پیدل کوٹلی آئے اور وہاں سے بس کے ذریعہ راولپنڈی پہنچ کر مظاہرے میں شرکت کی' اس کے باوجود کہ وہ بڑی حد تک سیاسی عمل سے دستکش ہو کر خانہ نشین ہو چکے تھے مگر جب جماعت میں کوئی بحران آتا تھا یا مسئلہ کشمیر کے بارے میں کسی جلسے یا احتجاجی مظاہرے کا پروگرام بنتا تھا تو کریلوی صاحب اس میں ایک تازہ ولولے کے ساتھ شرکت کرتے تھے۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد جب ۱۲ نومبر ۱۹۷۰ء کو سردار محمد عبدالقیوم خان نے با اختیار صدر کی حیثیت سے مظفر آباد کالج گراؤنڈ میں حلف لیا تو اس تاریخی تقریب میں کم و بیش ایک لاکھ افراد نے شرکت کی' کریلوی صاحب کو اس تقریب میں شرکت کے لئے بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔

الیکشن کے بعد سردار محمد ابراہیم خان نے اپنی مسلم کانفرنس آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس میں مدغم کر دی تھی یا اپنی آزاد مسلم کانفرنس چودھری نور حسین کے حوالے کر کے خود آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کی صدارت سنبھال لی تھی' جب ایکٹ ۱۹۷۴ء پاس ہوا اور آزاد کشمیر میں نئے انتخابات کی تیاری شروع ہوئی تو بھٹو صاحب کے اشارے سے سردار محمد ابراہیم خان نے مسلم کانفرنس سے پھر اپنا گروپ الگ کر لیا۔ ان کے اس طرز عمل سے کریلوی صاحب کو بے حد صدمہ ہوا کیونکہ وہ جماعت میں گروپ بندی کے سخت مخالف تھے لیکن وزیر اعظم پاکستان کی حکمت عملی یہ تھی کہ آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کو ختم کر کے آزاد کشمیر کا اقتدار آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے سپرد کیا جائے اور اس منصوبے کی تکمیل کے لئے انہوں نے سردار محمد ابراہیم خان کو اعتماد میں لے لیا تھا۔ شدید کشمکش کے بعد عدم اعتماد کے ذریعہ آزاد کشمیر سے سردار محمد عبدالقیوم خان کی حکومت ختم کی گئی اور پھر ۱۹۷۵ء کے انتخابات میں جعلسازی اور دھاندلی کے ذریعہ پیپلز پارٹی

کے امیدواروں کو کامیاب کرا کے ممبر اسمبلی بنوایا گیا۔ ازاں بعد جب اپریل ۱۹۷۵ء میں سردار محمد عبدالقیوم خان کو پلندری جیل میں نظر بند کر دیا گیا تو سردار فتح محمد خان کریلوی نے جماعت کی شیرازہ بندی کرنے کے لئے نہایت مفید مشورے دیئے اور اپنے فرزند گرامی سردار سکندر حیات خان کو مشورہ دیا کہ وہ پوری جرأت اور حوصلے سے اس بحران کا مقابلہ کریں اور کسی قیمت پر جماعت کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں۔

پاکستان میں تحریک:

جنوری ۱۹۷۷ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان میں انتخابات کرائے اور جلسازی و دھاندلی کے ذریعہ قومی و صوبائی اسمبلی کی تمام نشستوں پر پیپلز پارٹی کے امیدواروں کو کامیاب کرا دیا تو ان کے خلاف پاکستان کی آٹھ سیاسی و دینی جماعتیں متحد ہو گئیں اور ذوالفقار علی بھٹو کے اس افسوسناک طرز عمل کے خلاف شدید تحریک شروع ہو گئی۔ بھٹو صاحب نے چونکہ آزاد کشمیر میں جلسازی کے ذریعہ پیپلز پارٹی کو کامیاب کرایا تھا اس وجہ سے پاکستان کے متحدہ قومی محاذ میں نویں جماعت مسلم کانفرنس بھی شامل ہو گئی' جس کے لیڈر سردار سکندر حیات خان کو پاکستان کے متحدہ قومی محاذ پاکستان قومی اتحاد کا سیکرٹری جنرل بنایا گیا اور انہوں نے اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے اس تحریک میں ایک نئی روح پھونک دی۔ یہ مرحلہ سردار سکندر حیات خان کے لئے بہت نازک تھا مگر انہیں قدم قدم پر اپنے والد گرامی سردار فتح محمد خان کریلوی مشورے دیتے اور حوصلہ بڑھاتے رہے اور اس طرح سردار سکندر حیات خان نے پاکستان کے سیاسی حلقوں میں ایک بلند مقام حاصل کیا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی خود تو عملی سیاست سے الگ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں جو سیاسی بصیرت عطا کی تھی اس سے انہوں نے اپنے فرزند گرامی سردار سکندر حیات خان کی پوری پوری راہنمائی کی اور اس طرح پاکستان کے

متحدہ قومی محاذ کی پوری تحریک میں سردار سکندر حیات خان نے روح رواں کا کردار ادا کیا۔

۵ جولائی کو جب مارشل لاء کے ذریعہ جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کیا تو آزاد کشمیر کا نظم ونسق چلانے کے لئے انہوں نے بریگیڈیئر محمد حیات خان کو متعین کیا اور اس طرح طویل عرصہ کے لئے پاکستان اور آزاد کشمیر میں تمام سیاسی سرگرمیاں معطل ہو گئیں۔

۱۹۷۷ء کے بعد جب ۱۹۸۵ء میں آزاد کشمیر میں پھر سیاسی عمل بحال ہوا تو الیکشن کی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ جنرل محمد ضیاء الحق کو اندازہ ہو گیا کہ آزاد کشمیر میں آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کو اقتدار سے الگ رکھ کر نظم ونسق برقرار رکھنا مشکل ہے۔ اس وجہ سے مسلم کانفرنس کو پورے طور پر الیکشن میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ جب الیکشن ہوئے تو مسلم کانفرنس نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ سردار سکندر حیات خان اپنے حلقہ کی نشست سے کامیاب ہوئے اور ۱۷ جون ۱۹۸۵ء کو انہیں آزاد کشمیر کا وزیر اعظم بنایا گیا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے اقتدار کی سیاست سے ہٹ کر ملک وقوم کی آزادی کے لئے طویل مدت تک جو مخلصانہ اور مجاہدانہ خدمات انجام دی تھیں ان عظیم الشان اور درخشاں خدمات کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ان کے فرزند گرامی سردار سکندر حیات خان کو آزاد کشمیر کا حکمران بنا دیا تھا اور ایسے مواقع بہت کم خوش نصیب لوگوں کی زندگی میں آتے ہیں۔ جو لوگ صلہ کی تمنا سے بے نیاز ہو کر کسی بلند نصب العین کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں ان کی زندگی میں ایک دور انتہائی خوشی کا بھی آتا ہے۔ جس زمانے میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے ڈوگرہ حکومت کو للکارا تھا اس زمانے میں ریاست جموں کشمیر کے بچے بچے کی زبان پر سردار فتح محمد خان کریلوی کا نام تھا اور ان کے نام کے گیت گائے جاتے تھے۔ لوگ کہتے تھے

کہ سردار فتح محمد خان کریلوی راجہ پونچھ کو ہٹا کر خود پونچھ کے حکمران بننا چاہتے ہیں۔ ۱۹۲۷ء ۱۹۲۸ء میں شاید یہ پیش گوئی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ۱۹۸۵ء میں اس صورت میں پوری کی کہ وہ خود تو حکمران نہ بنے لیکن ملک کی زمام کار اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے سردار سکندر حیات خان کو دے دی۔

جس روز سردار سکندر حیات خان نے مظفر آباد میں بحیثیت وزیر اعظم آزاد کشمیر حلف اٹھایا اس مبارک تقریب میں ان کے والد گرامی سردار فتح محمد خان کریلوی بھی موجود تھے۔ لوگ ان کو مبارکباد دیتے تھے اور وہ بڑی متانت اور انکساری سے ہر مبارک دینے والے سے یہی کہتے تھے کہ مبارکباد کے ساتھ ساتھ سکندر کے لئے دعا بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے حوصلہ اور ہمت دے اور وزارت عظمیٰ کے دوران ان سے کوئی کام ایسا سرزد نہ ہو جس سے ملک وقوم اور جماعت کو نقصان پہنچے۔ یہ بڑا امتحان ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس میں میرے بیٹے کو سرخرو کرے۔

اس تقریب کے بعد سردار فتح محمد خان کریلوی زیادہ تر اپنے علاقہ میں ہی رہتے تھے اور ان کی ساری توجہ ایک طرف سردار سکندر حیات خان کی کامیابی کی طرف تھی اور دوسری طرف ان ذمہ داریوں کی طرف جو سردار سکندر حیات خان کے کندھوں پر آن پڑی تھیں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی کی طویل سیاسی زندگی بے داغ گزری تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ وزارت عظمیٰ کے دوران ان کے بیٹے سے کوئی ایسی غلطی ہو جس سے ان کی سیاسی ریاضت پر حرف آئے اور یہی وجہ تھی کہ ہر مرحلہ پر وہ اپنے بیٹے کی پوری پوری راہنمائی کرتے تھے۔ آزاد کشمیر کے سیاسی ڈھانچہ کی تکمیل (یعنی وزارت عظمیٰ اور صدارتی انتخابات) کے بعد صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے آزاد کشمیر کا چار روزہ تفصیلی دورہ کیا۔ مظفر آباد باغ، پلندری

راولاکوٹ، غازی آباد کے دورہ کے بعد جب وہ کوٹلی پہنچے تو وہ سردار فتح محمد خان کریلوی کی خصوصی دعوت پر فتح پور نکیال بھی گئے جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا اور کریلوی صاحب نے ان کے اعزاز میں ایک ظہرانہ دیا جس میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔ اس موقع پر صدر آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم خان اور وزیراعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان نے بھی خطاب کیا۔ سردار سکندر حیات خان نے اپنے خطاب میں صدر پاکستان کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔

ضیاء الحق کا دورہ:

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی تقریر کا آغاز پرجوش نعروں اور تالیوں کی گونج میں ہوا۔ انہوں نے اس تاریخ ساز گاؤں کے باشندوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ یہ خطہ مجاہدوں، غازیوں اور شہیدوں کی قربانیوں کا ثمر ہے اور آج بھی یہاں کے لوگ گولیوں کے سایہ میں پاکستان کے بلاتنخواہ سپاہی ہیں۔ انہوں نے سردار فتح محمد خان کریلوی اور ان کے فرزند گرامی سردار سکندر حیات خان کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر کریلوی صاحب نے صدر پاکستان کو تاریخی تلوار پیش کی جو انہوں نے ۱۹۴۷-۴۸ء کی تحریک کے دوران ایک ڈوگرہ اہلکار سے چھینی تھی۔

سردار سکندر حیات خان کی حکومت کے یادگار کارناموں میں سے ایک کارنامہ شاہ ہمدان انٹرنیشنل کانفرنس بھی ہے جس کا انعقاد ۲، ۳ اور ۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو مظفرآباد میں ہوا اور جس میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے بطور خاص شمولیت اختیار کر کے حضرت شاہ ہمدان کے بارے میں حضرت علامہ اقبال کے اشعار ترنم سے پڑھے۔ اس عظیم الشان کانفرنس میں دنیا کے تقریباً ۳۰ ممالک کے سکالروں اور دانشوروں نے شرکت کی تھی اور اس تاریخی تقریب میں بھی سردار فتح محمد خان کریلوی بھی تشریف لائے تھے اور اس دفعہ وہ کئی دنوں تک مظفرآباد میں قیام

پذیر رہ کر سردار سکندر حیات خان کی حکومت اور عوامی کاموں کا جائزہ بھی لیتے رہے اور انہیں بعض معاملات میں مشورے بھی دیتے رہے تاکہ لوگوں کو ان سے کوئی شکایت نہ ہو اور عوامی مسائل بطریق احسن حل ہوں۔ آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے ۵۷ ویں سالانہ اجلاس کے انعقاد کے لئے مظفر آباد میں ۲۹ اور ۳۰ ستمبر ۱۹۸۸ء کی تاریخیں طے ہوئی تھیں۔ اس اجلاس میں وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان نے مسلم کانفرنس کی صدارت صدر آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم خان کو سونپی۔ اس تاریخی اجلاس میں سردار فتح محمد خان کریلوی بطور خاص تشریف لائے تھے۔ اس دفعہ بھی وہ چند دن تک مظفر آباد میں قیام پذیر رہے اور وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان کو مفید مشورے دیتے رہے۔

رحلت:

مظفر آباد کے اس آخری سفر کے بعد جب وہ اپنے آبائی گاؤں نکیال پہنچے تو ان کی صحت خراب ہو چکی تھی اور طبیعت ناساز رہنے لگی تھی۔ تھوڑے دن صاحب فراش رہنے کے بعد ۱۵ مارچ ۱۹۸۹ء کو اس دنیا سے رحلت فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ''انا للہ وانا علیہ راجعون''۔ ان کی رحلت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی اور آزاد کشمیر کے سیاسی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ ایک ایسا مجاہد اور سیاسی راہنما دنیا سے چل بسا تھا جس نے اپنی ساری زندگی ملک وقوم کے لئے وقف رکھی اور کسی مرحلہ پر بھی کسی صلہ کی تمنا نہیں کی۔ جس نے تن تنہا ۱۹۲۷-۸۲ء میں ڈوگرہ سامراج کو للکار کر اس کی چولیں ہلائیں اور پھر اپنی انقلابی تحریک کو آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے ساتھ شامل کر کے ساری زندگی اس کی آبیاری کے لئے صرف کر دی جس نے نہ کبھی خوشامد اور ذاتی توصیف پسند کی اور نہ پراپیگنڈے کے ذریعے اپنی شخصیت کو چمکانے کا خیال کیا جس نے اپنی پوری زندگی میں اپنی تعریف میں کسی سے

ایک فقرہ بھی نہ لکھوایا اور سیاست کو ایک عبادت سمجھ کر اس کے خارزاروں میں سفر کرتا رہا۔ اس مثالی سیاست دان کی موت یقیناً ایک قومی المیہ تھا جس سے ہماری تاریخ حریت کا ایک باب ختم ہو گیا۔ انہوں نے ایک ملاقات میں بجا طور پر فرمایا تھا کہ ہمارے زمانے کی سیاست دشمن کے خلاف جہاد تھا جس میں ہم پیش پیش تھے اور ہم نے کبھی بھی پہلو تہی نہیں دکھائی اور عہد حاضر کی سیاست باہمی گروہ بندی اور اقتدار کی جنگ ہے جس میں ہم شامل نہیں ہوتے بلکہ اس سے دامن بچاتے ہیں لیکن اس بے ثبات زندگی کے لئے موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ وہ لالچ، باہمی جنگ اور اقتدار کی سیاست سے دامن بچاتے ہوئے اس دنیا سے گزر گئے اور ان کی اس مخلصانہ ادا نے ان کی عظمت کو اجاگر کیا اور ان کی شخصیت کو اپنے پرائے سب کے لئے محترم بنایا۔ جب ان کی رحلت کی خبر آئی تو ان کے عقیدت مندوں، جماعتی کارکنوں اور پرانے ساتھیوں کا فتح پور نکیال کی طرف ایک تانتا بندھ گیا اور پاکستان کی تمام بڑی بڑی سیاسی و دینی شخصیات نے ان کی نماز جنازہ میں شامل ہونے کے لئے ان کے آبائی گاؤں کا رخ کیا۔

تعزیت:

سردار فتح محمد خان کریلوی کی نماز جنازہ میں اس وقت کے صدر پاکستان غلام اسحٰق خان اور وزیر امور کشمیر نے بھی شرکت کی جبکہ وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کی نمائندگی ان کے مشیر میجر جنرل (ر) نصیر اللہ خان بابر نے کی۔ پاکستان بھر کے سینکڑوں دیگر سیاسی راہنماؤں، علمائے کرام، صحافیوں اور دانشوروں نے بھی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ آزاد کشمیر کے بھی تمام سیاسی راہنماؤں اور علمائے دین نے ان کے گاؤں جا کر نماز جنازہ میں شرکت کی اور اپنے اپنے بیانات و تاثرات کے ذریعہ ان کی عظیم الشان قومی خدمات کو سراہا اور انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔

پڑھائی۔ صدر پاکستان غلام اسحٰق خان اور گورنر سرحد امیر گلستان خان جنجوعہ نے وزیراعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان کے نام تعزیت کے خصوصی پیغامات بھیجے۔

صدر پاکستان غلام اسحٰق خان کا پیغام

مکرمی سردار سکندر حیات خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد محترم کے جنازہ کے سوگوار موقع پر آپ سے اور دیگر احباب سے ملاقات ہوئی تھی۔ بے شک یہ آپ کا ذاتی نقصان ہی نہیں بلکہ کشمیر کے ان برگزیدہ لوگوں کے لئے بھی ایک بہت بڑا صدمہ ہے جنہوں نے مرحوم کے ساتھ مل کر ایک ربع صدی تک آزادی کشمیر کے لئے جدوجہد کی۔

مرحوم ایک محب وطن اور ممتاز سیاستدان تھے۔ انہوں نے مسلم کانفرنس کے جھنڈ تلے کشمیر کی آزادی کے لئے بھرپور جدوجہد کی اور اس نیک مقصد کے لئے اپنی زندگی وقف کئے رکھی۔

سٹیٹ کونسل کے رکن کی حیثیت سے بھی آزاد کشمیر کے لوگوں کی معاشی ترقی وخوشحالی کے لئے ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں اور قربانیوں کو شرف قبولیت بخشے اور مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو اور سوگوار خاندان کے دیگر افراد کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شریکِ غم

غلام اسحٰق خان

اسی طرح گورنر کا ایک تعزیتی خط سردار سکندر حیات خان کے نام امیر گلستان خان جنجوعہ گورنر سرحد نے بھی لکھا جس میں انہوں نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی رحلت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ وہ اپنے انگریزی خط میں لکھتے ہیں:

GOVERNOR`S HOUSE,

PESHAWAR.

No. psg/1 (2)/89

20 March 1989

My Dear Sardar Sahib,

To learn of the sad demise of your reverend fathere, Sardar Fateh Mohammad Khan Keralvi, is a matter of grief, sorrow and pain not only for those who had been, for decades, associated with his personality, patriotism and love for Islam but considering his services and selfless sacrifice rendered durung the struggle for creation of Pakistan he was one of those corpulent, courageous stalwarts who succeed, through his gallantry, prowess, acumen and jecterity, in

thwarting ill designs of forces inimical to the creation of pakistan. A true Mjahid Sardar Sahib was a fearless soldier of islam in its real sense.

Sardar Sahib was an institution who radiated virtues, elegance and righteousness. May Allah Subhan-o-Tallah grant peace to the departed soul and afford you the strength and patience to bear this great loss with fortitude - Ameen.

With warm regard,

Your Sincerely

(AMIR GULISTAN JANJUA)

اخبارات کی تعزیت:

کریلوی صاحب کی رحلت کی خبر سن کر پاکستان' آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے اخبارات نے بھی اپنے اپنے اخبارات میں تعزیتی اداریے اور نوٹ لکھے جن میں انہوں نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی مجاہدانہ زندگی اور قومی خدمات کو بھرپور انداز سے خراج عقیدت پیش کیا۔

جموں کے ہندو اخبار روزنامہ سچ کے ایڈیٹر ماسٹر روشن لال نے اپنے ہفت روزہ کی ایک اشاعت میں لکھا کہ پاکستان ریڈیو سے یہ خبر سن کر کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعظم سردار سکندر حیات خان کے والد بزرگوار سردار فتح محمد کریلوی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں ہمیں اس خبر سے سخت صدمہ ہوا ہے۔

سردار فتح محمد خان ابتدا سے ہی تحریک حریت میں شیخ عبداللہ شیر کشمیر اور قائد کشمیر چودھری غلام عباس صاحب کی قیادت میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہتے۔ ملک وملت کے لئے یہ قربانی دینے میں پیش پیش رہے۔ آپ نے کسی بھی وقت قربانی دینے میں گریز نہیں کیا۔ آپ متعدد بار جیل گئے' مجاہد میرپور محمد اکبر مرحوم اور سردار صاحب میں ایک مشن مشترک تھا آپ دونوں بڑے دلیر اور مصیبتوں کو بڑی خوشی سے برداشت کیا کرتے تھے۔

سردار فتح محمد خان تھکیالہ پڑادہ کے گاؤں کریلہ کے رہنے والے تھے جس کی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ کریلوی کا لقب لگا ہوا تھا' آپ عظیم فریڈم فائٹر' قربانی دینے والے مجسم اور ایک سچے مجاہد آزادی تھے۔ آپ کی قومی وملی خدمات کی وجہ سے اپنے علاقہ میں بڑے ہر دلعزیز تھے جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ آپ مہاراجہ کی پرجا سبھا میں ممبر کامیاب ہوئے حالانکہ حلقہ انتخاب منڈر سے آپ اکثر مقابلہ ایک طاقتور حریف چودھری غلام حسین لسانوی سے ہوتا رہا۔ حلقہ ہنٹر میں گوجروں کی آبادی کثرت سے ہے اور چودھری لسانوں کو ایک ایک گوجروں نے چودھری صاحب سے عقیدت کے سبب آپ کو گوجر گاندی کا خطاب دے رکھا تھا۔

سردار فتح محمد خان ایک آرگنائزر تھے آپ میں لوگوں کو جتھہ بند کرنے کی انتہائی صلاحیت تھی۔ آپ اپنے ساتھ سید' مومن' ترکھان' لوہار' ارائیں' موچی غرضیکہ تمام قوموں کو ساتھ ملا کر چلتے مقابلہ میں اترتے اور ہمیشہ کامیاب رہتے جبکہ گوجر گاندھی کو ہمیشہ شکست کا منہ دیکھنا پڑتا۔

پرجا سبھا میں بھی آپ بڑی جرأت سے عوام کی نمائندگی کرتے رہتے جس کا پتہ اسمبلی کی کارروائیوں سے چلتا ہے، اگرچہ آپ مسلم کانفرنس کے ٹکٹ پر انتخاب لڑتے مگر اسمبلی میں

تمام فرقوں، قبیلہ و مذہب کے غریب لوگوں کے لئے آواز بلند کرتے آپ کا اپنے ملک کے لوگوں کے ساتھ محبت کا ثبوت اس واقعہ سے آسانی سے مل جاتا ہے کہ 1947ء کے دوران انقلاب میں گاؤں تھکیالہ میں خون کی آندھی میں آپ کے علاقے کی کچھ ہندو لڑکیوں کو قبائلی اپنے ساتھ قبائلی علاقے میں لے جا رہے تھے کہ آپ نے علاقے کی مستورات کو ہندو مسلم کا خیال چھوڑ کر علاقے کی عزت سمجھتے ہوئے ان قبائلیوں کے ساتھ مسلح مقابلہ کر کے ان عورتوں کو قبائلیوں کے پنجہ سے آزاد کرا دیا تھا اس سے آپ کی انسان دوستی کا پتا چلتا ہے۔

غرضیکہ کہاں تک لکھوں مرنے والے میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ انہیں اپنے جوار رحمت سے نوازے اور ان کے لواحقین کو یہ صدمہ عظیم برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ یہ سلسلہ تو روکا نہیں جا سکتا اور جاری رہے گا جو آیا ہے اس نے جانا ہے شاہ گئے، گدا گئے، غنی گئے محتاج گئے ہم بھی جانے کو ہیں کل نہ گئے آج گئے۔

روزنامہ نوائے وقت نے اس موقع پر اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا تحریک آزادی کشمیر کے جرأت مند اور دلیر رہنما سردار فتح محمد خان کریلوی گزشتہ روز حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون سردار فتح محمد خان کریلوی اس زمانے میں مسلم کانفرنس میں شامل ہوئے جب اس طرح کا فیصلہ یا ارادہ کرنے والے پہلا قدم اٹھانے سے قبل ہزار بار سوچتے تھے مگر سردار صاحب نے جب ایک راستہ اور نصب العین اپنانے کا تہیہ کیا تو پھر تاخیر گوارہ کی اور نہ اہل جفا کا چیلنج قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لیا۔ ان کی شرکت کے بعد مسلم کانفرنس کا لائحہ عمل اور پیغام اس علاقے کے کاخ و کو میں پہنچایا اور ڈوگرہ استبداد سے نجات پانے والی انسانی آرزو کو نئی قوت اور جرات میسر آئی۔

وہ مدت سے صاحب فراش تھے۔ پھر علالت کے بعد بہت کمزور اور مضمحل رہنے لگے

تھے کہ رب کائنات کی طرف سے بلاوہ آ گیا اور وہ یہ روایت اپنے اثاثہ میں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے کہ جماعتوں میں سوچ سمجھ کر شرکت کرنا چاہئے تا کہ دم آخر تک رفاقت نبھانے میں ذہین انسانی پریشان نہ رہے۔

ہم سردار سکندر حیات خان کو اس لئے سپاس تعزیت پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنے عظیم باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے۔ سردار محمد عبدالقیوم سے اس لئے تعزیت کرتے ہیں کہ ان کی جماعت نا قابل تلافی نقصان سے دوچار ہوئی ہے اور مسلم کانفرنس کے کارکنوں سے اس لئے اظہار تاسف و ہمدردی کرتے ہیں کہ ان کی صفوں سے وہ شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا ہے جس کی وفاؤں پر ان کی جماعت کی تاریخ فخر و ناز کرتی رہی ہے۔

ہفت روزہ کشیر نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی رحلت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے ایک مفصل ماتمی اداریہ سپرد قلم کیا اور لکھا کہ تحریک حریت کشمیر کے صف اول کے بزرگ رہنما اور ریاست جموں و کشمیر میں تحریک پاکستان کے ایک مجاہد غازی کشمیر سردار فتح محمد خان کریلوی 15 مارچ 1989ء کو صبح پونے دس بجے اپنے گاؤں کریلہ مجہان ضلع کوٹلی میں اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ان کی عمر 90 سال تھی۔ آپ ریاست جموں کشمیر میں جدوجہد آزادی کی تحریک کے ابتدائی اور صف اول کے مسلمانوں کی تاریخ ساز اور انقلاب آفریں سیاسی تنظیم آل جموں و کشمیر کانفرنس کے بانیوں میں سے تھے۔ آپ کی وفات کی اطلاع ملتے ہی ضلع کوٹلی میں ان کے سوگ میں تمام کاروبار بند ہو گیا۔ آپ کے صاحبزادے وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان اس وقت مظفر آباد میں ایک اہم اجلاس میں مصروف تھے۔ انہیں دس بجے یہ افسوسناک خبر ملی۔ آہ اور آزاد حکومت کے دوسرے اکابرین مسلم کانفرنس کے رہنما اور اعلیٰ سرکاری حکام فتح پور نکیال پہنچے۔ 16 مارچ 1989ء کو

سردار صاحب مرحوم کو قومی اعزاز کے ساتھ چار بجے بعد از دوپہر سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس سے قبل مرحوم کی میت کو ایک ماتمی جلوس کی صورت میں ان کے آبائی گاؤں کریلہ مجہان سے نکیال لایا گیا۔ جلوس میں ہزاروں افراد شامل تھے۔ ان کی نماز جنازہ اور تدفین میں علاقے کے مردوزن اور پاکستان سے آئے ہوئے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ اس موقع پر جنازہ گاہ اور اس کے آس پاس مردوزن کا جو اجتماع تھا' اس میں کم و بیش 50 ہزار افراد موجود تھے اور یہ آزاد کشمیر میں مثالی جنازہ تھا۔ اس موقع پر سردار سکندر حیات خان نے اپنی اور اپنے سوگوار خاندان کی طرف سے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

نماز جنازہ سے قبل ایک اجتماع میں مرحوم کی قومی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس موقع پر جن جن رہنماؤں نے مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا' ان میں تحریک مل پارٹی کے صدر جنرل محمد حیات خان آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے سیکرٹری جنرل خواجہ محمد امین مختار' پیپلز پارٹی کے نائب صدر شیخ مظفر مسعود' لبریشن لیگ کے صدر محمد اشرف طارق' آزاد مسلم کانفرنس کے صدر چودھری سلطان محمود' شیعہ عالم سید کفایت حسین نقوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ضلع کونسل میں اس دن عام تعطیل کی گئی تھی اور حکومت نے آزاد کشمیر میں تین دن کے لئے تمام سرکاری تقریبات منسوخ کر دی تھیں۔

ہفت روزہ پاک کشمیر نے اپنے ادارتی کالموں میں مرحوم سردار فتح محمد خان کریلوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ تحریک آزادی کشمیر کے ایک ممتاز رہنما سردار فتح محمد خان کریلوی وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم کی نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ آزاد کشمیر اور پاکستان کے مختلف مقامات سے بھاری تعداد میں لوگ آئے اور یہ سلسلہ جاری تھا۔ مرحوم سردار فتح محمد خان کریلوی نے تحریک آزادی کشمیر میں نمایاں کردار ادا کیا اور

عوام کے حقوق کی خاطر لڑتے رہے۔ ابتدا سے ہی مسلم کانفرنس کے ساتھ وابستہ رہے اور قائد کشمیر چودھری غلام عباس کو ان پر ہمیشہ اعتماد رہا اور انہوں نے ہر آڑے وقت میں چودھری صاحب اور مسلم کانفرنس کا ساتھ دیا۔

کریلوی صاحب عرصہ دراز تک مہنڈر حویلی کی طرف سے ریاستی اسمبلی کے ممبر رہے۔ 1947ء کے انقلاب میں انہوں نے کھل کر حصہ لیا جہاں مسلمانوں کو ڈوگرہ فوج سے بچانے کی کوشش کی وہاں غیر مسلموں سے بھی اچھا سلوک کیا۔ آزادی کے بعد وہ نکیال منتقل ہو گئے اور یہاں بھی اپنی خدمات جاری رکھیں۔ عوام کو ان پر اعتماد تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی اپنی برادری کی تعداد بہت کم ہے اس لئے باوجود دوسری برادریاں انہیں اور ان کے فرزند سردار سکندر حیات خان کو انتخابات میں کامیاب کراتی رہیں۔ وہ عام لوگوں کے کام دلچسپی سے کراتے تھے۔ لوگوں کو ان سے اس قدر عقیدت تھی کہ اکثر لوگ ان کو اپنا مرشد مانتے تھے۔ وہ بیماری اور ضعیفی کے باوجود لوگوں کے کام آتے رہتے۔ وہ اپنے آپ کو عوامی خدمت کے لئے وقف کئے ہوئے تھے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور سردار سکندر حیات خان' سردار سرفراز خان' سردار نعیم خان اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

متذکرہ بالا اخبارات کے علاوہ پاکستان' آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کی اسمبلیوں کے علاوہ تقریباً سب ہی اخبارات نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی گرامی قدر شخصیت اور ان کے عظیم الشان قومی کارناموں کو سراہتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ ان کی رحلت کی خبر سن کر 15 مارچ کو آزاد کشمیر اور پاکستان کے کونے کونے سے جو اکابرین ان کے آبائی گاؤں فتح پور نکیال پہنچے' ان میں سے اکثر نمایاں شخصیات نے تعزیتی رجسٹر پر اپنے تاثرات قلمبند کئے جو کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان سب اکابرین نے سردار فتح محمد خان کریلوی کو شاندار الفاظ میں ہدیہ

عقیدت پیش کیا۔ طوالت کے باعث یہاں نہ وہ سارے تاثرات نقل کرنا ممکن ہے اور نہ ہی ان اکابرین کے نام درج کرنا۔

معاصرین کے تاثرات:

سردار فتح محمد خان کریلوی کی رحلت پر مظفرآباد سے شائع ہونے والے ماہنامہ عزیمت کے کارکنوں نے کریلوی صاحب کی قومی خدمات کو اجاگر کرنے کے لئے ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا تھا اور اس سلسلے میں ان حضرات سے تاثرات لئے تھے جنہوں نے سردار فتح محمد خان کریلوی کو قریب سے دیکھا تھا یا جو لوگ ان کی تحریک اور ان کے قومی کارناموں سے کماحقہ واقف تھے۔ ان اکابرین ذیل میں درج ہیں جن سے کریلوی صاحب کے مقام و مرتبے کا بخوبی پتہ چلتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی نے کن حالات میں مسلمانان ریاست کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا تھا اور پھر کس طرح وہ دم واپسیں تک اپنے نصب العین کے لئے سرگرم رہے اور کسی مرحلہ پر بھی انہوں نے تھکاوٹ محسوس نہیں کی۔

کشمیر کی سیاست میں اے آر ساغر کا مقام و مرتبہ مسلمہ ہے کیونکہ وہ مسلم کانفرنس کے بانی اراکین میں سے ہیں اور انہوں نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی تحریک کے بارے میں اس وقت سنا جب ابھی نہ مسلم کانفرنس قائم ہوئی تھی اور نہ چودھری غلام عباس اور شیخ عبداللہ لیڈر تھے بلکہ ان دنوں چودھری غلام عباس نے جموں میں وکالت کا آغاز کیا تھا اور شیخ عبداللہ سائنس ٹیچر بھرتی ہوئے تھے۔ اے آر ساغر ابھی تک بقید حیات ہیں مگر لب گور ہیں۔ جب ماہنامہ عزیمت کے نمائندہ نے اپریل 1989ء میں تاثرات کے لئے ان کے پاس حاضری دی تو انہوں نے 1931ء سے لے کر 1947ء تک کے حالات و واقعات اپنے ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے کہا سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم مسلم کانفرنس میں بہت اہمیت کے حامل رہنما

تھے اور سچی بات یہ ہے کہ مسلم کانفرنس کو جب بھی کوئی مشکل معرکہ درپیش ہوتا تھا اسے سر کرنے کے لئے مرحوم کریلوی صاحب کو ہی پکارا جاتا تھا اور وہ ایسے مرد میدان تھے کہ ہمیشہ معرکہ سر کر کے ہی آتے ناکام کبھی نہیں لوٹے اور خوف یا ڈر نام کی کوئی چیز ان کے قریب سے کبھی نہ گزری تھی۔

ساغر صاحب نے اپنے حافظہ پر زور دینے کے بعد کہا مرحوم کریلوی صاحب کی رفاقت میں میری عمر کا بڑا حصہ گزرا۔ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں اور اس نصف صدی کے قصے کو اگر تحریک آزادی کشمیر کے پس منظر میں دیکھیں تو ہر موڑ پر مرحوم کریلوی صاحب کی قدآور شخصیت نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایک کر کے میرے تمام پرانے ساتھی اٹھ گئے اور میں بھی اب لب گور ہوں۔ افسوس ہے کہ ہمارے جذبے کا کوئی رنگ ہماری نوجوان نسل پر نہیں نظر آتا۔ ساغر صاحب نے مرحوم سردار فتح محمد خان کی حاضر دماغی' سیاسی حکمت عملی اور اعلیٰ سیاسی بصیرت کا ذکر کرتے ہوئے کہا انہوں نے ریاستی اسمبلی کے الیکشن کے دوران ایک بہت بڑے جاگیردار کے مقابلہ مسلم کانفرنس کا ایک ایسا کمزور امیدوار کامیاب کرایا جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ یہ ان کی سیاسی حکمت عملی اور اعلیٰ تدبر کا زندہ ثبوت تھا۔

1944ء میں جب حضرت قائداعظم سرینگر کے دورے پر آئے تو ان کا پہلا استقبال جموں میں ہوا۔ اس موقع پر سردار فتح محمد خان کریلوی اپنے علاقے سے ہزاروں لوگ ساتھ لائے ان میں جماعت کے سینکڑوں جانثار کارکن بھی تھے اور پھر ہم سب اس تاریخی قافلے کے ساتھ سرینگر پہنچ پہنچے۔ کریلوی صاحب کے جانثار کارکن بھی ساتھ تھے۔ قائداعظم کافی عرصہ تک سرینگر میں رہے اور سارا عرصہ مسلم کانفرنس کی طرف سے کریلوی صاحب ان کی حفاظت پر متعین رہے۔ وہ قائداعظم کے شیدائی تھے۔ اس طرح انہیں قائداعظم کو قریب سے دیکھنے اور

ان کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔

ساغر صاحب نے بتایا کہ 1947ء کے بعد اکثر کریلوی صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور جب ہم مل بیٹھتے تو گھنٹوں پرانی یادیں تازہ کرتے رہتے تھے۔ سردار فتح محمد خان کریلوی انتہائی با اصول اور بات کے پکے سیاستدان تھے۔ میں نے ان کے دل میں کبھی ذاتی شہرت یا پبلسٹی کی خواہش نہیں دیکھی اور نہ وہ اپنے بارے میں اخبارات میں کچھ لکھواتے تھے۔ میرا ہفت روزہ اخبار جاوید باقاعدگی سے ان کے پاس جاتا تھا اور انہوں نے اس کی مکمل فائل بھی محفوظ رکھی تھی۔ جاوید کے علاوہ بھی ان کے پاس بہت سے اخبارات آتے تھے کیونکہ انہیں اخبار بینی کا بہت شوق تھا۔ ساغر صاحب نے کہا کشمیر کی وادی میں تحریک دو سال بعد پہنچی اس سے پہلے پونچھ اور جموں میں جس قدر تحریکیں چلیں ان میں ابتدائی مرحلہ ہی ہمارا اور کریلوی صاحب کا رابطہ ہو چکا تھا۔ 1928ء میں جموں کے مقام پر ان سے پہلی ملاقات اور اس کے بعد جس قدر ہنگامہ خیزیاں اور معرکے ہوئے محترم کریلوی صاحب اور ہم دوش بدوش رہے۔ خداوند تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ وہ ہمارے قافلہ آزادی کے عظیم مجاہد اور بہادر رہنما تھے۔ یہ ان کے خلوص ہی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنی آخری عمر سکون سے گزاری اور اس وقت رحلت کی جبکہ آزاد کشمیر کی وزارت عظمیٰ ان کے بیٹے سردار سکندر حیات خان کے پاس تھی۔

منشی معراج الدین احمد کے تاثرات:

منشی معراج الدین احمد تحریک آزادی کشمیر کے اولین کارکن ہونے کے ساتھ ساتھ ریاستی صحافت میں بھی بہت بلند مقام رکھتے ہیں کیونکہ ان کا ہفت روزہ اخبار "پاسبان" آج سے 55 سال پہلے 1932ء میں جاری ہوا تھا جب منشی معراج الدین احمد سے اپریل 1989ء میں مرحوم کریلوی صاحب کے بارے میں تاثرات لینے کے لئے سوال کیا گیا کہ آپ کی سب

سے پہلی ملاقات کریلوی صاحب کے ساتھ کہاں اور کن حالات میں ہوئی تو انہوں نے کہا جب وہ اسمبلی ممبر تھے تو ہم لوگ صحافی ہونے کے ناطے ان سے ملتے رہتے ہیں۔ پریس مین ہونے کی حیثیت سے ہمیں ملنے کی اجازت تھی اس وقت مسلمان قیادت میں اپنی جگہ بہت خوبیاں تھیں مگر کریلوی صاحب کو بعض باتیں ممتاز کرتی تھیں وہ بڑے لسان الطبع اور بے ساختہ طبیعت کے انسان تھے۔ انہوں نے کشمیری مسلمانوں کے لئے بہت بڑی خدمت انجام دی۔ جموں کشمیر اسمبلی کلنسی کمیشن کی سفارشات کے نتیجہ میں قائم ہوئی تھی۔ یہ ریاست کے تمام طبقوں کی نمائندہ اسمبلی تھی۔ سردار فتح محمد خان کریلوی ایک ممتاز خاندان کے فرد تھے۔ آپ نے مسلم کانفرنس کے احیا کے موقع پر بطور والنٹیئر دفتر قائم کر دیا تھا اور تمام انتظامات جو کہ جماعت کی حفاظت کے لئے تھے خود سنبھال لئے تھے۔

میری پہلی ملاقات ان سے اسمبلی میں ہوئی تھی۔ (مسلمان لیڈر کے تاثرات مقبوضہ کشمیر اسمبلی کی قرارداد) اس زمانے میں شہریوں کو ایک دوسرے کے ساتھ کھل کر سیاسی باتیں کرنے کی اجازت نہ تھی مگر اسمبلی ممبران کو یہ حق تھا کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں لوگوں سے ملیں اور بالخصوص صحافیوں سے ملنے پر کوئی پابندی نہ تھی اس کے باوجود کہ بعض ممبران کتراتے رہتے تھے مگر کریلوی صاحب دل کھول کر صحافیوں سے بات چیت کرتے رہتے تھے۔

بدقسمتی کی بات یہ ہوئی کہ کریلوی صاحب ممبر تھے کہ قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک کا سالار شیخ عبداللہ جنہیں ہم بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے' نیشنل کانفرنس بنا کر اس دھڑے کا صدر بن گیا اس نے جو کام کئے وہ مسلمانوں کے مفاد کے بالکل برعکس تھے لیکن سردار فتح محمد خان کریلوی مایوس نہ ہوئے اور مقابلے کے لئے میدان میں اتر آئے اور مسلم کانفرنس کو دوبارہ منظم و مضبوط کیا۔ اس وقت کشمیر کی اسمبلی ایک بڑا قانون ساز ادارہ تھا اس میں کریلوی

صاحب بڑی جرأت اور بے باکی سے بات کرتے تھے۔ صدر اسمبلی چھ ماہ بعد ایک دفعہ تمام ممبران کی دعوت کرتے تھے اور کریلوی صاحب وہاں بھی عوامی مسائل اور انسانی حقوق کی بات کرتے تھے۔ وہ کشمیری مسلمانوں کے سپہ سالار کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ انہوں نے مسلم کانفرنس کے بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالا دیا۔ انہوں نے یہ عہد کیا کہ کشمیری مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کے لئے کوشش کرتا رہوں گا۔ انہوں نے اس عہد کو نبھایا اور ریاستی مسلمانوں کی یکجہتی کے لئے انتھک کوشش کی۔ اس زمانے میں مسلم کانفرنس کے جو بھی اجلاس پونچھ میں ہوئے میں ان میں جاتا رہا۔ کریلوی صاحب کی کوششوں سے پونچھ میں مسلم کانفرنس ہمیشہ قلعہ کی طرح رہی۔ کریلوی صاحب کی زندگی ایک ہنگامہ خیز زندگی تھی؛ وہ پرعزم اور دلیر انسان تھے۔

سردار فتح محمد خان مرحوم کی زندگی کے چند اہم پہلو

عادات واطوار

بڑے لوگوں کی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہوتے ہیں جو عام لوگوں کی نگاہوں سے تو اوجھل ہوتے ہیں مگر حقیقی معنوں میں وہی پہلو ان لوگوں کی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور اگر ایک سوانح نگار ان پہلوؤں سے صرف نظر کر جائے تو گویا وہ اپنے ممدوح کو پورے طور پر خراج تحسین نہیں پیش کر سکا اور نہ ہی اپنے ممدوح کی زندگی کا مکمل احاطہ کر سکا ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم غازی کشمیر سردار فتح محمد خان کریلویکی زندگی کے چند ایسے پہلوؤں کو سامنے لائیں جس پر عام لوگوں کی نگاہ تو پڑی ہے لیکن کسی شخص نے ان پہلوؤں سے ان کی شخصیت کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

کشمیر کی تحریک آزادی کے بانی اور غازی کشمیر سردار فتح محمد خان کریلوی کا جنازہ موضع کریلہ

بچپن تکھیالہ پراوہ کے اس پرانے اور کچے مکان سے اٹھا جس میں انہوں نے آنکھ کھولی تھی اور شعور کی دہلیز پر پاؤں رکھا تھا۔

رحلت کے وقت وہ اس پوزیشن میں تھے کہ اسی گاؤں میں ان کی رہائش کے لئے جدید طرز کا ایک عظیم الشان بنگلہ تعمیر ہو سکتا تھا مگر انہوں نے اپنے والدین کے تعمیر کردہ مکان ہی میں اپنی جان کو جہاں آفرینی کے سپرد کرنا مناسب سمجھا کیونکہ اسی مکان سے ہو کر انہوں نے اپنی ہنگامہ خیز زندگی کی راہ پر پہلا قدم رکھا تھا اور اسی مکان میں رہ کر انہوں نے زمانے کے سرد گرم کا مقابلہ کیا تھا یہی وہ کچا مکان تھا جس کے صحن میں بیٹھ کر وہ سالہا سال تک دربار منعقد کرتے رہے' اپنے علاقے کے لوگوں کے باہمی جھگڑے تنازع نبٹاتے رہتے' غربا کے دکھ درد بانٹتے رہتے اور پھر ڈوگرہ بربریت سے اپنے ملک کو بچانے کے لئے حکمت عملی تیار کرتے رہتے انہیں اپنے اس حویلی نما آبائی مکان سے اس قدر پیار تھا کہ انہوں نے نہ تو اس کی تعمیر نو کرنے دی اور نہ ہی اپنے لئے کسی جدید طرز کے بنگلہ کی خواہش کی ان کی یہ ادا ان کے سادہ مزاج' خلوص اور حقیقت پسندی کی مظہر ہے اور یہ بات بہت کم لوگوں میں دیکھی گئی کہ انہوں نے استطاعت کے ہوتے ہوئے ایسی فقیرانہ زندگی کو ترجیح دی ہو ان کی یہ ادا ان کے عظیم شخصی کردار کو اپنے معاصرین میں نمایاں کرتی ہے خود کریلوی صاحب کے پرانے ساتھیوں اور ملنے والوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو ابتداء میں کچے مکانوں میں رہتے تھے لیکن جب زمانے نے ورق الٹا اور ان کے اچھے دن آئے تو انہوں نے اپنے طرز بود و ماند کو تبدیل کر دیا ان کے مقابلے میں سردار فتح محمد خان کریلوی ایک جاگیردار خاندان کے فرد تھے یہ اگر نمود و نمائش کے دلدادہ ہوتے تو بہت عرصہ پہلے اپنے آبائی مکان کی جگہ ایک بڑا بنگلہ تعمیر کرا چکے ہوتے لیکن ان کا تصور اور طرز حیات ان باتوں سے ماورا تھا۔ ان عادات و اطوار کے ساتھ ساتھ ان کی مجلس کا پہلو بڑا منفرد

تھا۔

مجلس زندگی: وہ باغ و بہار اور خوش گفتار ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی صاف گو اور دوٹوک انسان تھے اور ڈپلومیسی کو پسند نہیں کرتے تھے ڈوگرہ دور کی ریاستی اسمبلی کا ایوان ہو یا مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہو یا یونین کونسل کا کوئی اجلاس وہ ایک ہی انداز سے بات کرتے تھے اور منافقت کو کبھی برداشت نہیں کرتے تھے سچی اور کھری بات منہ پر کہنے میں انہوں نے اپنے اور پرائے کا کبھی لحاظ نہیں کیا۔

وہ بڑے طمطراق اور جوش و جذبے سے بات کرتے تھے جس سے ان کی بہادری' جرأت اور بلندی کردار کا پتہ چلتا تھا وہ جس انداز سے اپنے علاقے کے کسی مزدور سے بات کرتے تھے اسی انداز سے مہاراجہ ہری سنگھ اور صدر ریاستی اسمبلی سے بھی بات کرتے تھے اور ان کی فطرت میں مرعوبیت نام کو بھی نہ تھی اور نہ وہ زندگی بھر کسی سے مرعوب ہوئے جب کسی غریب کی حمایت یا عدل وانصاف کا معاملہ آتا تو وہ غریب کی حمایت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ دیتے اور سچی بات یہ ہے کہ ان کی اس ادا نے ان کی شخصیت کو نکھار کر ایسا چمکایا کہ اپنوں اور برائیوں کو ان کی شخصیت کا اعتراف کرنا پڑا۔

عدل وانصاف کے معاملہ میں وہ گویا ایک خصوصی عظمت کے حامل تھے جب وہ یونین کونسل کے ممبر تھے تو جج کی حیثیت میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں ان سے سہو ہوا اور جب ان کو اس بات کا احساس ہوا تو انہوں نے فوراً دوسرا ممبر جج مقرر کیا اور اس کے سامنے اپنے سہو کا اعتراف کرتے ہوئے جرمانہ ادا کیا۔ اس بات کے کئی عینی شاہد آج بھی ان کے علاقے میں موجود ہیں اور وہ اکثر اس بات کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

اصابت رائے: سردار فتح محمد خان کریلوی کو اللہ تعالیٰ نے جس خاص عظمت سے نوازا تھا اور جس

کی وجہ سے ان کے جوہر آشکار ہوئے وہ ان کی اصابت رائے تھی وہ نہایت غور وفکر کے ساتھ ایک رائے قائم کرتے تھے اور پھر خواہ آندھیاں چلیں یا طوفان اٹھیں وہ اس سے کبھی نہ پھرتے تھے اور بڑی بات یہ تھی کہ ان کی رائے اور مشورہ پر عمل کیا جاتا تھا۔

جب وہ ریاستی اسمبلی کے ممبر تھے تو مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی کے تمام ممبران ہر معاملہ میں ان کی رائے کو اولیت دیتے تھے اور ان کی رائے ہر معاملہ میں درست ثابت ہوتی تھی' اسی طرح مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ میں اگر کوئی مسئلہ زیر غور آئے تو ممبران کئی کئی گھنٹے اس پر آپس میں لڑتے اور بحث کیا کرتے تھے اور کریلوی صاحب چپ چاپ بیٹھے مسئلہ کے سارے پہلوؤں پر غور کرتے رہتے تھے آخر میں جب کریلوی صاحب سے رائے پوچھی جاتی تو جو مشورہ وہ دیتے اس پر عمل کیا جاتا اور جماعتی معاملہ میں یہ سلسلہ ان کی رحلت سے چند ماہ پہلے تک قائم رہا۔

مہمان نوازی: ان ساری خوبیوں کے ساتھ ساتھ سردار فتح محمد خان کریلوی کی جو خوبی آب زر سے لکھنے کے لائق ہے وہ ان کی سیرچشمی' کشادہ دستی اور مہمان نوازی تھی۔ ان کے جس کچے آبائی مکان کا ذکر ہم نے کیا ہے اس کے صحن میں صبح سے لے کر شام تک مہمانوں کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔

ان میں غریب اور مزدور بھی ہوتے تھے اور بڑی بڑی ذی وقار شخصیات آتی تھیں مگر کریلوی صاحب کا دستر خواں سب کے لئے تھا یہ نہیں ہوا کہ کھانے کا وقت ہوا اور کوئی غریب کھانا کھائے بغیر چلا جائے یا کریلوی صاحب صرف خاص خاص لوگوں کو ہی کھانا کھلائیں اس معاملہ میں وہ شدت سے مساوات کے قائل تھے اور اس طرح ڈوگرہ دور میں بھی ان کے گھر ملنے جلنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اسی طرح یہ سلسلہ ان کی رحلت تک قائم رہا اور مرحوم کریلوی

صاحب کی یہ خوبی ان کے فرزندان میں بھی موجود ہے۔

حلم اور بردباری: جیسا کہ اس کتاب کی سطر سطر سے عیاں ہے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی بے حد دلیر، بہادر اور شجاع انسان تھے۔ایسا انسان بعض دفعہ جلد بازی یا غصہ میں جارحیت بھی کر بیٹھتا ہے مگر مرحوم کریلوی صاحب کا حلم اور بردباری مثالی تھی اور ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ انہوں نے مجلسی زندگی میں یا اپنے گاؤں میں کسی کے ساتھ محض غصہ کی وجہ سے زیادتی کی ہو۔وہ قومی معاملات میں اس وقت بے حد سخت گیر ہو جاتے تھے جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ کوئی فرد یا گروہ ملک وملت کے مفاد کیخلاف کوئی فیصلہ کر رہا ہے جب انہوں نے پوری دیانتداری سے محسوس کیا کہ شیخ عبداللہ محض کانگریس سے چند ٹکے لے کر مسلمانوں کی تنظیم مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں مدغم کر رہا ہے تو وہ اس کے سامنے چٹان بن گئے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک کہ مسلم کانفرنس کا احیاء نہیں ہوا۔وہ ذاتی اور نجی معاملات میں بے حد حلیم اور بردبار تھے لاکھوں روپے کے نقصان کی پرواہ نہ کرتے تھے مگر جب قومی معاملہ میں ان کے سامنے بددیانتی ہوتی ہو تو اسے وہ کبھی برداشت نہ کرتے تھے اور یہ بات ان کی فطرت میں تھی۔

لباس سردار فتح محمد خان کریلوی ایام جوانی سے ہی بے حد صاف ستھرا لباس پہننے کے عادی تھے ان کا گھریلو ماحول سادہ لیکن بے حد باوقار تھا اور اس میں وقت چار چاند لگ گئے جب انہوں نے ڈوگرہ حکومت خلاف اعلان بغاوت کرتے ہوئے تحریک آزادی کا آغاز کیا ڈوگرہ پولیس کی ملازمت کے دوران وہ وردی پہنا کرتے تھے لیکن اب انہوں نے یہ جوا اتارا تو اپنے لیے قمیض شلوار، شیروانی اور سفید پگڑی پسند کی اور 1944ء کے بعد وہ پگڑی کی جگہ قراقلی کی ٹوپی پہنا کرتے تھے کیونکہ قراقلی کی ٹوپی حضرت قائداعظم کی پسند تھی اور ان کے دورہ سری نگر کے بعد قراقلی کی ٹوپی مسلم کانفرنس کا خصوصی نشان قرار پا چکی تھی۔

ڈوگرہ دور میں کریلوی صاحب ہمیشہ سفید پگڑی ہی پہنا کرتے تھے اور جب وہ گھوڑی پر سوار ہو کر پونچھ شہر کی طرف جاتے تھے تو کئی میل دور سے لوگ ان کا شملہ دیکھا کرتے تھے اور جب شہر پہنچتے تو دیکھتے ہی دیکھتے ان کی گھوڑی کے چاروں طرف مظلوم لوگوں کا ہجوم جمع ہو جاتا اور ان کے معاملات نپٹانے کے لئے کریلوی صاحب ایک دربار لگا لیتے لوگ مختلف معاملات میں درخواستیں لے کر حاضر ہوتے اور کریلوی صاحب صبح سے شام تک ان پر سفارشیں لکھتے رہتے اور جس آدمی کے بارے میں کریلوی صاحب سفارش کرتے تھے ڈوگرہ اہل کاروں کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ اس کام سے پہلوتہی کریں کریلوی صاحب اسمبلی کے ایوان میں بھی یہی لباس پہن کر جاتے تھے اور اس لباس میں وہ بے حد بارعب دکھائی دیتے تھے۔

ذاتی کاغذات ہمارے لئے سردار فتح محمد خان کریلوی کا ذاتی اور انتہائی قیمتی اثاثہ ان کے وہ کاغذات ہیں جن کی حفاظت وہ عمر بھر کرتے رہتے اور جن کی مدد سے کم از کم 1927ء سے لے کر 1980ء تک کشمیر کی تاریخ حریت مرتب کی جا سکتی ہے اور یہ تاریخ کا نہایت قیمتی مواد ہے کیونکہ سردار صاحب نے اپنے بعض نجی کاغذات میں بڑی اہم باتیں لکھی ہیں اور بعض سربستہ راز بھی منکشف کیے ہیں۔

ڈوگرہ پولیس کی ملازمت کے دوران سردار صاحب باقاعدگی سے ڈائری لکھنے کے عادی تھے جب نیا سال شروع ہوتا تھا تو وہ ڈائری خرید لیتے تھے اور پھر ہر روز کی مصروفیت اور لوگوں سے ملاقاتیں اس میں درج کرتے جاتے تھے اور جب سال ختم ہوتا تھا تو وہ ڈائری محفوظ رکھ کر نئے سال کے لئے نئی لے لیتے تھے اس طرح ان کے ذاتی کاغذات میں ساٹھ ستر کے لگ بھگ ڈائریاں محفوظ ہیں جن سے ان کی روزمرہ کی مصروفیات کا پتہ چلتا ہے اور ان میں بڑی بڑی راز کی باتیں درج ہیں جن سے ہماری موجودہ نسل تو کیا کریلوی صاحب کے ہم عصر

بھی باخبر نہ تھے ڈائریوں کے ساتھ ساتھ بعض اکابرین کے خطوط بھی انہوں نے بڑی توجہ سے محفوظ رکھے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ ان کا جو انتہائی قیمتی سرمایہ ہے وہ ڈوگرہ دور کی اسمبلی کی مطبوعہ رپورٹیں ہیں جن کا مکمل سیٹ کریلوی صاحب کے ذاتی کاغذات میں محفوظ ہے ان رپورٹوں سے ایک طرف سردار فتح محمد خان کریلوی کی مجاہدانہ پارلیمانی زندگی کے سارے گوشے ہمارے سامنے آتے ہیں اور دوسری طرف ڈوگرہ حکومت اور حکام کا طرز عمل بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے یہ مطبوعہ رپورٹیں خورشید نیشنل لائبریری مظفرآباد میں انہوں نے اپنی زندگی میں محفوظ کرائیں۔

اسمبلی کی ان رپورٹوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سردار فتح محمد خان کریلوی اسمبلی میں نہ صرف یہ کہ اپنے حلقہ انتخاب کے مسائل کے لئے لڑتے تھے بلکہ وہ ساری ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی بے لوث نمائندگی کرتے رہے کریلوی صاحب کی اس دور کے حالات پر روشنی ڈالنے والی تمام تقریریں اسمبلی کی کارروائیوں میں محفوظ ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہاؤس پر چھائے رہتے تھے اس کے علاوہ ان کے 1947ء سے لے کر 1955ء تک کے کاغذات کا ایک ایک ورق محفوظ ہے۔ 1947ء میں جب وہ تحصیل مہنڈر کے ایڈمنسٹریٹر تھے تو اپنی روزانہ کارگزاری نہایت تفصیل کے ساتھ لکھ کر راولپنڈی فورسز ہیڈ کوارٹر کو ارسال کرتے تھے۔ اس کارگزاری کی بھی بیشتر نقلیں ان کے کاغذات میں موجود ہیں اور ان سے بھی بعض ایسے راز منکشف ہوتے ہیں جن سے ہم بے خبر ہیں۔ 1947ء میں ان کی کوشش سے فسٹ حیدری' سیکنڈ حیدری اور تھرڈ حیدری تین پلٹنیں کھڑی کی گئی تھیں۔ تھرڈ حیدری کی کمان کیپٹن چودھری ننھا خان سکنہ سہنسہ کو سونپی گئی تھی اور ان تینوں پلٹنوں کے لئے سارے سپاہی سردار فتح محمد خان کریلوی نے خود بھرتی کئے تھے جن کی تعداد اڑھائی ہزار بنتی ہے۔ ان تمام سپاہیوں کے

نام اور مکمل پتے کریلوی صاحب کے اپنے ہاتھوں کے لکھے ہوئے ایک رجسٹرڈ کی صورت میں اب تک ان کے ذاتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ اس کی نقل متذکرہ بالا لائبریری میں بھی موجود ہے۔

اس دوران مقبوضہ پونچھ اور راجوری کی طرف سے جو مہاجر اس طرف آئے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ کریلوی صاحب محاذوں پر مجاہدین کو راشن بھیجا کرتے تھے۔ اس کی مکمل تفصیل بھی ان کے کاغذات میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بیت المال جمع کرایا تھا جس علاقہ سے جو کچھ آیا اور جس کے ذریعہ آیا کریلوی صاحب نے اس کی تفصیل بھی محفوظ کر لی تھی۔ گویا 16 ماہ کی جنگ آزادی میں سردار فتح محمد خان کریلوی نے جو خدمت انجام دی اس کی ساری تفصیل ان کے ریکارڈ میں محفوظ ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دفتری نظم و نسق چلانے کی کس قدر صلاحیت رکھتے تھے۔ جنگ بندی کے بعد سردار فتح محمد خان کریلوی کو پاکستان پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ بطور لیکچرار رکھا گیا۔ اس دوران انہوں نے جو خدمات انجام دیں اس کا سارا ریکارڈ ان رپورٹوں کی صورت میں محفوظ ہے جو وہ 1955ء تک اپنے محکمہ کو ارسال کرتے رہے۔

اس کے ساتھ ساتھ محکمہ اور فورسز ہیڈ کوارٹر کی طرف سے ان کو جس قدر سندات' خطابات یا تعریفی خطوط ملے ان میں سے بعض کے عکس ہم من و عن اگلے صفحات میں پیش کریں گے جن سے اندازہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے قیمتی ریکارڈ کو کس قدر توجہ سے محفوظ رکھا اور آج ہم اس سے کسی قدر مفید معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

حصہ دوئم

دستاویزات

سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم و مغفور نے اپنی زندگی کا ریکارڈ جس میں ان کی سالانہ ڈائریاں بھی ہیں نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اس ریکارڈ سے ہم نے اس کتاب کی تالیف و تدوین کے دوران پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اس کا حوالہ دیا ہے۔ ان صفحات میں مرحوم کریلوی صاحب کی چند اہم تاریخی اور قومی اہمیت کی حامل دستاویزات کا عکس پیش خدمت ہے۔

ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی جدوجہد آزادی تحریک پاکستان سے بھی بہت پہلے شروع ہوئی تھی اور تاریخی حقائق سے بالکل واضح اور عیاں ہے کہ ریاست (جس میں ہر دور میں مسلمانوں کو ہی غالب اکثریت حاصل رہی ہے) کے لوگوں نے 1832ء کے دور سے غیروں کے تسلط سے نجات حاصل کرنے اور اپنے بنیادی انسانی حقوق کی بازیابی کے لئے جان و مال کی لازوال قربانیاں دے کر اسلام' انسانی آزادی اور بنیادی حقوق کے حصول کے لئے جس عظیم اور تاریخ ساز قومی جدوجہد کا آغاز کیا تھا 1930ء کے دور میں ان کی اس جدوجہد کا ریاست جموں و کشمیر میں ایک نیا دور اور عروج شروع ہوا۔ 1930ء کے دور جب مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال کے دور جب انہوں نے ہندوستان میں مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل تصور پاکستان پیش کیا تو اس دور میں کشمیر کمیٹی میں شامل ہونے کے باعث کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد میں ان کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دے رہے تھے۔

آزاد کشمیر کے موجودہ وزیراعظم سردار سکندر حیات خان کے والد گرامی غازی کشمیر سردار فتح محمد خان کریلوی جو کشمیری مسلمانوں پر ڈوگرہ مظالم کے خلاف 1930ء سے قبل ہی اپنے والد گرامی سردار فیروز خان اور خاندان کے دیگر لوگوں کے ہمراہ علم جہاد

بلند کر چکے تھے اور 12 سال کے بعد ڈوگرہ پولیس سے ملازمت ترک کر کے قائد کشمیر رئیس الاحرار چودھری غلام عباس (مرحوم) کی ایک رضا کار سماجی ریاستی تنظیم ینگ مسلم مینز ایسوسی ایشن کے ضلع پونچھ کنوینر کی حیثیت سے چودھری صاحب اور دیگر ریاستی رہنماؤں و نوجوانوں کے ہمراہ کشمیری مسلمانوں کے بنیادی حقوق کی بحالی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے نے 1931ء میں ریاست پونچھ (جو ریاست جموں و کشمیر میں سب سٹیٹ تھی) میں ڈوگرہ راج کے ظلم و جبر اور ناروا پابندیوں کے خلاف علم جہاد و بغاوت بلند کرتے ہوئے جس تحریک کی بنیاد رکھی تھی اس کے بارے میں آزاد کشمیر کے بانی صدر غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان جن کو یہ منفرد تاریخی اعزاز حاصل ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی واحد اور پہلی نمائندہ قومی پارلیمان آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے 19 جولائی 1947ء کو سرینگر (آبی گزرگاہ) میں ان کے گھر پر الحاق پاکستان کی قرارداد منظور کی تھی نے 19 اپریل 1993ء میں اپنے دو صفحاتی خط میں جو تاریخ ساز انکشافات کیے ہیں ان کے مطالعے اور مشاہدے سے تحریک آزادی کشمیر کے بزرگ رہنما سردار فتح محمد خان کریلوی اور ان کے خاندان کی ڈوگرہ دور کی تحریک آزادی میں ابتدائی اور انقلابی جدوجہد کے پرآشوب دور کا بخوبی احاطہ کیا جا سکتا ہے اور 1932ء میں چودھری غلام عباس، میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ مرحوم اور شیخ عبداللہ جیسے بڑے کشمیری قائدین کے ساتھ مل کر پہلے ینگ مسلم مینز ایسوسی ایشن اور پھر مسلم کانفرنس کو منظم و فعال بنانے کے ساتھ ساتھ 1934ء میں پہلی ریاستی اسمبلی پرجا سبھا کے قیام اور اس کا رکن منتخب ہونے کے بعد ان کا کیا رول رہا۔ اگرچہ اس کی تفصیلات بہت طویل ہیں لیکن غازی ملت کے اس خط کے مندرجات سے بھی ان کی جدوجہد کے کئی اہم پہلوؤں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

غازی ملت سردار
محمد ابراھیم کا خط

سردار فتح محمد خان مرحوم سیاست میں مجھ سے بہت سینئر تھے۔ وہ مسلم کانفرنس کے عظیم لیڈر رہتے۔ 1931ء میں انہوں نے ایک آزادی کی تحریک کی پونچھ ضلع میں ابتدا کی۔ ریاست میں ایک زبردست بحران پیدا ہوا۔ اس کے نتیجہ میں حکومت برطانیہ کو اپنی فوجیں مہاراجہ کی حکومت کی امداد کی خاطر ارسال کرنا پڑیں۔ پہلی بار ہوائی جہازوں نے اس سرزمین پر پروازیں کیں۔

سردار صاحب مرحوم پھر 1935ء میں حویلی مہڑر سے ایم ایل اے کا انتخاب لڑے اور کامیاب ہوئے۔ ایم ایل اے کی حیثیت سے انہوں نے ریاستی عوام کی خدمت کم وبیش بیس سال تک کی۔ عوام نے بھی ان کی پوری پذیرائی کی۔

پھر 1947ء کی تحریک میں انہوں نے میرے عظیم ساتھی کی حیثیت سے میرا ساتھ دیا اور آزاد حکومت کی تشکیل اور ترتیب میں مجھے مشورے دیئے۔ مسلم کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے بھی مجھے ان کے مشوروں سے استفادہ کرنا پڑا۔ وہ زیرک اور دانا انسان تھے اور مسلمان قوم کی ہمدردی ان کے اندر اتم درجہ موجود تھی۔

جب تک کشمیری قوم زندہ ہے اور موجودہ ہے تب تک سردار فتح محمد خان صاحب مرحوم کی خدمات کا ذکر ہر اچھے انسان کی زبان پر ہوتا رہے گا۔

اب ان کے بیٹے موجودہ صدر آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان ان کی تقلید کر کے عوام کی خدمت اخلاص اور دیانت داری سے سرانجام دے رہے ہیں۔

میں اس خاندان کی خدمات کا پورے طور پر اعتراف کرتا ہوں۔ سردار محمد ابراہیم

اگرچہ 1934ء سے لے کر 39-1938ء تک سردار فتح محمد خان کریلوی نے متحدہ کشمیر اسمبلی کے ممبر اور مسلم کانفرنس کے پارلیمانی گروپ کے سیکرٹری اور ایک بانی رہنما کی حیثیت سے جو منفرد اور انقلابی رول ادا کیا اس کی تفصیلات بھی بہت اہم اور طویل ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری تاریخ کا ایک انتہائی روشن اور تابناک باب ہیں لیکن اس سلسلہ میں مسلم کانفرنس جس کا قیام کشمیری عوام کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم کی حیثیت سے اکتوبر 1932ء میں قیام عمل میں لایا گیا تھا کو ہندو قوم پرست جماعت کانگریس اور نہرو خاندان کی گھناؤنی سازش سے جب شیخ محمد عبداللہ' مولانا مسعودی اور ان کے ساتھیوں نے نیشنل کانفرنس کے نام سے ایک الگ جماعت قائم کر کے اس میں مدغم کرنے کی کارروائی شروع کی (جیسا کہ آزاد کشمیر یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سرور عباسی نے بھی اپنی تصنیف کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد میں تحریر کیا ہے) تو مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں ضم کرنے کی قرارداد سب سے پہلے مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں پیش کی گئی اور سردار فتح محمد خان کریلوی جو اس وقت پارلیمانی پارٹی کے سیکرٹری تھے نے ابتدائی طور پر اس قرارداد کی مخالفت کی اور سردار فتح محمد خان کریلوی' خلیل کچلو ایک نامور مسلم کانفرنسی رہنما اور کریلوی صاحب مرحوم کے دیگر ساتھیوں کی مخالفت کے باعث اس قرارداد کو پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ پھر 1939ء کے شروع میں شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کے اجلاس اس کا نام تبدیل کر کے نیشنل کانفرنس رکھنے کی قرارداد جماعت کے صدر کی حیثیت سے پیش کی گئی جس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے سردار فتح محمد خان کریلوی اور ان کے ساتھیوں نے شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں سے

علیحدگی اختیار کر لی اور نیشنل کانفرنس کے مقابلے میں مسلم کانفرنس کے احیاء کے لئے اپنی جدوجہد کو تیز تر کر دیا تقریباً دو سال کے بعد 1941ء میں انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کے مقابلے میں چودھری غلام عباس کو مسلم کانفرنس کی دوبارہ رہنمائی اور قیادت کے لئے آمادہ کرتے ہوئے جماعت کو منظم و فعال بنانے کی حکمت عملی پر کامیابی سے عملدر آمد کراتے ہوئے اس کا پہلا کنونشن پونچھ میں منعقد کرایا۔

سردار فتح محمد خان کریلوی نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں قرارداد پاکستان کے تاریخی اجلاس میں کشمیریوں کی جانب سے مسلم کانفرنس کے نمائندہ وفد کے ہمراہ نمائندگی کی اور 1944ء کے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے دورہ کشمیر کے دوران مسلم کانفرنس کی طرف سے مقرر کردہ قائداعظم کے حفاظتی دستے کے نگران اعلیٰ کی حیثیت سے بانی پاکستان اور تحریک پاکستان و تحریک آزادی کشمیر کے دیگر رہنماؤں و کارکنوں کے شانہ بشانہ آزادیٔ الحاق پاکستان کی اس قومی تحریک میں ہراول دستے کا رول ادا کیا اور 19 جولائی 1947ء سے چند روز قبل ریاستی جیل جا کر قائد ملت چودھری غلام عباس سے مشکل حالات میں ملاقات کر کے (خودمختار کشمیر سے متعلق خط میں جو حضرت قائداعظم سے منسوب کر کے تحریر کیا گیا تھا) کی تصدیق قائد ملت سے کر کے ان کے خصوصی پیغام کے تحت کر کے 19 جولائی 1947ء کی الحاق پاکستان کی تاریخی قرارداد منظور کرانے میں ایک کلیدی رول ادا کیا۔ 1947ء کے جہاد جس کے نتیجے میں ریاست جموں وکشمیر کے ایک حصے (آزاد کشمیر کو ڈوگرہ تسلط سے آزاد کرایا گیا) کے سلسلہ میں مہنڈر اور حویلی (پونچھ) کے سیکٹر کمانڈر کی حیثیت سے نہ صرف ان کا اول سالار قافلہ کا تھا بلکہ انہوں نے ریاست پونچھ کے ان علاقوں جن کی وہ 1934ء سے لے کر 1947ء تک

مسلسل 12 سال رکن اسمبلی کی حیثیت سے منتخب ہو کر نمائندگی بھی کرتے رہے کو 1947ء کے جہاد میں کئی دیگر کامیابیوں اور اعزازات کے علاوہ یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہوا کہ 1947ء کے جہاد کے حوالے سے ہلال کشمیر کا سب سے بڑا اعزاز حاصل کرنے والوں میں سے ہلال کشمیر کا اعزاز حاصل کرنے والے واحد کشمیری نائیک سیف علی کا تعلق بھی ان ہی کی یونٹ سے تھا۔

1947ء میں مرحوم رہنما کی طویل تاریخی اور جہادی خدمات کا ذکر آزاد کشمیر کے بانی صدر سردار محمد ابراہیم خان نے اس دور میں مرحوم رہنما کے نام تحریر کردہ اپنے ایک طویل خط میں بھی کیا تھا جو آپ کی سوانح حیات جو سید محمود شاہ آزاد مصنف تاریخ کشمیر نے اگست 1996ء میں لکھی میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کی کامیاب انتخابی و تنظیمی سیاست' انسان دوستی اور ظلم و جبر کے خلاف ان جہاد کے بارے میں ان کے انتقال پر جموں کے ایک روزنامہ کے ہندو ایڈیٹر نے 1989ء میں جو اداریہ اپنے اخبار میں لکھا وہ بڑا فکر انگیز ہے۔

سردار فتح محمد خان کریلوی ایک ہندو کی نظر میں

ماسٹر روشن لال۔ روزنامہ سچ جموں

پاکستان ریڈیو سے یہ خبر سن کر پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے وزیراعظم سردار سکندر حیات خان کے والد بزرگوار سردار فتح محمد کریلوی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں ہمیں اس خبر سے سخت صدمہ ہوا ہے۔

سردار محمد فتح خان ابتدا سے ہی تحریک حریت میں شیخ محمد عبداللہ شیر کشمیر اور

قائد کشمیر چودھری غلام عباس صاحب کی قیادت میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ ملک و ملت کے لئے یہ قربانی دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ آپ نے کسی بھی وقت قربانی دینے سے گریز نہیں کیا۔ آپ متعدد بار جیل گئے۔ محمد اکبر خان مرحوم اور سردار صاحب میں ایک مشن مشترک تھا۔ آپ دونوں بڑے دلیر اور مصیبتوں کو بڑی خوشی سے برداشت کیا کرتے تھے۔

سردار فتح محمد خان تھکیالہ پراواہ کے گاؤں کریلہ کے رہنے والے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ کریلوی کا لقب لگا ہوا تھا۔ آپ عظیم فریڈم فائٹر' قربانی دینے والے' مجسم اور ایک سچے مجاہد آزادی تھے۔ آپ کی قومی وملی خدمات کی وجہ سے آپ اپنے علاقہ میں بڑے ہر دلعزیز تھے۔ جس کا ثبوت اس بات سے لگتا ہے کہ آپ مہاراجہ کی پرجا سبھا (اسمبلی) میں ممبر کامیاب ہوئے حالانکہ حلقہ انتخاب مہنڈر میں آپ کا اکثر مقابلہ ایک طاقتور حریف چودھری غلام حسین لسانوی سے ہوتا رہا۔ مہنڈر حلقہ میں گجروں کی آبادی کثرت سے ہے اور چودھری لسانوی کو ایک ایک گوجر اپنی دم کا سردار سمجھ کر ووٹ دینا سعادت مندی سمجھتا تھا۔ گجروں نے چودھری صاحب سے عقیدت کے سبب آپ کو گجر گاندھی کا خطاب دے رکھا تھا۔ چودھری غلام حسین فاروق عبداللہ حکومت میں وزیر تعلیم اور چودھری محمد اسلم صاحب کے والد تھے۔

سردار فتح محمد خان ایک آرگنائزر تھے۔ آپ میں لوگوں کو جتھہ بند کرنے کی انتہائی صلاحیت تھی۔ آپ اپنے ساتھ سید' مومن (باشرافت) ترکھان' لوہار' ارائیں' موچی غرضیکہ تمام قوموں کو ساتھ ملا کر چلتے مقابلہ میں اترتے اور ہمیشہ کامیاب رہتے جبکہ گجر گاندھی کو ہمیشہ شکست کا منہ دیکھنا نصیب ہوتا۔ پرجا سبھا (پہلی کشمیر اسمبلی) میں بھی آپ

بڑی جرأت سے عوام کی نمائندگی کرتے رہے جس کا پتہ اسمبلی کی کارروائی سے چل سکتا ہے اگرچہ آپ مسلم کانفرنس کے ٹکٹ پر انتخاب لڑتے مگر اسمبلی میں ہر فرقہ' قبیلہ و مذہب کے غریب لوگوں کے لئے آواز بلند کیا کرتے۔

آپ کا اپنے ملک کے لوگوں کے ساتھ محبت کا ثبوت اس واقعہ سے آسانی سے مل جاتا ہے کہ 1947ء کے دوران انقلاب میں اپنے گاؤں تھکیالہ پراواہ میں خون کی آندھی میں آپ کے علاقہ میں کچھ ہندو لڑکیوں کو قبائلی اپنے ساتھ قبائلی علاقہ جات میں لے جا رہے تھے کو آپ نے علاقہ کی مستورات کو ہندو مسلم کا خیال چھوڑ کر علاقہ کی عزت سمجھتے ہوئے ان قبائلیوں کے ساتھ مسلح مقابلہ کر کے ان عورتوں کو قبائلیوں کے پنجہ سے آزاد کرا دیا تھا۔ اس سے آپ کی انسان دوستی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

غرضیکہ مرنے والے میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے رحم و کرم سے انہیں اپنے جوار رحمت سے نواز دے اور ان کے لواحقین کو صدمہ عظیم برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ یہ سلسلہ تو روکا نہیں جا سکتا اور جاری ہی رہے گا جو آیا ہے اس نے جانا ہے۔

شاہ گئے گدا گئے' غنی گئے محتاج گئے
ہم بھی جانے کو ہیں' کل نہ گئے آج گئے

1947ء کے بعد آپ مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اپنی جدوجہد جاری و ساری رکھی اور کشمیری مہاجرین کی آبادکاری اور ریاست کے بقیہ حصے کی آزادی کے جدوجہد کے ساتھ ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق اور پاکستان کی سلامتی و استحکام کے لئے ہراول دستے میں ان کا رول ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور 1958ء کی

کے ۔ ایل ۔ ایم (جنگ بندی لائن توڑ دو) تحریک میں انہوں نے نہ صرف قائد کشمیر چودھری غلام عباس مرحوم کی قیادت میں شروع کی جانے والی تحریک میں ایک سرگرم رول ادا کیا بلکہ جب چودھری صاحب اور تحریک کے دیگر رہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا تو انہوں نے تحریک کے قائمقام سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے اس کی باگ ڈور سنبھال کر اس وقت کی وفاقی اور حکومت آزادی کشمیر کی کڑی پابندیوں اور ظالمانہ کارروائیوں کے باوجود تحریک کو فعال ہی نہیں رکھا بلکہ ضلع میرپور کے کنوینئر کی حیثیت سے ان کی رہنمائی کی جب ان ہی کے ضلع کے ساتھیوں میں سے چار آدمیوں نے سیز فائر لائن عبور کی۔ مرحوم رہنما کے صاحبزادے موجودہ وزیراعظم سردار سکندر حیات خان جو اسی دور میں ایل۔ ایل بی کر کے اپنے آبائی ضلع میں اپنی وکالت شروع کی تھی نے اپنی سیاسی اور قومی جدوجہد کا آغاز بھی اپنے والدگرامی کے ہمراہ 1958ء کی جنگ بندی لائن توڑ دو تحریک سے کیا تھا اور انہوں نے اپنی انتخابی سیاست کا آغاز آج سے بیالیس سال قبل بنیادی جمہورتیوں (بی ڈی سسٹم) کے الیکشن میں حصہ لے کر کیا تھا۔ وہ سب سے پہلے اپنے علاقے نکیال (فتح پور) یونین کونسل کے ممبر اور ازاں بعد چیئرمین منتخب ہوئے۔

کریلوی صاحب 1968ء کے آزاد کشمیر سٹیٹ کونسل (جو قانون ساز اسمبلی کی جگہ ایک منتخب ادارے کی حیثیت سے کام کرتی رہی) کا رکن منتخب ہونے کے بعد 1970ء کے پہلی مرتبہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہونے والے عام انتخابات آزاد کشمیر کی تعمیر و ترقی اور سیاسی و جمہوری استحکام اور تحریک آزادی کشمیر کی جدوجہد میں سٹیٹ کونسل اور اپنی جماعت مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے فعال رول ادا کرتے رہے۔

1970ء کے عام انتخابات میں مسلم کانفرنس کی قیادت سردار عبدالقیوم خان

کر رہے تھے کے ٹکٹ پر اپنے آبائی حلقہ نکیال سے سردار سکندر حیات خان پہلی بار آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اس طرح سردار فتح محمد خان کریلوی اپنی انتخابی اور پارلیمانی سیاست کی ذمہ داریاں چالیس سال تک کامیابی سے انجام دینے کے بعد اپنے فرزند کے سپرد کر کے عملی سیاست سے رضا کارانہ طور پر الگ ہو گئے تاہم تحریک آزادی اور مسلم کانفرنس کی اہم تقریبات اور عوام اور پارٹی کارکنوں ورہنماؤں سے ان کا میل جول کا سلسلہ 1989ء میں ان کے انتقال تک جاری رہا۔

1990ء تک سردار سکندر حیات خان کا پانچ سالہ دور حکومت آزاد کشمیر میں تعمیر و ترقی اور تحریک آزادیٔ کشمیر کی جدوجہد کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں ایک سنہری اور یادگار دور تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی حکومت کی اس شاندار کارکردگی کے باعث مسلم کانفرنس کو 1990ء کے عام انتخابات میں پی پی کی وفاقی حکومت کی انتخابی عمل میں مداخلت کے باوجود سنگل لارجسٹ پارٹی کی حیثیت سے کامیابی حاصل ہوئی۔ 1991ء تک صدر آزاد کشمیر 96ء سے 2001ء تک مسلم کانفرنس (س) سے سربراہ کی حیثیت سے جدوجہد آزادی اور ملکی سیاست میں فعال رول اور اہم کامیابیوں کے ساتھ جولائی 2001ء کے عام انتخابات میں مسلم کانفرنس کی کامیابی کے بعد انہیں دوسری مرتبہ آزاد کشمیر کا وزیراعظم منتخب کیا گیا۔ اس طرح انہیں اپنی 45 سالہ عملی سیاسی جدوجہد کے دوران بی ڈی ممبر سے لیکر رکن اسمبلی، وزیر، سینئر وزیر، وزیراعظم (دو مرتبہ) صدر ریاست (دو مرتبہ) اپوزیشن لیڈر اور مسلم کانفرنس کا دس سال سے زیادہ عرصے تک صدر رہنے کے ایسے بڑے اور منفرد اعزازات حاصل ہوئے جو شاید اس تسلسل اور کثرت سے کسی دوسرے سیاسی رہنما کو نصیب نہیں ہوئے اور پارلیمانی سیاست میں یہ ان کی غیر معمولی کامیابیاں ہیں۔ ریاست

کے ایک نامور صحافی جی۔ ایم مفتی بھی کئی بار اپنی تحریروں میں یہ تحریر کر چکے ہیں کہ سردار فتح محمد خان کریلوی وہ واحد خوش نصیب کشمیری رہنما تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں مسلم کانفرنس اور قومی سیاست میں اپنے بیٹے کی یہ بڑی بڑی منفرد کامیابیاں اور اعزازات انہیں حاصل ہوتے ہوئے دیکھے اور وہ قومی سیاست اور تحریک آزادیٔ کشمیر کی گرانقدر یہ قومی میراث سردار سکندر حیات خان کی شکل میں قوم کو اپنی زندگی میں سپرد کر کے اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

سردار فتح محمد خان کریلوی اور سردار سکندر حیات خان کی قومی' سیاسی خدمات کے اس عظیم ورثے کی حفاظت اور اس کو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنانے کی بھاری ذمہ داریاں جہاں تحریک آزادیٔ کشمیر اور مسلم کانفرنس کے تمام نظریاتی اور مخلص کارکنوں پر عائد ہوتی ہیں وہاں ان کے جانشین کی حیثیت سے ان کے صاحبزادوں سردار فاروق سکندر اور سردار طارق سکندر کے لئے آنے والا دور آزمائشوں کا دور ہوگا اور سیاست میں ان کے والد گرامی اور خاندان کے بزرگوں و رہنماؤں کی طویل خدمات' اعزازات اور رول کے حوالے سے انہیں ان کے دست راست ہونے کے باعث قومی سیاست اور مسلم کانفرنس میں ہمیشہ ایک منفرد پہچان۔ اثرورسوخ اور تجربہ و مشاہدہ حاصل رہے گا۔

سردار فاروق سکندر عملی سیاست میں قدم رکھ چکے ہیں۔ ان کا انداز اپنے والد محترم کی طرح مدبرانہ' پرخلوص اور بصیرت افروز نظر آتا ہے اور ان کی سوچ و فکر گہری اور حقیقت پسندانہ دکھائی دیتی ہے۔ دوستوں سے لیکر عام آدمی تک بے تکلفی سے گھل مل کر رہنے کے ان کے انداز آزاد کشمیر کی سیاست میں ایک حسین اضافہ اور خوشگوار تبدیلی قرار دی جاتی ہے اور نوجوانوں کے لئے نئی نوید صبح بھی اللہ کرے کہ وہ اپنے بزرگوں کی

قومی میراث کے تحفظ اور ہماری جوان نسل کی قیادت و رہنمائی کی بھاگ ڈور سنبھالنے‘ ان کی جائز توقعات پر پورا اترنے میں کامیاب ہوسکیں۔ مرحوم رہنما کی 15 ویں برسی کی تقریب جو 15 مارچ کو ان کے مزار فتح پور تھکیالہ میں ہوگی کا تاریخی موقع تحریک آزادیٔ کشمیر مسلم کانفرنس اور الحاق پاکستان کی جدوجہد سے وابستہ رہنماؤں و کارکنوں کے لئے بالخصوص اور دیگر مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بالعموم تجدید عہد کا دن ہے اور مرحوم رہنما کے لئے اس موقع کی مناسبت سے سب سے بڑا اخراج عقیدت بھی یہی ہوگا کہ بدلتے ہوئے حالات میں ان کے قومی اور سیاسی مشن کو آگے بڑھانے کے عزم کا ایک نئے جذبے اور ولولے سے اعادہ کیا جائے۔

☆☆☆

آزاد کشمیر کے عوام 15 مارچ کو اپنے عظیم فرزند اور تحریک آزادیٔ کشمیر کے بانی سردار فتح محمد خان کریلوی کی برسی کی تقریبات منعقد کر رہے ہیں۔ سردار صاحب مرحوم کی زندگی بھر کی کاوشوں کا ثمر آزاد کشمیر کا وہ خطہ ہے جہاں ان کے فرزند سردار سکندر حیات خان دوسری مرتبہ وزارت عظمیٰ کی مسند پر فائز ہیں اور اپنے گرامی قدر والد کے مشن کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں۔

سردار سکندر حیات خان

صدر آزاد جموں و کشمیر سردار سکندر حیات خان کو سیاست اپنے والد محترم سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم سے ورثہ میں ملی ہے۔ آپ کے والد گرامی نے اس دور میں سیاست کے میدان میں قدم رکھا جب ریاست جموں و کشمیر کے 84 ہزار مربعہ میل رقبے پر کوئی شخص سیاست کے مفہوم سے بھی اچھی طرح واقف نہیں تھا انہوں نے 1928ء کے دور میں اپنے علاقے تھکیالہ پراوہ سے ڈوگرہ راج کے ظلم و جبر کے خلاف اعلان بغاوت کر کے انقلاب کی

راہ ہموار کی جب بغاوت اور انقلاب کے الفاظ زبان پر لانا ہی ایک سنگین جرم تھا اور ریاست کا ہر فرد مہاراجہ کشمیر کے نام کے ساتھ بڑے بڑے لقب والقاب استعمال کرنے پر مجبور تھا۔ اس دور میں مہاراجہ کیا مہاراجہ کے خاندان اور حکومت کے کسی عام فرد یا اہلکار کے خلاف لب کشائی کرنا زبان کٹوانے کے مترادف تھا۔ ریاست جموں وکشمیر میں سکوت مرگ کی کیفیت طاری تھی۔ لوگ جور وجبر اور افلاس کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ڈوگرہ حکام اور اہلکار لوگوں کو چوپائیوں کی طرح ہانک کر بیگار کے لئے لے جاتے تھے۔ ان جابرانہ وظالمانہ اور روح فرسا حالات کو دیکھ کر کسی کا خون تک نہ کھولتا تھا۔ ایسے حالات میں قسام ازل نے ریاست جموں میں پونچھ کے ایک دور افتادہ گاؤں کریلہ مجہان کے ایک نوجوان سردار فتح محمد خان کریلوی کو ڈوگرہ بربریت کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے مختص کیا۔ اس طرح یہ ایک تاریخ ساز خاندان ہے، جس میں انہوں نے آنکھ کھولی۔ سردار سکندر حیات خان کے لئے ان کا گھرانہ بچپن سے ہی جدوجہد آزادی اور سیاست وانقلاب کیا یک درس گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان ک بچپن میں جو ماحول میسر آیا وہ سیاسی کے ساتھ ساتھ دینی بھی تھا۔ کیونکہ ان کے والد گرامی اور خاندان کے دوسرے بزرگ صوم وصلوۃ اور دیگر اسلامی روایات کے سختی سے پابند تھے۔ بقول سردار سکندر حیات خان ان کا عملی سیاست میں آنا ایسے ہی تھا جس طرح ایک مسلمان کے گھر مسلمان پیدا ہوتا ہے۔ گویا آپ ایک سیاستدان کے گھر سیاستدان پیدا ہوئے۔ ایک عظیم مجاہد، قومی کارکن اور سیاسی راہنما کے ہاں جنم لینے کے باعث آپ والد گرامی کی مجاہدانہ جدوجہد اور جذبے سے بچپن سے ہی سرشار تھے اور ان کے اس انداز سیاست کا رنگ ان کی شخصیت اور سیاسی وقومی کردار کا ہر دور میں نمایاں حصہ رہا ہے۔

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

سردار سکندر حیات خان یکم جون 1932ء کو کریلہ مجہان تحصیل مہنڈر میں پیدا ہوئے جہاں سے ان کے والد گرامی نے اپنی ہنگامہ خیز اور انقلابی سیاسی زندگی کا آغاز کیا تھا یہ تاریخی گاؤں اب ضلع کوٹلی میں شامل ہے اور سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم کے نام سے منسوب تحصیل فتح پور تھکیالہ میں واقع ہے۔

سردار سکندر حیات خان نے جس انقلابی دور میں آنکھ کھولی۔اس وقت اس سارے علاقے میں ان کے والد گرامی اور خاندان کے سیاسی اقتدار کا غلغلہ تھا۔اس طرح سردار سکندر حیات خان نے بچپن ہی سے اپنے والد گرامی کے سیاسی اثرات قبول کرنا شروع کیے۔

سردار سکندر حیات خان نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں سے کیا۔پھر وکٹوریہ جوبلی ہائی سکول پونچھ میں داخلہ لیا وہاں پانچویں ی سے آٹھویں تک زیر تعلیم رہے۔شہر پونچھ ان کے گاؤں سے کئی میل دور تھا اور ان کو پیدل چل کر سکول جانا پڑتا تھا جس کے باعث ابتدائی تعلیم کے دور میں ان کو بڑی مشکلات سے گزرنا پڑا قیام پاکستان کے بعد اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی سے میٹرک اور گارڈن کالج راولپنڈی سے ایف اور بی کے امتحانات نمایاں پوزیشن میں پاس کیے۔ایل ایل بی لاء کالج لاہور سے کیا اور گھر واپس آکر کوٹلی میں وکالت شروع کر دی۔دوران طالب علمی اپنی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ آپ جدوجہد آزادی اور ملکی سیاسی سرگرمیوں کا بھی گہری نظروں سے مشاہدہ کرتے رہے اور خاندانی جدوجہد کا پرتو ذہن میں رکھ کر آپ نے خود کو بڑی محنت اور ثابت قدمی سے مستقبل کی ذمہ داریوں کے لئے تیار کیا وہ تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ سیاسی وقومی امور میں بھی حصہ لیتے رہے اور اپنے والد گرامی سے بھی اہم سیاسی معاملات میں مشاورت کرتے تھے۔ان کے والد گرامی کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے بارے میں ان کو خصوصی طور پر بتاتے تھے اور اہم پہلوؤں سے متعلق تفصیلی لیکچر دیا

کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے دنوں میں آپ کو حالات کا ذاتی طور پر مشاہدہ کرنے کا بھی خاطر خواہ موقع ملا۔

کے-ایل-ایم کی تحریک

1958ء کے ابتدائی ایام میں جب آپ نے کوٹلی میں وکالت کا آغاز کیا تو ان دنوں آزاد کشمیر میں کے-ایل-ایم (جنگ بندی لائن توڑ دو) کی تحریک بھی جاری تھی اور آپ کے والد گرامی سردار فتح محمد خان کریلوی ایک بزرگ سیاسی راہنما اور مجاہد کی حیثیت سے اس تحریک میں بڑا سرگرم رول ادا کر رہے تھے اس دوران اپنے والد کے ہمراہ ان کو بھی تحریک کی سرگرمیوں میں عملی طور پر حصہ لینے اور اس کے جلسے جلوسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ اس طرح ان کی سیاسی جدوجہد کا آغاز کے-ایل-ایم تحریک سے ہی ہوا۔

کے-ایل-ایم کی تحریک کے دوران جب اس کی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور چودھری غلام عباس کی قیادت میں آزاد کشمیر کے سیاسی راہنماؤں وکارکنوں اور عام لوگوں نے جنگ بندی لائن توڑنے کے لئے ایک احتجاجی جلوس کی صورت میں سیز فائر کی طف مارچ کیا تو انہیں مختلف مقامات سے گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔ جب تحریک کے دیگر تمام مرکزی قائدین کو گرفتار کر لیا گیا تو سردار فتح محمد خان کریلوی جو تحریک کے ضلع میرپور کے کنوینئر تھے نے تحریک کے قائم مقام سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے اس کی باگ ڈور سنبھال کر اس کو متحرک وفعال رکھا اور آزاد کشمیر کی سردار ابراہیم حکومت اور پاکستان کی فروز خان نون حکومت کی پکڑ دھکڑ اور قید و بند کی تمام تر انتقامی کارروائیوں کا پوری جرأت و استقامت سے مقابلہ کرتے رہے۔ دونوں حکومتوں کے تمام تر ہتھکنڈوں کے باوجود تحریک زوروں پر رہی اور آزاد کشمیر بھر میں اس کے جلسے اور جلوس جاری رہے۔ اس سخت آزمائش کے وقت بھی سردار سکندر حیات خان نے اپنے والد

گرامی کے شانہ بشانہ کام کیا۔

مارشل لاء

کے ایل ایم تحریک کے فوراً بعد پاکستان میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور ہر طرح کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی لیکن بایں ہمہ سردار سکندر حیات خان ملک کی سیاسی صورتحال اور عوامی مسائل سے لاتعلق نہ رہے بلکہ وکالت کے ساتھ ساتھ عوامی مسائل اور ملک کی سیاسی صورتحال پر بھی نظر رکھی اور مسلم کانفرنس کی تنظیمی امور سے بھی وابستہ رہے۔

مارشل لاء کے دور میں جب فیلڈ مارشل ایوب خان نے اپنے آپ کو کسی سیاسی عمل کے ذریعے برقرار رکھنے کا منصوبہ بنایا تو اس نے ملک میں بنیادی جمہوریتوں کا سسٹم رائج کرتے ہوئے اس کا پہلا تجربہ آزاد کشمیر میں کرنے کا فیصلہ کیا اس وقت آزاد کشمیر میں کے ایچ خورشید مرحوم کی حکومت تھی۔ 1961ء کے اوائل میں آزاد کشمیر میں بی ڈی نظام کے انتخابات کرائے گئے تو سردار سکندر حیات خان نے بھی اپنے علاقے فت پور تھکیالہ سے انتخاب میں حصہ لیا اور بلامقابلہ بی۔ڈی ممبر منتخب ہوئے ان کی وجہ سے ان کی یونین کے دوسرے امیدوار بھی بلامقابلہ ممبر منتخب ہو گئے۔

اس طرح سردار سکندر حیات خان کو 1961ء سے 1968ء تک بی - ڈی ممبر کی حیثیت سے اپنے علاقے کی تعمیر و ترقی اور حالات و معاملات کو سمجھنے کا موقع ملا۔

ایک کامیاب سیاستدان کے لئے بنیادی ضرورت عوامی نفسیات کو سمجھنا اور عوام کے شعور و ادراک تک رسائی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ایک سیاستدان ان امور سے وابستہ رہے اور لوگوں میں گھل مل کر قریبی رابطہ رکھے۔ سردار سکندر حیات خان نے 8/7 سال تک اپنے علاقے کے لوگوں اور جماعتی کارکنوں سے مل بیٹھ کر ان

کے مسائل اور مشکلات معلوم کیں اور ان کے مزاج کو سنجیدگی سے پرکھا۔ اور عوامی اور سیاسی امور میں والد گرامی سے راہنمائی حاصل کرتے رہے اور تحریک آزادی کا بھی مشاہدہ کیا۔

جب آزاد کشمیر میں سٹیٹ کونسل کے انتخابات ہوئے تو اتفاق سے ان کے والد محترم نے بھی ان انتخابات میں حصہ لیا اور سٹیٹ کونسل کے ممبر ضلع میر پور کی نشست سے منتخب ہوئے۔ اگر چہ ان کا سیاسی دائرہ کار اور اثو نفوذ ملکی وقومی سطح پر بہت بلند تھا اور ان کے قد کاٹھ کے مقابلے میں سٹیٹ کونسل کی ممبری ان کے لئے معمولی بات تھی لیکن با ایں ہمہ انہوں نے علاقے کے عوام کے پرزور مطالبے اور تعمیر وترقی کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر خود کو اس ذمہ داری کے لئے وقف کیا اور اپنے علاقے میں پانی، بجلی، صحت تعلیم اور زندگی کی دوسری سہولتوں کی فراہمی کے لئے کئی موثر اور جامع اقدامات کرائے جس سے وہاں ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ سردار فتح محمد خان کرریلوی 1968ء سے 1970ء تک سٹیٹ کونسل کے رکن رہے اور اس عرصے میں ان کی ذمہ داریاں نبھانے میں سردار سکندر حیات خان کا بھی بڑا حصہ رہا۔ سردار محمد ابراہیم خان اور سردار عبدالقیوم خان بھی ضلع پونچھ کی نشستوں سے اس ٹیٹ کونسل کے ممبر تھے۔

ممبر اسمبلی کی حیثیت سے کامیابی

1970ء کے ایکٹ کے تحت آزاد کشمیر میں پہلی مرتبہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات صدارتی نظام کے تحت ہوئے تو سردار سکندر حیات خان نے بھی اپنے والد گرامی کے حکم اور علاقے کے لوگوں کی خواہش پر اپنے آبائی علاقہ فتح پور (نکیال) سے مسلم کانفرنس کے امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑا اور آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس سلسلہ میں یہ دلچسپ اتفاق قابل ذکر ہے کہ جب سردار سکندر حیات خان اسمبلی کے نومنتخب ممبر کی حیثیت سے مظفر آباد کے اسمبلی ہال میں حلف اٹھا رہے تھے تو اسی ہال کی دوسری طرف ان کے والد گرامی

سٹیٹ کونسل کے سبکدوش ہونے والے رکن کی حیثیت سے ان کے سامنے کے انکلوژر میں بیٹھے تھے۔ گویا یہ ایک ایسا ہی منظر تھا کہ جس طرح ریلے ریس لے کر آگے بڑھنے والا پیچھے آنے والے کو اشارہ دیتا ہے۔ اس طرح سسر سردار سکندر حیات خان جنہوں نے اپنی عملی سیاست کی جدوجہد کا آغاز 1958ء کی کے۔ایل۔ایم کی تحریک سے کیا تھا کو 1970ء میں انتخابی عمل کے ذریعے اپنے والد گرامی کی پارلیمانی وقومی اور جماعتی ذمہ داریاں بھی منتقل ہو گئیں۔

1970ء کی اسمبلی آج کی اسمبلی سے ذرا مختلف تھی۔ اس وقت ارکان کی تعداد 25 تھی جبکہ آج 48 ہے۔ اس وقت انتخابی حلقے بھی بڑے تھے۔ سردار سکندر حیات خان کا حلقہ آج کے مقابلے میں کافی بڑا تھا۔ پورے حلقے میں ایک ہی کوٹلی نکیال روڈ تھی۔ ٹیلیفون نہ وبجلی اور ذرائع آمد ورفت کا نظام نہیں تھا جس کے باعث سردار سکندر حیات خان کو اپنے حلقہ کے ایک ایک گھر اور گاؤں تک پیدل چل کر جانا پڑا۔ ممبر منتخب ہونے کے بعد بھی اپنے عوام میں چل پھر کر ان سے رابطہ رکھا اور ان کے مسائل ومشکلات معلوم کرنا ایک سیاسی کارکن اور راہنما کی حیثیت سے اپنے لئے باعث فخر سمجھا اسی سوچ اور طرز عمل نے انہیں حلقے کے لوگوں اور جماعتی کارکنوں میں بے پناہ مقبولیت اور اعتماد سے نوازا۔

1970ء کے انتخابات کے دوران انتخابی مہم چلانے میں زبردست مشکلات پیش آئیں بلکہ جب مسلم کانفرنس کے امیدواروں کی نامزدگیوں کا مرحلہ آیا تو اس وقت ان کے خلاف سازش کی گئی کہ انہیں مسلم کانفرنس کا ٹکٹ نہ دیا جائے۔ سردار عبدالقیوم خان جو اس وقت مسلم کانفرنس کے صدر تھے پر بھی بڑا دباؤ تھا۔ سردار یوسف خان باغ والے چاہتے تھے کہ چونکہ انہیں عباسپور کے حلقہ سے ٹکٹ نہیں دیا گیا اس لئے ان کے ایک قریبی عزیز سردار ذاکر کو نکیال سے ٹکٹ دیا جائے سردار عبدالقیوم خان کے لئے ایک مشکل یہ تھی کہ اگر وہ نکیال کے حلقہ میں

سردار سکندر حیات خان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ٹکٹ دیتے تھے تو انہیں اس کی کامیابی نظر نہیں آتی تھی۔ جب سردار سکندر حیات خان کے خلاف یہ سازشیں زوروں پر تھیں اور مسلم کانفرنس کا پارلیمانی بورڈ اپنے امیدواروں کے لئے غور کر رہا تھا تو سردار سکندر حیات خان بورڈ کو یہ کہہ کر اپنے گاؤں چلے گئے کہ فیصلہ کر کے انہیں آگاہ کر دیا جائے۔ چنانچہ الیکشن میں ایک ہفتہ باقی تھا کہ سردار سکندر حیات خان کو بذریعہ ٹیلی گرام اطلاع دی گئی کہ وہ اپنے حلقے سے مسلم کانفرنس کے امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑیں گے۔ یہ الیکشن بڑا سخت تھا۔ سب لوگ مسلم کانفرنس کے امیدوار کے خلاف برادری ازم کی بنیاد پر اکٹھے ہو گئے تھے ایک امیدوار گجر برادری کی طرف سے تھے۔ برادریوں کے باہمی اتحاد کے باعث دیگر تمام 6/5 امیدوار اس امیدوار کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے لیکن سردار سکندر حیات خان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس صورتحال کے باوجود بھی وہ واضح اکثریت سے یہ انتخاب جیتے۔

کابینہ میں شمولیت

1970ء کے ایکٹ کے تحت آزاد کشمیر میں صدارتی نظام حکومت تھا انتخابات کے بعد جب سردار عبدالقیوم خان کی سربراہی میں مسلم کانفرنس کی حکومت قائم ہوئی تو اس کی پہلی کابینہ میں سردار سکندر حیات خان شامل نہیں تھے۔ کیونکہ 1970ء کے ایکٹ کے تحت کوئی ممبر اسمبلی کابینہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ 1972ء میں آئین میں ترمیم کے بعد نئی کابینہ بنائی گئی تو اس میں سردار سکندر حیات خان کو بھی شامل کیا گیا اور ان کو جنگلات مال۔ خزانے صنعت و حرفت اور ٹرانسپورٹ کے محکمے دیے گئے۔ اس وقت سے لے کر جب تک کابینہ رہی سردار سکندر حیات خان ہی منتخب نمائندے کی حیثیت سے نہ صرف کابینہ میں شامل رہے بلکہ قائد ایوان کا منصب بھی سنبھالے رکھا۔ اس وقت اسمبلی زبردست مستحکم اور اپوزیشن بڑی سخت تھی۔ دونوں طرف

مکسڈ لوگ تھے تعلیم یافتہ، اچھے بولنے والے اور سینئر و تجربہ کار بھی۔ مسلم کانفرنس کی طرف سے جہاں سردار سکندر حیات خان تھے وہاں ممتاز راٹھور، شیخ منظر مسعود، پیر علی جان شاہ، میجر ایوب خان اور راجہ آزاد خان مرحوم، حاجی عثمان مرحوم، راجہ لطیف خان مرحوم، سردار بشیر خان اور منشی علی گوہر خان بھی اس اسمبلی میں تھے۔ گو کہ پرانے لوگوں میں سے اکثر کی تعلیم کم تھی لیکن یہ پختہ کار نظریاتی لوگ تھے۔ اپوزیشن میں چودھری سلطان علی، چودھری صحبت علی، چودھری نیاز احمد، غلام حسن پنجابی، سردار خان بہادر خان اور کرنل منشاء خان مرحوم شامل تھے۔ اس طرح یہ ایوان بزرگ اور نوجوان لوگوں پر مشتمل ایک اچھا امتزاج تھا۔

قائد ایوان

اگرچہ اس اسمبلی میں مسلم کانفرنس اکثریت سے کامیاب نہیں ہوئی تھی اور 25 کی اسمبلی میں اس کے 11 ارکان تھے اور 3/2 آزاد ارکان کو شامل کر کے مسلم کانفرنس کا پارلیمانی گروپ بنایا گیا تھا لیکن اس کے باوجود سردار سکندر حیات خان کو قائد ایوان کی حیثیت سے اسمبلی میں کبھی شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ ہی حکومت کی طرف سے پیش کردہ کوئی بھی بل، مسودہ یا قرارداد کبھی ناکام ہوئی۔

مرزائیوں کے خلاف قرارداد کی منظوری

اس اسمبلی کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد تھی جو میرپور میں منعقدہ اجلاس میں منظور کی گئی تھی۔ یہ قرارداد میجر ایوب خان نے پیش کی تھی جس کی بازگشت پاکستان و آزاد کشمیر میں ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام میں سنائی دی۔ اس وقت پاکستان کے وزیراعظم بھٹو مرحوم تھے ان کے اردگرد مرزائیوں کا حلقہ خاصا مضبوط تھا۔ سول سروسز میں وہ انتہائی اہم اور اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ جب انہوں نے مل کر دباؤ ڈالا

کہ اس قسم کی قرارداد منظور نہیں ہونی چاہئے تو بھٹو صاحب نے فوراً اپنے وزیر داخلہ خان قیوم کو میر پور بھیجا کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے قرارداد واپس کرائیں۔ خان قیوم نے جب سردار عبدالقیوم خان سے ملاقات کر کے قرارداد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ ایک فنیٹک (Fanatic) ممبر کا محض ذاتی فعل ہے۔ جس میں ہمارا کوئی مشورہ شامل نہیں۔ یہ بات اس وقت کے تمام قومی اخبارات میں بھی شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد خان قیوم نے منگلا آ کر اس وقت کی آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبران سے ملاقات کر کے ان سے قرارداد واپس لینے کو کہا تو ممبران نے قرارداد واپس لینے سے انکار کر دیا اور وہ اپنی بات پر ڈٹ گئے۔ یہ قرارداد، اسمبلی کی غیر سرکاری کارروائی کے دنوں میں میجر ایوب خان نے پیش کی تھی۔ جب اس طرح کی کوئی قرارداد اسمبلی میں آجاتی تھی تو حکومت اس کو آؤن (OWN) یا مسترد کر دیتی تھی۔ اصولی طور پر اس قرارداد کو وزیر قانون کی حیثیت سے اقبال بٹ مرحوم کو ڈیل کرنا چاہئے تھا لیکن وہ انکار ہو گئے اور قائد ایوان کی حیثیت سے یہ قرارداد سردار سکندر حیات خان کو آؤن کرنا پڑی۔ اس وقت صدر یا حکومت کی طرف سے بھی ان کو کوئی راہنمائی نہ تھی اور نہ وزارت قانون نے ان کی معاونت کی۔ کئی لوگوں نے ان سے کہا تھا کہ وہ قرارداد میں اپنا سر کیوں پھنساتے ہیں اس کو ڈس آؤن (Dis own) کر لیں لیکن انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ وہ قرارداد کو اس لئے Dis own نہیں کریں گے کہ یہ ان کے ایمان اور جماعتی منشور کا حصہ ہے۔

اپوزیشن اور بعض دوسرے ممبران اسمبلی بھی ایوان سے واک آؤٹ کر گئے تھے۔ سردار سکندر حیات خان اور ان کے ساتھی تن تنہا اسمبلی میں بیٹھے رہے اور اس طرح انہوں نے یہ قرارداد منظور کرائی۔ اس قرارداد کی منظوری کے بعد سردار سکندر حیات خان کی سربراہی میں ممبروں نے منگلا میں خان قیوم سے ملاقات کی تو انہوں نے سردار سکندر حیات خان سے کہا کہ

آپ کا صدر کہتا ہے کہ یہ قرارداد ایک فنیٹک ممبر نے پیش کی ہے۔ صدر قرارداد واپس لینے کے لئے آمادہ ہے تو اس کو واپس لو۔

سردار سکندر حیات خان نے اس سے قبل ممبران اسمبلی سے میٹنگ کر کے قرارداد کے بارے میں سردار عبدالقیوم خان سے پوچھا تو انہوں نے کہا تھا کہ ''تم جو مرضی کرو'' چنانچہ سردار سکندر حیات خان نے اپنے طور پر ممبران سے کہا کہ وہ ڈٹ جائیں۔ خان قیوم نے ممبران اسمبلی سے ملاقات کے دوران قرارداد کا بڑا بھیانک نقشہ کھینچا اور کہا اس پر تمہاری حکومت ختم ہو جائے گی۔ ملک میں سخت بحران آ جائے گا۔ منشی علی گوہر مرحوم (جو بڑے پختہ مسلم کانفرنسی تھے) نے کہا جناب آپ جو حکم دیں گے وہی کریں گے لیکن راولپنڈی والے سردار بشیر خان کھڑے ہو گئے اور کہا خان صاحب یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے ہم اسمبلی سے استعفیٰ دے دیں گے لیکن قرارداد واپس نہیں لیں گے۔ سردار سکندر حیات خان ابھی خاموش ہی تھے کہ خان قیوم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ میں اسمبلی کے ممبران کی خواہش کے مطابق ہی کروں گا۔ تاہم ممبران سردار بشیر خان کی بات پر ڈٹ گئے۔ اور خان قیوم پر واضح کر دیا کہ وہ قرارداد کسی صورت واپس نہیں لیں گے۔ اس پر پاکستان میں بہت واہ واہ ہوئی۔ ملک بھر سے بے شمار تاریں، ٹیلی فون اور خطوط کے ذریعے پیغامات بھیجے گئے۔

اخبارات میں اس کے حق میں اداریے اور مضامین لکھے گئے جس میں مسلم کانفرنس کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اسی کی پاداش میں مرکزی حکومت نے مسلم کانفرنس کی حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کروائی جس سے آزاد کشمیر میں بڑا بحران پیدا ہوا اور وزیراعظم پاکستان بھٹو مرحوم کو صدر آزاد کشمیر کے ہمراہ بذریعہ ہیلی کاپٹر پورے آزاد کشمیر کا دورہ کرنا پڑا۔ اس طرح وقتی طور پر یہ بحران ٹل گیا۔

ایکٹ 74ء کا نفاذ اور سردار سکندر حیات خان کا استعفیٰ

ایکٹ 1974ء کے تحت وفاقی حکومت آزاد کشمیر کو ختم نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی اسمبلی اس ایکٹ کے تحت صدر پر عدم اعتماد کر سکتی تھی۔ ایکٹ 1970ء کو آزاد کشمیر کے لیڈروں سے معاملہ طے کر کے مرکزی حکومت نے بدلا اور ایکٹ 1974ء میں سیکشن نمبر 56 کا اضافہ کیا جس کے تحت آزاد کشمیر کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے مرکزی حکومت کو مداخلت کا اختیار دیا گیا۔ اس ایکٹ کی منظوری کے وقت سردار سکندر حیات خاں نے اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ایکٹ 1970 کو تبدیل کر کے ایکٹ 1974ء کیوں نافذ کیا جا رہا ہے۔ سردار عبدالقیوم خان نے بہت اصرار کر کے انکو استعفیٰ واپس لینے پر آمادہ کیا تھا کیونکہ اسمبلی میں مسلم کانفرنس کی نمائندگی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

ایکٹ 1974ء کی جو شکل ابتداء میں تھی بعد میں اس میں تبدیلیاں کی گئیں۔ منظوری کے وقت اس کی شکل یہ تھی کہ اس کے تحت صدر آزاد کشمیر کا انتخاب بالغ رائے دہی کے تحت تھا جس کو ترمیم کر کے تبدیل کر دیا گیا۔ اس میں صدر کے کچھ اختیارات تھے۔

1970ء میں جو حکومت منتخب ہوئی تھی اس کی میعاد چار سال تھی۔ ایکٹ 74ء نافذ ہوا تو حکومت کی مدت ختم ہو رہی تھی بلکہ 6/5 زیادہ ہو چکے تھے۔ وفاقی حکومت نے سردار عبدالقیوم خان کے خلاف عدم اعتماد کی جو تحریک منظور کرائی تھی اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی تھی کہ حکومت آزاد کشمیر نے اپنی میعاد سے تجاوز کیا ہے۔

ایکٹ 74ء کیوں اور کیسے بنا؟ اسکی تفصیلات سردار عبدالقیوم اور چار دیگر پارٹیوں کے قائدین سردار محمد ابراہیم خان کے ایچ خورشید مرحوم چودھری نور حسین اور پیر علی جان شاہ کے درمیان طے ہوئی تھیں۔ سردار ابراہیم خان اس وقت صدر مسلم کانفرنس کی حیثیت سے مسلم

کانفرنس کی نمائندگی کر رہے تھے۔ مرکزی حکومت کے ساتھ انہوں نے دیگر پارٹیوں کے رہنماؤں کے ہمراہ اس معاملے میں گفت وشنید کی تھی۔ سردار سکندر حیات خان کا کہنا ہے کہ وہ مسلم کانفرنس کی حکومت میں سینئر وزیر تھے۔ اس وقت سات وزارتیں ان کے پاس تھیں لیکن وزارت قانون کا قلمدان ان کے پاس نہیں تھا اگر وزارت قانون ان کے پاس ہوتی تو وہ کبھی ایسا مسودہ نہ بناتے جس سے آزاد کشمیر کی حکومتیں غیر مستحکم ہوئیں۔

حکومت پاکستان چونکہ اس وقت آزاد کشمیر اسمبلی میں فریق نہیں تھی اس لئے پاکستان کے علاوہ ایک اور ادارہ ''کشمیر کونسل'' قائم کیا' جس کا چیئرمین وزیراعظم پاکستان ہوتا ہے۔ حکومت پاکستان ہی دفعہ 56 کا استعمال کر سکتی ہے۔ اس طرح ایکٹ 47ء کے نفاذ کے بعد حکومت پاکستان کو آزاد کشمیر میں مداخلت کرنے کا جواز مل گیا۔

مسلم کانفرنس کے مسلم لیگ میں ادغام کی تجویز

اس دور کے کئی لوگوں کا کہنا ہے کہ بھٹو صاحب اور سردار عبدالقیوم خان کے درمیان مسلم کانفرنس کا نام پیپلز کانفرنس رکھنے پر اتفاق بھی ہو گیا تھا۔ سردار عبدالقیوم خان چونکہ سیاست میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے عادی نہیں ہیں اور ان کی یہ طبعی کمزوری رہی ہے کہ وہ جو چاہیں کرتے رہیں اور فیصلے کرنے کے بعد پارٹی سے کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرو۔ جب ایکٹ 74ء بنا اور واہ واہ ہوئی تو ان ہی دنوں کچھ لوگوں نے سردار صاحب کو آمادہ کیا کہ بھٹو حکومت سے جو تصادم ہو گیا ہے اس کو ختم کیا جائے۔ 1973ء میں بھٹو صاحب سے ہونے والی کشیدگی وقتی طور پر ختم ہونے کے بعد 1975ء کے انتخابات کے مرحلہ پر ان سے جب دوبارہ تلخی شروع ہوئی تو سردار عبدالقیوم خان نے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اگر ہم مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کر کے پیپلز کانفرنس رکھ لیں تو شاید حکومت بچ جائے اور بھٹو صاحب ہمیں قبول کر

لیں۔ جماعتی لوگوں نے ان کی تجویز کو قبول نہ کیا۔ جس کے باعث اس بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ بعدازاں پی۔ این۔ پی کے دور میں سردار صاحب نے ایک مرتبہ پھر سردار سکندر حیات خان سے کہا کہ مسلم کانفرنس کو مسلم لیگ میں ضم کر دیں اس سلسلہ میں ایک دستاویز بھی لکھی گئی جس پر مسلم کانفرنس کی طرف سے سردار سکندر حیات خان اور مسلم لیگ کی طرف سے ایس ایم ظفر نے دستخط کرنے تھے۔ پیر پگاڑا اس وقت مسلم لیگ کے سربراہ اور ایس ایم ظفر سیکرٹری جنرل تھے۔ سردار سکندر حیات خان نے اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے جس کے باعث یہ منصوبہ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

کوٹلی کو ضلع کا درجہ دلانے کے لئے اقدامات

اس سیاسی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اس دورے میں سردار سکندر حیات نے بحیثیت سینئر وزیر آزاد کشمیر کی تعمیر و ترقی کے لئے مؤثر جدوجہد کی اور آزاد کشمیر کے دیگر علاقوں کے مسائل کے علاوہ کوٹلی جو اسوقت ضلع میر پور کی تحصیل تھی کی ترقی کے لئے مؤثر اقدامات کیئے۔ 1975ء میں کوٹلی کو ضلع اور نکیال (فتح پور) اور سہنسہ کو سب ڈویژن کا درجہ دلانے میں بنیادی رول ادا کیا جس کے باعث کوٹلی کے لوگوں کی تعمیر و ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

سردار عبدالقیوم خان کے خلاف عدم اعتماد کی کارروائی

1975ء میں جب سردار قیوم کی حکومت کے خلاف کارروائی کی گئی تو آزاد کشمیر میں بڑی غیر یقینی اور ہیجانی صورتحال پیدا ہوئی وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی حکومت ختم کرانے کے لئے ایف۔ ایس۔ ایف (فیڈرل سکیورٹی فورس) کو بھیجا اور اسکے سپاہیوں نے بڑے جارحانہ انداز میں ایوان صدر مظفر آباد پر حملہ کیا۔ اس موقع پر موجود تمام مسلم کانفرنسی کارکن مرنے مارنے کے لئے ایوان صدر کے چاروں طرف دھرنا مار کر

بیٹھے ہوئے تھے۔ ایوان صدر کا پانی' بجلی اور ٹیلی فون کا رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔ سردار عبدالقیوم خان نے اس موقع پر بڑے تدبر کا ثبوت دیا اور کسی قسم کا تصادم نہیں ہونے دیا وہ ایوان صدر سے باہر نکل آئے اور مسلم کانفرنسی کارکنوں کو پر امن رہنے کی ہدایت کی۔

جن دنوں یہ کارروائی کی گئی سردار سکندر حیات خان وزیر نہیں تھے۔ یہ وسط اپریل کا واقعہ ہے۔ مارچ 1975ء میں ان کے خلاف آزاد کشمیر ہائیکورٹ نے ایک فیصلہ دیا تھا۔ یہ فیصلہ ان کے اور حکومت کے دو دوسرے مشیروں کے خلاف غلام حسن پنجابی کی رٹ پر عدالت عالیہ نے دیا تھا۔ جب ایکٹ 1974ء بنا اور سردار سکندر حیات خان کو کابینہ میں دوبارہ بحیثیت وزیر جبکہ سردار یوسف مرحوم' اقبال بٹ مرحوم اور غلام احمد رضا مرحوم کو بطور مشیر حکومت میں شامل کیا گیا تھا۔ غلام حسن پنجابی نے ہائی کورٹ میں دعویٰ دائر کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ ایکٹ 1974ء کے نفاذ کے بعد نظام پارلیمانی ہو گیا ہے اور بحیثیت وزیر سردار سکندر حیات خان کی تقرری غیر آئینی ہے جبکہ غیر منتخب وزیروں کی تقرری آئینی ہے۔

سردار سکندر حیات خان نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ وہ عدالتوں کا بڑا احترام کرتے ہیں لیکن یہ بھی ان کے خلاف ایک سازش تھی۔ اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ ایکٹ 1974ء کے نفاذ کے بعد نظام پارلیمانی ہو گیا' جبکہ فیصلہ یہ دیا گیا کہ سکندر حیات کی تقرری بحیثیت وزیر غیر آئینی ہے۔

مارچ سے لیکر اپریل 1975ء تک حکومت میں گو کہ ان کی بحیثیت وزیر یا مشیر کوئی پوزیشن نہ تھی تاہم سردار سکندر حیات خان ہر وقت موجود رہتے تھے اور سردار عبدالقیوم خان کے شانہ بشانہ ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ یہ مسلم کانفرنس پر بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ ان دنوں سردار سکندر حیات خان کو جماعتی اور حکومتی کاموں کے سلسلے میں دن رات کبھی راولپنڈی اور کبھی مظفر

آباد کے دورے کرنے پڑتے تھے۔

سردار عبدالقیوم خان کی گرفتاری

سردار عبدالقیوم خان اقتدار سے علیحدہ ہوئے تو ان کے ساتھ کل آٹھ آدمی تھے۔ باقی جماعتی عہدیدار اور کارکن ایف۔ ایس۔ ایف سے خوفزدہ ہو کر کنارے ہو گئے تھے۔ جب سردار عبدالقیوم خان ایوان صدر سے باہر آئے تو وہ سردار سکندر حیات کی ذاتی گاڑی میں بیٹھے تھے۔ اس موقع پر بہت سے لوگ جمع ہو گئے لوگوں کا مطالبہ تھا کہ سردار عبدالقیوم خان ان سے خطاب کریں سردار صاحب نے سردار سکندر حیات خان کی کار کے بونٹ پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کی تو ایف ایس ایف کے لوگوں نے بڑی بدتمیزی سے سردار عبدالقیوم خان کو تقریر کرنے سے روک دیا۔ سردار صاحب جلال میں آ گئے لیکن اس موقع پر شاید انہوں نے ایف ایس ایف کے حکام سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا چنانچہ سردار سکندر حیات خان نے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھایا اور حاضرین سے کہا کہ تقریریں کرنے کے مواقع بعد میں آئیں گے آپ حوصلہ رکھیں۔

سردار سکندر حیات خان سردار عبدالقیوم خان کو گاڑی میں بٹھا کر گاڑی خود چلاتے ہوئے انہیں راولپنڈی لے گئے جبکہ سردار قیوم حکومت کے دیگر وزیروں اور مشیروں کا کسی کو علم نہ ہو سکا کہ وہ کدھر چلے گئے۔

سردار ابراہیم خان صاحب کی پی پی میں شمولیت

سردار محمد ابراہیم خان صاحب مسلم کانفرنس کے صدر تھے وہ راولاکوٹ میں تھے کہ انہیں بھٹو صاحب کا خصوصی پیغام ملا کہ انہوں نے الیکشن لڑنا ہے اور آزاد کشمیر کا اقتدار آئندہ انہیں دیں گے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ الیکشن میں حصہ لینے کے لئے سردار ابراہیم خان صاحب کو انتخابی فارم راولاکوٹ بھیجے گئے جو سردار سیاب خالد نے پر کر کے راولپنڈی بھیجے

اور خواجہ امین مختار نے وہ فارم اسلام آباد میں الیکشن کمیشن کے آفس میں جمع کرائے' وہ وقت انتہائی کشمکش کا تھا۔ راولاکوٹ سے واپس آ کر سردار ابراہیم خان صاحب اپنی راولپنڈی والی کوٹھی میں قیام پذیر ہو گئے اور دونوں طرف گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے انہیں آئندہ کے لئے وزیر اعظم نامزد کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ جماعتی فیصلہ کو نظر انداز کرتے ہوئے پیپلز پارٹی سے جا ملے۔ کچھ لوگوں کی خواہش تھی کہ یہ دونوں حضرات آپس میں لڑتے رہیں حتیٰ کہ جس وقت سردار عبدالغفار خان نے پونچھ ہاؤس میں سردار ابراہیم خان کے خلاف زوردار نعرے لگوائے اور کئی لوگوں نے اس موقع پر ان کے خلاف نازیبا باتیں بھی کیں۔ سردار ابراہیم خان چونکہ ساتھ والی کوٹھی میں یہ ساری باتیں سن رہے تھے چنانچہ اس صورتحال کے بعد سردار ابراہیم خان نے خواجہ امین مختار کے بذریعہ سردار قیوم خان کو پیغام بھیجا کہ اب وہ مفاہمت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے بھائی نے ان کو گالیاں دلائی ہیں۔

اس سارے عمل کو سردار سکندر حیات خان نے اس دور میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور انتہائی کوشش کی کہ مسلم کانفرنس دھڑے بندی سے بچ جائے لیکن سردار ابراہیم خان کا کہنا تھا کہ سردار عبدالقیوم خان مجھے کس طرح وزیر اعظم نامزد کرتے ہیں۔ وزیر اعظم کا انتخاب تو اسمبلی کرے گی اس واقعہ کے بعد سردار ابراہیم خان مکمل طور پر پی پی میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس کر کے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو پی پی میں مدغم کرنے کا اعلان کر دیا۔

انتخابات میں مسلم کانفرنس کا بائیکاٹ

انتخابات کا وقت قریب آیا اور انتخابات لڑنے کے لئے مسلم کانفرنس نے پورے جوش و خروش سے تیاریاں شروع کر دیں۔ مسلم کانفرنس کی الیکشن مہم کو بھٹو صاحب نے ایف۔ ایس

-ایف کے ذریعہ سختی کچلنے کی کارروائیوں کا آغاز کر دیا سردار عبدالقیوم خان سردار سکندر حیات خان کے ہمراہ راولپنڈی سے ایک قافلے کی صورت میں مظفرآباد کی طرف روانہ ہوئے اور چھتر کے مقام پر پہنچنے تک ان کے قافلے میں ہزاروں گاڑیاں شامل ہو گئیں لیکن چھتر میں بڑے جارحانہ انداز میں ایف-ایس-۱۲ ایف کے حکام اور اہلکاروں نے اس قافلے کو روک دیا اور آزاد کشمیر بھر کے مسلم کانفرنسی کارکنوں اور ان کی انتخابی سرگرمیوں کو کچلنے کے لئے متشددانہ کارروائیوں کی انتہا کر دی۔ سردار عبدالقیوم خان اور سردار سکندر حیات خان نے باہمی مشاورت سے اس صورتحال پر غور و غوض کر کے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا کیونکہ پی پی ہر قیمت پر آزاد کشمیر میں خون خرابہ کرنے پر تل گئی تھی اور بعض مقامات پر مسلم کانفرنس کے جلسوں کو گولیاں چلا کر درہم برہم کیا گیا تھا۔ جب الیکشن کا مرحلہ آیا تو سب سے پہلے اسمبلی کے مسلم کانفرنسی ممبران کو پی پی میں شامل کیا گیا۔ جماعتی ارکان کی اکثریت جماعت کا ساتھ چھوڑ کر پی پی میں چلی گئی۔ ان میں پیر علی جان شاہ' ممتاز راٹھور' غلام حسن کرمانی' نثار حسین شاہ' شیخ منظر مسعود' غلام احمد رضا' سردار یوسف وغیرہ شامل تھے۔ اس نازک موقع پر جن ممبران اسمبلی نے جماعت کا ساتھ دیا ان میں سردار سکندر حیات خان کے علاوہ میجر ایوب خان' راجہ محمد آزاد خان' راجہ لطیف خان' منشی علی گوہر' حاجی عثمان اور بیگم راجہ حیدر خان شامل تھے۔

قائم مقام صدر مسلم کانفرنس کی حیثیت سے کردار

سردار قیوم حکومت کی برطرفی کے بعد جب سردار عبدالقیوم خان کو نظر بند کر دیا گیا تو ان کی ساری ذمہ داریاں سردار سکندر حیات خان کے کندھوں پر آن پڑیں۔ جماعت تقسیم ہو چکی تھی۔ ایک دھڑے کو لیکر سردار ابراہیم خان پی پی میں چلے گئے تھے۔ اس کڑی آزمائش کے وقت میں اگر کسی شخصیت نے مجاہدانہ کردار ادا کر کے ازسرنو جماعت کی شیرازہ بندی کی تو وہ

سردار سکندر حیات خان ہی تھے۔ انہیں اقتدار کا بھی لالچ دیا جا رہا تھا اور دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ سردار قیوم کا ساتھ چھوڑ دیں لیکن سردار سکندر حیات خان نے نہ جماعتی وفاداری تبدیل کی اور نہ سردار عبدالقیوم خان کا ساتھ چھوڑا بلکہ حالات کا بڑی حکمت عملی اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ انہوں نے ایک طرف مسلم کانفرنس کو ملک بھر میں زندہ و فعال رکھا اور دوسری طرف سردار عبدالقیوم خان سے بدستور رابطہ رکھ کر ان کی رہائی کے لئے سیاسی اور قانون جنگ لڑتے رہے۔ اس وقت آزاد کشمیر میں ایف ایس ایف اور پی پی کے دباؤ کی وجہ سے کسی جگہ جماعتی جلسہ کرنا ممکن نہ تھا لیکن اس کے باوجود سردار حیات خان آزاد کشمیر اور پاکستان میں جگہ جگہ میٹنگیں کر کے جماعتی کارکنوں سے ملاقاتیں کرتے رہے اور انہیں حوصلہ دیتے رہے۔

مسلم کانفرنس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے
سردار سکندر حیات خان کا تاریخی رول

سردار سکندر حیات خان 1976ء میں مسلم کانفرنس کے سینئر نائب صدر اور پھر قائم مقام صدر بنے۔ سردار عبدالقیوم خان چاہتے تھے کہ سردار سکندر حیات خان جماعت کے صدر بن جائیں کیونکہ انہوں نے ملک کے کونے کونے کا دورہ کر کے بڑے مشکل حالات میں مسلم کانفرنس کو از سر نو منظم کیا تھا۔ سردار سکندر حیات خان سردست جماعت کی صدارت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے تاہم سردار سکندر حیات خان نے تن تنہا مسلم کانفرنس کی شیرازہ بندی کر کے اس کی نشاۃ ثانیہ کے اس تاریخی منظر کی یاد تازہ کر دی تھی جس کی روایت 1939ء کے اوائل میں ان کے والد محترم سردار فتح محمد خان کریلوی نے جب شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں مدغم کیا گیا اور انہوں نے مسلم کانفرنس کی احیاء کے لئے ایک تاریخ ساز جدوجہد کی) قائم کی تھی اور اسی کے نتیجہ میں مسلم کانفرنس دو سال بعد 1941ء میں نیشنل

کانفرنس کے مقابلے میں دوبارہ معرض وجود میں آئی تھی۔

مسلم کان کی تنظیم نو کے لئے کوششیں

1975ء میں آزاد کشمیر سے مسلم کانفرنس کی حکومت کے خاتمے اور صدر مسلم کانفرنس سردار محمد ابراہیم خان سمیت دیگر سینئر جماعتی عہدیداروں کے پی پی میں چلے جانے کے بعد پی پی والوں نے اپنی طرف سے مسلم کانفرنس کو دفن کر دیا تھا۔ مسلم کانفرنس کا نام لینے والوں میں چند لوگ ہی رہ گئے تھے اور وہ بھی گھر بیٹھ گئے تھے۔ جلسے جلوسوں میں فائرنگ ہوتی تھی لوگ باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ مسلم کانفرنسی کارکنوں اور ان کے رشتہ داروں پر سختیاں کی جارہی تھیں۔ اس طرح مسلم کانفرنس دس سال میں (1975ء تا 1985ء) بڑی آزمائشوں سے گزر کر دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس دور میں سردار سکندر حیات خان کو سیاسی مشکلات اور آزمائشوں کے ساتھ ساتھ زبردست مالی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ کئی لوگوں نے ان کو وکالت کا مشورہ بھی دیا لیکن انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جب تک مسلم کانفرنس دوبارہ منظم اور فعال نہیں ہو جاتی اور سردار عبدالقیوم خان رہا نہیں ہو جاتے وہ اس جدوجہد کو چھوڑ کر کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتے۔ سردار سکندر حیات خان اس دور میں اکیلے ملک کے طول و عرض میں گھومے اور ذاتی توجہ دیگر تنظیمی امور نمٹائے۔ جماعتی معاملات میں انہیں مسلم کانفرنس کے دیگر عہدیداروں کا کوئی خاطر خواہ تعاون حاصل نہیں تھا اور نہ ہی ان کی کوئی مالی مدد کی گئی۔ مسلم کانفرنس کے تنظیمی کام کے ساتھ ساتھ سردار سکندر حیات خان نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو بھی آزاد کشمیر و پاکستان بھر میں اپنی رہنمائی میں منظم کرایا۔ ایم ایس ایف کے کارکنوں نے 75ء سے 85ء تک مسلم کانفرنس کے شانہ بشانہ جو کٹھن جدوجہد کی اور 1985ء کے عام انتخابات میں مسلم کانفرنس کی کامیابی میں

جو موثر رول ادا کیا یہ سردار سکندر حیات خان کے ان اقدامات کا نتیجہ تھا جو انہوں نے مسلم کانفرنس کی قیادت سنبھالنے کے بعد ایم ایس ایف کو فعال بنانے کے لئے کئے تھے۔

پی-این-اے میں شمولیت اور تاریخ ساز کردار

سردار سکندر حیات خان کی سیاسی بصیرت تدبر اور قائدانہ صلاحیتیں اس وقت نکھر کر ملکی و قومی سطح پر سامنے آئیں جب انہوں نے نہ صرف مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر کی حیثیت سے پاکستان و آزاد کشمیر میں بھٹو حکومت کی انتخابی دھاندلیوں کے خلاف پی پی کے مقابلے میں دیگر تمام نو جماعتی اتحاد پی این اے کی تشکیل میں ایک بنیادی رول ادا کیا بلکہ اتحاد کے فورم سے ایک مثالی اور نا قابل فراموش جدو جہد کر کے پاکستان و کشمیری عوام اور سیاسی قائدین میں ایک بلند مقام حاصل کیا۔

بھٹو حکومت نے آزاد کشمیر میں جس انداز سے مسلم کانفرنس کی حکومت تبدیل کی تھی اور مسلم کانفرنسی عہدیداروں و ممبران اسمبلی کو خرید کر سردار عبدالقیوم خان کو صدارت سے ہٹایا تھا اور پی پی کی حکومت قائم کرائی تھی۔ ان حالات میں سردار عبدالقیوم خان کی نظر بندی کے بعد ان کی عدم موجودگی میں مسلم کانفرنس کے لیڈر کی حیثیت سے سردار سکندر حیات خان کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ پاکستان میں بھٹو حکومت کے خلاف قائم ہونیوالے اتحاد میں اپنا موثر رول ادا کریں اور قوم کو یہ بتائیں کہ بھٹو اور ان کے ساتھیوں نے کس طرح آزاد کشمیر سے ایک منتخب حکومت ختم کرائی اور اس حساس خطے میں جو کشیدگی اور افراتفری پیدا ہوئی اس سے بھارت کس قدر فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

سردار سکندر حیات خان نے پاکستان قومی اتحاد کے قائدین کی نظر بندی کے دوران اتحاد کے نائب صدر اور پھر منتخب سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے پاکستان کے قریہ قریہ میں جا کر

عظیم الشان جلوسوں سے خطاب کیا اور بڑے بڑے احتجاجی جلوسوں کی قیادت کی۔ وہ جہاں بھی جاتے تھے حاضرین جلسہ ہزاروں کی تعداد میں ان کا والہانہ استقبال کرتے تھے جب وہ تقریر کرتے تو لکھوکھا کے مجمع پر سناٹا طاری ہو جاتا تھا۔ انہوں نے پشاور سے لیکر کراچی تک اس طوفانی تحریک میں لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔ قومی اتحاد کے احتجاجی جلسوں کا آغاز کراچی کے جلسہ سے ہوا تھا جو آج تک تاریخ کا سب سے بڑا جلسہ ہے۔ اس جلسے میں سردار سکندر حیات خان کو سب سے پہلے تقریر کرنے کا موقع دیا گیا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ سردار سکندر حیات خان کی تقریر کا ایک ایک لفظ قومی اتحاد کی افادیت اور بھٹو حکومت کے خاتمہ کے لئے سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل تھے۔ اتحاد کو منظم وفعال رکھنے میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کوئی کسر نہ اٹھارکھی ان کے اس جرأت مندانہ کردار سے ان کا اور آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا وقار اہل پاکستان اور پاکستان کی سیاسی جماعتوں میں بہت بلند ہوا اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ آزاد کشمیر میں بھٹو حکومت کی زیادتیوں کیخلاف مسلم کانفرنس اپنے اصولی موقف پر کوئی سمجھوتہ کرسکتی ہے نہ کسی دباؤ یا لالچ کے تحت اس کو جھکایا جاسکتا ہے۔

مسلم کانفرنس کا پاکستان کے نو جماعتی اتحاد میں شامل ہونا اس وجہ سے نہ تھا کہ بھٹو اور ان کے ساتھیوں سے کوئی انتقام لیا جائے بلکہ پی این اے کے قیام سے قبل سات جماعتی یونائیٹڈ فرنٹ قائم کیا گیا تھا جس کی میٹنگوں اور جلوسوں میں بھی سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان شرکت کرتے تھے۔ اس طرح مسلم کانفرنس اور فرنٹ میں ایک ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ ازاں بعد جب اس فرنٹ میں آٹھ جماعتیں شامل ہوگئیں تو نویں ستارے کی شکل میں اس میں مسلم کانفرنس بھی شامل ہوئی۔ اس طرح اس نو جماعتی اتحاد کو پاکستان قومی اتحاد کا نام دیا گیا۔

مسلم کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے انتخاب

سردار سکندر حیات خان قومی اتحاد کے یادگار جلسوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کرتے ہیں کہ اگرچہ راولپنڈی، لاہور اور ملتان میں بھی بہت بڑے اجتماعات ہوئے لیکن اتحاد کا سب سے بڑا یادگار جلسہ نشتر پارک کراچی میں ہوا تھا جس سے تالیوں اور نعروں کی گونج میں خطاب کرنے کے بعد جب سردار سکندر حیات سیڑھیوں سے نیچے اترے تو مسلم کانفرنس کے سیکرٹری جنرل خواجہ محمد علی کنول ان کا جوتا ہاتھ میں اٹھائے رو رہے تھے۔ سردار سکندر حیات خان نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں رو رہے ہیں تو انہوں نے کہا آج اللہ تعالیٰ نے ہماری شرم رکھ لی ہے اور آپ کی تقریر نے ایمان تازہ کر دیا۔ آپ کی تقریر سے قبل میں خوفزدہ تھا کہ شاید اتنے بڑے اجتماع میں آپ آج تقریر نہ کر سکیں لیکن آپ کی تقریر سن کر خوشی میں آنسو آ گئے ہیں۔ آپ کی جگہ آج اگر راجہ نجیب یا کوئی اور ہوتا تو ہمارا کیا حشر ہوتا۔ راجہ نجیب اس وقت جماعت کے سینئر لوگوں میں گنے جاتے تھے۔

1978ء میں جب سردار سکندر حیات خان کو مسلم کانفرنس کا صدر چنا گیا تو اس وقت راجہ نجیب خان میرپور والے بھی مسلم کانفرنس کی صدارت کے امیدوار تھے۔

خواجہ محمد علی کنول نے اس حوالے سے راجہ نجیب کا ذکر کیا تھا۔ سردار سکندر حیات خان نے 1978ء تک مسلم کانفرنس کے سینئر نائب صدر کی حیثیت سے اپنا رول ادا کیا اور پھر 1978ء میں ان کو باقاعدہ طور پر مسلم کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ بھٹو صاحب کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ قومی اتحاد کے لیڈروں کو یکے بعد دیگرے گرفتار اور رہا کرتے رہتے تھے۔ یہ چوہے بلی کا کھیل تھا۔ اس دوران اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ اتحاد کے سٹیج کو فعال رکھا جائے۔ سردار سکندر حیات خان اس ذمہ داری کو بھی بطریق احسن نبھاتے رہے۔ سردار سکندر حیات

خان کا پی این اے کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے انتخاب ان کی اسی جدوجہد اور قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف تھا۔ اتحاد کے کل 25 ووٹوں میں 23 ووٹوں کی بھاری اکثریت سے انہیں مسلم لیگ کے امیدوار مخدوم حسن محمود مرحوم کے مقابلے میں سیکرٹری جنرل چنا گیا تھا۔ جس اجلاس میں ان کا انتخاب ہوا تھا اس کی صدارت مولانا مفتی محمود مرحوم نے کی تھی۔

سردار سکندر حیات خان نے قومی اتحاد کی تشکیل کے وقت اور تشکیل کے بعد انتہائی اہم مواقع پر سیاسی سرگرمیوں میں صف اول کے رہنما کا رول ادا کیا۔ جب سات جماعتی یو ڈی ایف کو 9 جماعتی قومی اتحاد بنانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں تو اس وقت اتحاد میں شامل پارٹیوں کی اندرونی سیاست ایک عجیب رخ اختیار کئے ہوئے تھی۔ ان کے درمیان سیٹوں کی تقسیم کا باہمی جھگڑا تھا اور ان جماعتوں کے قائدین کسی ایک کے ہاں اکٹھے بیٹھنے کے لئے آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ مسلم لیگ ہاؤس میں دیگر پارٹیوں کے رہنما جانے کے لئے تیار نہیں تھے اور مسلم لیگ والے ان کے ہاں بیٹھنے سے گریزاں تھے۔ اس ذہنی کھنچاؤ کو ختم کرانے کے لئے سردار سکندر حیات خان نے مولانا شاہ احمد نورانی کی پارٹی جمعیت العلمائے پاکستان کے سینئر نائب صدر رفیق باجوہ کو تجویز کی کہ وہ اپنے گھر سیاسی رہنماؤں کا اجلاس بلائیں۔ شاید اس صورت حال میں تمام جماعتوں کے رہنما انہیں قابل قبول سمجھ کر ان کے ہاں اکٹھا بیٹھنے پر رضامند ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رفیق باجوہ کے گھر منعقدہ اجلاس میں سب اکٹھے بیٹھ گئے تاہم ان کے درمیان سیٹوں کی تقسیم کا معاملہ جب حل نہ ہو سکا۔ یو ڈی ایف والوں سے اصغر صاحب اور نورانی صاحب ففٹی ففٹی مانگ رہے تھے۔ آخر ان میں ایک فیصد کا تنازع رہ گیا۔ اصغر صاحب اور نورانی صاحب اپنی اپنی بات پر سختی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر سردار سکندر حیات خان نے رفیق باجوہ سے کہا کہ ہم سب یہاں اکٹھے ہیں یہ بڑی بدقسمتی ہو گی اگر یہاں

سے ناکام جائیں۔ یوڈی ایف والے اپنے حصے پر نظر ثانی نہیں کرتے تو جو حصہ آپ کو ملے گا اس پر آپ اور اصغر خان صاحب کیا کرینگے۔ اگر 40 یا 60 یا اڑتالیس/48 اور باسٹھ فیصد کے حساب سے ملتا ہے یا تیس فیصد کے حساب سے ملتا ہے تو آپ دو پارٹیوں میں کس طرح تقسیم کرینگے۔ انہوں نے کہا ہم ففٹی ففٹی کرینگے تو سردار سکندر حیات خان نے رفیق باجوہ سے کہا کہ جو سیٹیں ان کے حصے میں آئیں گی ان میں سے ایک فیصد اصغر خان صاحب کو زیادہ دیدیں توان کی کمی پوری ہو جائیگی۔ باجوہ صاحب کو بات سمجھ آ گئی اور انہوں نے اجلاس میں کھڑے ہو کر کہا دیکھیں نورانی صاحب میں آپ کی جماعت کا سینئر نائب صدر ہوں ایک اعتماد پر بات کرنے لگا ہوں کہ میرا صدر میری بات مانے گا جو سیٹیں ہمارے حصے میں آئیں گی ان سے ایک سیٹ ہم اصغر صاحب کو زیادہ دے دینگے۔ نورانی صاحب نے ان کی بات سے اتفاق کیا اور اس طرح ان کے درمیان سیٹوں کا جھگڑا طے ہوا اور سب اکٹھے ہو گئے۔ رفیق باجوہ سے سردار سکندر حیات خان کے اس دور سے اچھے تعلقات تھے جب وہ سردار عبدالقیوم خان کی نظر بندی کے دوران وکالت کے لئے ان کے ہاں جاتے تھے۔ اس سے قبل پی این اے کی تشکیل کے وقت جب رفیق باجوہ کے گھر سیاسی رہنما پی این اے پر متفق نہیں ہو رہے تھے اور ان کے درمیان مختلف امور پر بڑے شدید اختلافات پائے جاتے تھے اور ان میں سے کئی رہنما اجلاس سے اٹھ کر باہر جانے کے لئے بھی تیار ہوئے لیکن سردار سکندر حیات خان اور لاء کالج لاہور کے ان کے ایک کلاس فیلو خان محمد اشرف خان جو پی این اے کے نائب صدر بھی رہے۔ کمرے کے دونوں دروازوں پر کرسیاں لگا کر بیٹھ گئے اور سیاسی رہنماؤں پر واضح کر دیا تھا کہ جب تک تمام رہنما متفق نہیں ہونگے انہیں باہر نہیں جانے دیا جائیگا۔ اس طرح اس وقت بھی سیاسی قائدین کو قومی اتحاد پر متفق کرنے میں دونوں رہنماؤں نے انتہائی اہم اور فعال کردار ادا کیا۔ رفیق باجوہ

کے گھر قومی اتحاد کے لیڈروں کا یہ طویل اجلاس رات دو بجے تک جاری رہا۔اجلاس کی طوالت کے باعث اس میں شریک رہنما اس قدر تھک چکے ہیں کہ اجلاس کے اختتام پر اتحاد کے قیام کا اعلان کسی باضابطہ پریس کانفرنس میں کرنے کے بجائے وہ رات کو اخبارات میں صرف اتنا بتا سکے کہ سب رہنما اکٹھے ہو گئے۔

تقسیم کشمیر کی مخالفت

سردار سکندر حیات خان نے قومی اتحاد کے ہر فورم سے ہر اہم اور مشکل وقت میں اپنی ذمہ داریاں پورے خلوص اور ثابت قدمی سے پوری کرنے کی کوشش کی اور ان کے اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ مولانا مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ خان اور میاں طفیل محمد، اصغر خان اور میاں نورانی اور دوسرے قائدین ان پر پورا پورا اعتماد کرتے تھے لیکن انہوں نے پاکستان کی اندرونی انتخابی سیاست میں کبھی حصہ لینے کی کوشش نہیں کی اور نہ کبھی کشمیر کی آزادی اور اس کے تشخص و وحدت پر کبھی کوئی سمجھوتہ کیا۔ان کے سیکرٹری جنرل بننے سے قبل نئے سیکرٹری جنرل کے انتخاب کے موقع پر پروفیسر غفور کے مقابلہ میں میاں محمود علی قصوری کی حمایت کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ میں ایسے شخص کی حمایت نہیں کر سکتا جو تقسیم کشمیر کی بات کرے۔ہم پوری ریاست کو ایک وحدت اور اکائی سمجھتے ہیں اس کی آزادی اور ساری ریاست کا پاکستان سے الحاق ان کا جزو ایمان ہے۔

بھٹو حکومت کا دباؤ اور وزارت عظمیٰ کی پیشکش

اس دور میں سردار سکندر حیات خان ایک طرف قومی اتحاد میں رہ کر جدوجہد کر رہے تھے اور دوسری طرف انہیں بھٹو حکومت کی ان انتقامی کاروائیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو وہ ایف ایس ایف کے ذریعے مسلم کانفرنس کے کارکنوں وعہدیداروں کو پی پی میں شامل کرنے اور

انہیں ہراساں کرنے کے لئے کر رہی تھی۔ خود سردار سکندر حیات خان پر بھی اس سلسلہ میں کافی دباؤ تھا۔ خاص کر مسعود محمود، سردار سکندر حیات خان اور ان کے بعض ساتھیوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لئے بہت زور لگا رہے تھے کہ وہ بھٹو صاحب کی بات مان لیں اگر پی پی میں شامل نہیں ہوتے تو سردار قیوم خان کا ساتھ چھوڑ دیں اور آزاد کشمیر کے وزیراعظم بن جائیں جبکہ سردار سکندر حیات خان اپنے مؤقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کوئی جاگیر دار نہیں نہ صنعت کار ہیں۔ ان کی کوئی مل پھنسی ہوئی ہے نہ کارخانہ۔ صرف ایک گاڑی ان کے پاس ہے وہ لے لیں۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکے تو دادا کی رسم پوری کرنے کے لئے چکی پیسیں گے کوئی یہ تو نہیں کہے گا کہ پوتا نالائق نکلا۔

اس وقت سردار سکندر حیات خان چاہتے تو وہ بھٹو کی بات مان کر بہت کچھ لے سکتے تھے اور انہیں آزاد کشمیر کا وزیراعظم بھی بنا دیا جاتا لیکن انہوں نے نہ صرف خاندانی خودداری اور غیرت وحمیت کو قائم رکھا اور کسی بھی لالچ اور دباؤ میں آئے بغیر مسلم کانفرنس کو زندہ وفعال رکھا بلکہ سردار عبدالقیوم خان سے اپنی وفاداری پر بھی کوئی آنچ نہیں آنے دی۔

پی این اے اور بھٹو صاحب کے درمیان مذاکرات کی کامیابی اور مارشل لاء کا نفاذ

پاکستان قومی اتحاد اور بھٹو حکومت کی مذاکراتی ٹیموں کے درمیان مذاکرات بھٹو صاحب کے بیرونی دورے سے قبل کامیاب سے ہو گئے تھے۔ بھٹو صاحب نے انتخابات دوبارہ کرانے اور ایک کونسل قائم کرنے سمیت پی این اے کے دوسرے سارے مطالبات مان لیے تھے لیکن جب وہ ملک سے باہر چلے گئے تو وہ لوگ جو مذاکرات کی کامیابی نہیں چاہتے تھے انہوں نے اپنا کام دکھایا اور پاکستان میں مارشل لاء کی راہ ہموار کر دی۔ اس سلسلہ میں جنرل ضیاء الحق کے بارے میں خواہ کوئی کچھ بھی کہے لیکن بہر صورت وہ اقتدار چاہتے تھے اور مارشل

لاء کا نفاذ ان کی اسی خواہش کا مظہر تھا۔ 5 جولائی 77ء کو پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ سے ایک روز قبل بھی پی این اے والوں نے واضح کر دیا تھا کہ بھٹو صاحب سے ان کے مذاکرات کامیاب ہو گئے ہیں جس رات مارشل لاء کا اعلان کیا گیا تھا اسی رات پی این اے والوں کی مذاکرات کی کامیابی کے اعلان کی پریس کانفرنس بھی آ گئی تھی لیکن مارشل لاء کے نفاذ کے بعد صورتحال یکسر بدل گئی۔

سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے انتخاب

پاکستان میں 5 جولائی کے مارشل لاء کے بعد حالات نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔ بدلتے ہوئے حالات میں جب ایک مرتبہ پھر پاکستان قومی اتحاد کے نئے سیکرٹری جنرل کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو اس وقت دلچسپ صورتحال پیدا ہو گئی۔ سردار سکندر حیات خان نے نوابزادہ نصراللہ خان کو سیکرٹری جنرل کے لئے سردار عبدالقیوم خان کا نام تجویز کیا اور دن کے وقت انفرادی طور پر سردار سکندر حیات خان کی تجویز سے اتفاق بھی کر لیا گیا جس کے باعث روزنامہ جنگ کے ڈاک ایڈیشن میں اس کی خبر شائع ہو گئی لیکن رات کو جب ووٹنگ کے لئے پی این اے کا اجلاس ہوا تو سردار عبدالقیوم خان کے نام پر اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ پی این اے کے لوگوں نے سردار عبدالقیوم خان کے بجائے ان کو سیکرٹری جنرل بنانے کی حمایت کی لیکن سردار سکندر حیات خان نے سردار عبدالقیوم خان کے احترام میں ان کے مقابلے میں امیدوار بننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ لوگ سردار صاحب کو ووٹ نہیں دیتے تو وہ امیدوار نہیں بنیں گے۔ سردار سکندر حیات خان کے انکار کے بعد نوابزادہ نصراللہ خان اور سردار عبدالقیوم خان کے اصرار پر انہیں دوبارہ سیکرٹری جنرل بننے پر آمادہ کیا گیا چنانچہ سردار سکندر حیات خان پگاڑا مسلم لیگ کے امیدوار حسن محمود کے دو ووٹوں کے مقابلے میں 23 ووٹوں کی بھاری اکثریت سے جیتے اور

روزنامہ جنگ کے لوکل ایڈیشن میں ان کے سیکرٹری جنرل اور ڈاک ایڈیشن میں سردار عبدالقیوم خان کے انتخاب کی خبریں شائع ہوئیں۔ اس سلسلہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ پی این اے کی طرف سے سردار عبدالقیوم خان کے مقابلہ میں سردار سکندر حیات خان پر اعتماد کا اظہار کیا گیا تھا۔

جیسا کہ قبل ازیں بتایا گیا ہے کہ بھٹو حکومت کی کارروائیوں سے پیدا ہونے والی صورتحال کے باعث مسلم کانفرنس نے آزاد کشمیر کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تھا اور اس طرح ایف ایس ایف کی نگرانی میں پیپلز پارٹی نے آزاد کشمیر میں یکطرفہ طور پر 40 سے 39 نشستوں پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلم سے تعلق رکھنے والا صرف ایک آزاد رکن کامیاب ہوا تھا۔ اس ریکارڈ انتخابی دھاندلی کے بعد آزاد کشمیر میں خان عبدالحمید خان کو پی پی کی حکومت کا وزیر اعظم اور سردار محمد ابراہیم خان کو صدر آزاد کشمیر مقرر کیا گیا تھا۔

حیات خان کا دور حکومت

پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد خان عبدالحمید خان فوری طور پر برطرف کر دیئے گئے لیکن سردار ابراہیم خان کو رہنے دیا گیا۔ خان حمید کی جگہ پاکستان آرمی کے ایک حاضر سروس بریگیڈیئر حیات خان کو آزاد کشمیر کا چیف ایگزیکٹو مقرر کیا گیا۔ ایک نیام میں دو تلواریں کیسے سما سکتی تھیں، جلد ہی سردار ابراہیم خان اور حیات خان کے درمیان ٹھن گئی اور حیات خان نے جنرل چشتی کے ذریعہ انہیں برطرف کرا دیا۔ اس طرح وہ بلاشرکت غیرے حکمران بن گئے۔

مسلم کانفرنس پھر آزمائش میں

پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کے برسر اقتدار آنے کے بعد مسلم کانفرنس آزاد کشمیر ایک

آزمائش سے نکل کر دوسری آزمائش میں پھنس گئی۔ سردار عبدالقیوم خان کی فوجی حکمرانوں کے ساتھ نئی لڑائی شروع ہوگئی۔ سردار صاحب نے جلسوں میں جنرل ضیاء الحق پر کڑی نکتہ چینی شروع کردی اور جنرل چشتی نے حیات خان کو حکم دیا کہ آزاد کشمیر کے تمام سیاسی لیڈروں کے محاسبے کے لئے ایک ٹریبونل قائم کیا جائے اور تمام لیڈروں کے کوائف جمع کر کے انہیں عدالتی عمل سے گزارا جائے۔ حیات خان نے بڑی تیزی سے جنرل چشتی کے احکامات کی تعمیل کرنا شروع کردی۔

محاسبہ ٹریبونل کا قیام

سردار عبدالقیوم خان نے فوجیوں سے لڑائی کر کے آزاد کشمیر میں جو صورتحال پیدا کرائی تھی اس کا بھگتان بھگتنے کے لئے سردار سکندر حیات خان کو ایک مرتبہ پھر کڑے امتحان سے گزرنا پڑا۔ اس دوران ان کے خلاف عجیب وغریب قسم کے مقدمات بنائے گئے۔ سردار عبدالقیوم خان نے ٹریبونل کا بائیکاٹ کیا تو ان کے خلاف یکطرفہ کارروائی شروع ہوگئی۔ سردار سکندر حیات خان نے کوشش کر کے کارروائی ریویو کروائی اور سردار صاحب کو مشورہ دیا کہ ہمارا دامن صاف ہے اس لئے ہمیں ٹریبونل کا سامنا کرنے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ سردار سکندر حیات خان نے اپنے اور سردار عبدالقیوم خان کے خلاف زیر سماعت مقدمات کی پوری تیاری سے پیروی کی اور تمام الزامات کو بے بنیاد ثابت کیا۔

حیات خان نے اپنے دور میں سردار سکندر حیات خان کے خلاف جو ریفرنس دائر کرائے تھے ان کی نوعیت اور اہمیت اس قدر معمولی تھی کہ محاسبہ ٹریبونل نے محض ایک ڈرائیونگ لائسنس جاری کرنے کے سلسلہ میں سردار سکندر حیات خان کو سیاست سے سات سال کے لئے نااہل قرار دے دیا تھا اور بعد میں وہ سپریم کورٹ سے بری ہوئے۔ حیات خان کا رویہ ابتداء

میں نرم تھا لیکن جب سردار عبدالقیوم خان کی جنرل ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ ناراضگی ہوئی تو حیات خان نے بھی ڈنڈا اچھالنا شروع کر دیا۔ سردار عبدالقیوم خان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور سردار سکندر حیات خان کے خلاف مختلف الزامات عائد کر کے ان پر جھوٹے مقدمات قائم کیے گئے۔

سردار عبدالقیوم خان کے جیل چلے جانے کے بعد سردار سکندر حیات خان کے کندھوں پر دوہری ذمہ داریاں آن پڑیں۔ انہوں نے ایک طرف سردار عبدالقیوم خان کی رہائی اور اپنے خلاف چلائے جانے والے مقدمات کی قانونی وعدالتی جنگ لڑی اور دوسری طرف پاکستان قومی اتحاد کے فورم سے سردار صاحب کی رہائی اور بحالی جمہوریت کی جدوجہد میں سرگرم رہے۔ اتحاد کے فورم سے انہوں نے دیگر سیاسی رہنماؤں کے تعاون سے جنرل ضیاء الحق پر سردار صاحب کی رہائی کے لئے زبردست دباؤ ڈالا۔ جنرل ضیاء الحق کافی عرصہ کے بعد اس وقت ان کی رہائی کے لئے آمادہ ہوئے جب آزاد کشمیر سے حیات خان کو ہٹا کر جنرل عبدالرحمٰن کو بھیجا گیا۔ سردار سکندر حیات خان اور نوابزادہ نصر اللہ خان کی کوششوں سے سردار صاحب کو جنرل عبدالرحمٰن کی حکومت نے رہا کیا۔ ان کی رہائی کے لئے سردار سکندر حیات خان نے آزاد کشمیر ہائیکورٹ میں رٹ دائر کر رکھی تھی جس کو نمٹاتے ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تھا اس کیس کی تاریخ پر جاتے ہوئے مری میں سردار سکندر حیات خان کی گاڑی کا حادثہ ہوا جس سے ان کی گاڑی بھی ٹوٹ گئی اور بازو بھی ٹوٹ گیا جس کے باعث سردار سکندر حیات خان تین ماہ تک زیر علاج رہے۔ ہائیکورٹ کے علاوہ دوسری کئی عدالتوں میں بھی سردار سکندر حیات خان نے سردار عبدالقیوم خان کی رہائی کے لئے چارہ جوئی کی' کچھ مقدمات کا اس دوران فیصلہ ہوا اور کچھ زیر سماعت ہی رہے۔ اس کی داستان بڑی طویل ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس دور میں مسلم

کانفرنس کو بڑی مشکلات سے گزرنا پڑا اور سردار عبدالقیوم خان کی نظر بندی کے دوران ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سردار سکندر حیات خان کڑی آزمائشوں سے نبرد آزما ہوئے۔

1985ء کے عام انتخابات

آزاد کشمیر سے جنرل حیات خان کی حکومت کو ہٹانے کے لئے 1978ء میں آزاد کشمیر میں ایک چار جماعتی اتحاد کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جس میں مسلم کانفرنس کے علاوہ سردار محمد ابراہیم خان اور چودھری نور حسین بھی شامل تھے لیکن جب 83ء میں جنرل ضیاء الحق نے پاکستان میں سیاسی عمل کی بحالی کے لئے سیاسی ڈھانچے کا اعلان کیا تو آزاد کشمیر سے جنرل حیات خان کو ہٹا کر جنرل (ریٹائرڈ) عبدالرحمٰن کو منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا جس کے کچھ عرصہ بعد پاکستان میں جنرل ضیاء الحق مرحوم کی حکومت نے غیر جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کرائے تو اس کے دس روز بعد آزاد کشمیر میں بھی مئی 1985ء میں عام انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں کافی عرصہ پہلے جی ایچ کیو میں وفاقی حکومت اور آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا اس کے تحت آزاد کشمیر میں انتخابات کرانے کا پروگرام بنایا تھا۔

اس طرح جب پاکستان میں غیر جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات ہوئے اور محمد خان جونیجو مرحوم پاکستان کے وزیراعظم بن گئے تو انہوں نے مئی 1985ء میں آزاد کشمیر میں بھی عام انتخابات کرائے جو جماعتی بنیادوں پر ہوئے۔ آزاد کشمیر کے انتخابات میں مسلم کانفرنس 19 نشستیں جیت کر واحد اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے کامیاب ہوئی اور چند آزاد ممبران کے تعاون سے اس کو حکومت سازی کرنے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ مسلم کانفرنس کو یہ کامیابی چونکہ سردار سکندر حیات خان کی سربراہی میں حاصل ہوئی تھی اور ممبران اسمبلی جن کا تعلق مسلم کانفرنس سے تھا کی غالب اکثریت بھی سردار سکندر حیات خان کو وزیراعظم بنانا چاہتی تھی چنانچہ

17 جون 1985 کو سردار سکندر حیات خان کو اپوزیشن کے متفقہ امیدوار کے 18 ووٹوں کے مقابلے میں 24 ووٹوں کی واضح اکثریت سے آزاد کشمیر کا وزیر اعظم منتخب کیا گیا جب 18 جون 85ء کو انہوں نے وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھایا تو اسی روز عبوری آئین ایکٹ 74ء سے سیکشن 53 اے ختم ہو گئی۔

سردار سکندر حیات خان کی حلف برداری کی تقریب جو سٹیٹ گیسٹ ہاؤس مظفر آباد کے سبزہ زار میں ہوئی' کا ایک امتیازی اور خوش آئند پہلو یہ بھی تھا کہ اس میں آزاد کشمیر کے تقریباً تمام مقتدر سیاسی و اپوزیشن رہنماؤں اور سابق صدر سردار عبدالقیوم خان صاحب' کے ایچ خورشید صاحب مرحوم جنرل حیات خان اور دوسرے رہنماؤں کے علاوہ ممتاز کشمیری رہنما اور سردار سکندر حیات خان کے والد گرمی سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم نے بھی شرکت کی تھی۔

تحریک آزادی اور تعمیر و ترقی کے لئے سردار سکندر حیات خان کی حکومت کے اہم اقدامات

حلف برداری کی تقریب میں موجود آزاد کشمیر کے تمام سابق صدور اور اپوزیشن کے قائدین نے وزیر اعظم کی حیثیت سے سردار سکندر حیات خان کے انتخاب کا نہ صرف خیر مقدم کیا بلکہ پارلیمانی نظام کے استحکام' تحریک آزادی اور ملکی تعمیر و ترقی جیسے اہم ملکی مسائل کے حل کے لئے انہیں اپنے پر خلوص تعاون کا بھی یقین دلایا۔

وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھاتے وقت اپنی حکومت کی آئندہ پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے سردار سکندر حیات خان نے تحریک آزادی کشمیر' آزاد کشمیر کی تعمیر و ترقی اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے مسلم کانفرنس کی نو منتخب حکومت کی ترجیحات کا اعلان کیا۔

18 جون 1985ء کو جب سردار سکندر حیات خان نے عنان حکومت سنبھالی تو آزاد کشمیر میں دس سال کے طویل سیاسی تعطل اور فوجی و شخصی حکومتوں کی پیدا کردہ خرابیوں کے

باعث آزاد کشمیر کے آئینی اور انتظامی اداروں کی حالت ناگفتہ بہ تھی اور سیاسی عدم استحکام کے باعث آزاد کشمیر کی سیاست میں غیر یقینی کی ایسی فضا بنی ہوئی تھی کہ اس خطہ کا نظریاتی اور اقتصادی استحکام ایک زبردست چیلنج بن چکا تھا لیکن سردار سکندر حیات خان نے اس صورتحال اور ذمہ داری کو کھلے دل سے قبول کیا اور تحریک آزادی کشمیر سمیت دیگر اہم ملکی مسائل کو انقلابی بنیادوں پر حل کرنے کے لئے فوری طور پر اہم اقدامات کا اعلان کر دیا۔ ان کی حکومت نے 29 جون 1985ء کو پہلے سال کا جو بجٹ پیش کیا وہ چونکہ جنرل عبدالرحمٰن کی حکومت کا تیار کردہ تھا اس لیے وقت کی کمی کے باعث مسلم کانفرنس کی حکومت اس میں کوئی زیادہ ردو بدل کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی تاہم دوسرے سال 1986ء کے بجٹ میں سردار سکندر حیات خان نے اپنی حکومت کی اعلان کردہ ترجیحات کے مطابق تحریک آزاد کشمیر کی جدوجہد کو تیز تر کرنے کے لئے بجٹ میں پہلی مرتبہ کشمیر لبریشن سیل کے قیام اور اس کے لئے 20 لاکھ روپے کے فنڈز مختص کرنے سمیت دیگر اہم اقدامات کیے اور آزاد کشمیر کے کئی بڑے بڑے اور دیرینہ ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لئے کروڑ روپے کے فنڈز مہیا کیے گئے' ان کی حکومت کے ان اقدامات کا دیگر سیاسی وعوامی حلقوں کے علاوہ اس وقت کی اپوزیشن جماعتوں نے بھی خیر مقدم کیا اور اپوزیشن لیڈر کے ایچ خورشید مرحوم نے اسمبلی کے فورم پر کشمیر لبریشن سیل اور تعمیر و ترقی کے لئے دوسرے اقدامات کو سراہتے ہوئے برملا اعلان کیا کہ اپوزیشن اس سلسلہ میں حکومت سے تعاون کرے گی۔

سردار سکندر حیات خان نے برسر اقتدار آنے کے فوری بعد اسمبلی اور حکومت میں ملک کے ایسے تمام مکاتب فکر جن کی اس سے قبل ان فورمز پر نامزدگی نہیں تھی کو نمائندگی دینے کے لئے قانون ساز اسمبلی میں ٹیکنو کریٹس' علماء و مشائخ اور سمندر پار کشمیریوں کی ایک ایک نشست

کے علاوہ خواتین کی نشستوں کی تعداد 2 سے بڑھا کر 5 کر دی‘ اس طرح آزاد کشمیر اسمبلی میں پہلی مرتبہ سردار سکندر حیات خان کی حکومت نے خواتین سمیت تمام طبقوں کو بھرپور نمائندگی دی اور ایک خاتون رکن اسمبلی کو کابینہ میں شامل کر کے حکومت میں خواتین کی نمائندگی کو یقینی بنایا۔

پسماندہ علاقوں اور دیہات میں
رابطہ و پختہ سڑکوں کی تعمیر

آزاد جموں و کشمیر کے اس خطے جس کی 95 فیصد آبادی دیہاتوں میں آباد ہے کی پسماندگی اور تعمیر و ترقی کی سہولتوں سے محرومی کا احساس کرتے ہوئے ترقی کا رخ دیہاتوں کی طرف موڑنے اور دور دراز و دشوار گزار دیہات کے ان علاقوں کے لوگوں جو سیز فائر لائن کے قریب ہونے کے باعث آئے روز بھارتی فائرنگ سے متاثر ہوتے ہیں‘ کی امداد اور ترقی کے لئے سردار سکندر حیات خان نے ذاتی توجہ دیکر کئی ترقیاتی منصوبوں پر کام شروع کرایا اور ایک سال کے مختصر عرصہ میں سینکڑوں منصوبے مکمل کئے گئے۔ ایجوکیشن سیکٹر میں دو ہزار سے زائد اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ سینکڑوں میل رابطہ اور پختہ سڑکوں کو مکمل کیا گیا‘ جس سے آزاد کشمیر میں تعمیر و ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور وادی نیلم‘ فارورڈ کہوٹہ‘ سماہنی‘ فتح پور اور دوسرے ایسے دشوار گزار دیہات جہاں اس سے قبل کوئی رابطہ روڈ تھی اور نہ پختہ کئی میل لمبی سڑکوں کی تعمیر کے لئے فنڈز فراہم کئے گئے انتہائی پسماندہ دیہات کے سینکڑوں لوگوں کو بجلی فراہم کی گئی اور تعلیم و صحت کی جدید سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ اپوزیشن کو ابتدا سے ہی تعمیر و ترقی کے کاموں میں عملاً شریک کیا گیا اور حکمران جماعت کے ممبران اسمبلی اور وزراء کے ساتھ ساتھ اپوزیشن کے قائدین اور ارکان اسمبلی کی سفارشات پر ان کے حلقوں میں ترقیاتی کاموں کے لئے برابری کی بنیاد پر فنڈز کی فراہمی کے لئے اقدامات کئے گئے۔ تحریک آزادی و ملکی تعمیر و ترقی

کے سلسلہ میں اپوزیشن کے کردار کو انتہائی اہم تصور کرتے ہوئے اس وقت کے اپوزیشن لیڈر کے ایچ خورشید مرحوم اور ان کے ساتھی دیگر اپوزیشن رہنماؤں کو اعتماد میں لے کر تمام سیاسی وحکومتی معاملات افہام وتفہیم سے چلانے کی پالیسی اختیار کی۔ وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھانے کے فوری بعد سردار سکندر حیات خان بنفس قائد حزب اختلاف کے چیمبر میں گئے اور ان سے خلوص ورواداری کے ماحول میں ملاقات کی۔ مسئلہ کشمیر اور دیگر قومی امور پر ان سے بھرپور تعاون کی خواہش کا اظہار کیا اور ان کو کشمیر لبریشن سیل کی سربراہی کرنے کی پیشکش کی جس کو قبول کرنے سے انہوں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ اس میں بیوروکریسی کا عمل دخل ہوگا۔ سیل آپ (سردار سکندر حیات خان) نے قائم کیا ہے اس لئے اس کی سربراہی کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہونا چاہئے تاہم سردار سکندر حیات خان کی خواہش پر کے ایچ خورشید مرحوم اور اپوزیشن جماعتوں کے دوسرے رہنماؤں کو سیل کے ممبران میں شامل کیا گیا۔ وزیر اعظم کی حیثیت سے خود سردار سکندر حیات خان نے سیل کے چیئرمین کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور صدر آزاد کشمیر کو اس کے سرپرست اعلیٰ کی ذمہ داری سونپنے کے علاوہ تحریک آزادی کے بزرگ وتجربہ کار رہنماؤں اور کارکنوں کو سیل کے ادارے میں شامل کر کے اس کے دائرہ کار کو وسعت دینے اور تحریک آزادی کو اندرون بیرون ملک بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مؤثر اقدامات کئے۔

سردار سکندر حیات خان نے بحیثیت وزیر اعظم پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں لبریشن سیل کے قیام کے لئے خصوصی دلچسپی لے کر راولپنڈی' لاہور اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں اس کے دفاتر کے لئے جگہ حاصل کی۔ انہوں نے اپنی سرکاری گاڑی سے جھنڈا اتار کر چاندنی چوک راولپنڈی میں اس کے آفس کی جگہ کا خود انتخاب کیا جبکہ لاہور میں سیل کے

آفس کے قیام کے لئے اس وقت کے وزیراعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف سے دو کینال کا پلاٹ الاٹ کرایا اور سیل کو مستقل بنیادوں پر چلانے اور بیرون اور اندرون ملک اس کی شاخوں (دفاتر) کی مالی ضروریات کے لئے ہر سال بجٹ میں مختص کی جانیوالی رقم میں مطلوبہ اضافے کی پالیسی اختیار کی گئی۔

سردار سکندر حیات خان کی حکومت نے جب 1986ء میں لبریشن سیل کا قیام عمل میں لایا تو اس وقت مقبوضہ کشمیر میں بھی تحریک آزادی نے ابھی کروٹ نہیں لی تھی لیکن سردار سکندر حیات نے جونہی یہ محسوس کیا کہ مستقبل قریب میں وہاں کے حالات میں تبدیلی آئے گی تو انہوں نے پیش بندی کے طور پر بروقت لبریشن سیل قائم کر دیا اور صدر آزاد کشمیر وا پوزیشن لیڈروں و پارلیمانی جماعتوں سمیت اسمبلی سے باہر کی دینی و عسکری جماعتوں کے اتفاق رائے سے اپنی حکومت کی کشمیر پالیسی مرتب کی۔

لبریشن سیل کے زیر اہتمام مقبوضہ کشمیر کے عوام کی جدوجہد کو اجاگر کرنے

الرحمان' نواب اکبر بگٹی' مولانا شاہ احمد نورانی' مولانا عبدالستار خان نیازی' ممبران پارلیمنٹ' ایم کیو ایم' ولی خان کی پارٹی کے نمائندوں اور ملک بھر کی دوسری پارٹیوں کے رہنماؤں' ممتاز صحافیوں و دانشوروں' سفارتکاروں اور تحریک پاکستان و تحریک آزادی کشمیر کے بزرگ رہنماؤں و کارکنوں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی جبکہ کشمیری رہنماؤں میں

سردار سکندر حیات خان کے علاوہ بزرگ سیاستدان سردار محمد ابراہیم خان صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے امیر سابق صدر جنرل حیات خان' لبریشن فرنٹ کے امان اللہ خان' تحریک حریت کشمیر کے نمائندوں اور دیگر رہنماؤں نے شرکت کی۔ چار نشستوں پر مشتمل اس کانفرنس کی پہلی نشست کی صدارت پی پی کی چیئر پرسن بیگم نصرت بھٹو جو وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی علالت کے باعث ان کی نمائندگی بھی کر رہی تھیں نے کی جبکہ دوسری نشست میں غلام مصطفیٰ جتوئی' تیسری میں میاں نواز شریف اور آخری نشست کی صدارت نوابزادہ نصراللہ خان نے کی۔ سردار سکندر حیات خان نے اس کانفرنس کے میزبان کی حیثیت سے اپنے اختتامی خطبہ میں مسئلہ کشمیر سے اپنی سچی لگن اور مظلوم کشمیری عوام سے دلی ہمدردی کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے وحشیانہ بھارتی مظالم اور مسئلہ کشمیر کے پس منظر اور پیش منظر کے علاوہ کشمیریوں اور اہل پاکستان کے نظریاتی و تاریخی رشتوں اور ذمہ داریوں پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کانفرنس میں شرکت کرنے والے سیاسی قائدین حکومت و اپوزیشن کے نمائندوں اور دوسرے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کیا اور کہا کہ یہ کانفرنس آج ہماری تاریخ کے ایک ایسے اہم اور نازک مرحلے پر ہو رہی ہے جب ریاست جموں و کشمیر کی حد متارکہ جنگ کی منحوس لکیر کے اس پار ہمارے مظلوم بھائی اور بہنیں پوری قوت ارادی سے آزادی کی فیصلہ کن جدوجہد میں مصروف ہیں۔ جس کی پاداش میں بھارت کی لاکھوں مسلح قابض افواج ان پر ظلم و جبر کی انتہائی قابل نفرت مثالیں قائم کر رہی ہیں اور انہوں نے چنگیز خان اور ہلاکوں خان کے مظالم کو بھی شرمندہ کر دیا ہے۔ میں کشمیری حریت پسندوں کو اس کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ان کی جرأت مندانہ جدوجہد پر انہیں پوری قوم کی طرف سے ہدیہ سلام پیش کرتا ہوں اور انہیں پوری تائید و حمایت کا یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس

آزمائش کے وقت میں تنہا نہیں ہوں بلکہ پوری ملت اسلامیہ پاکستان کے بارہ کروڑ اور آزاد کشمیر کے 24 لاکھ عوام ان کی پشت پر ہیں۔ اس موقع پر سردار سکندر حیات خان نے مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں اپنی حکومت پاکستان کے عوام کے عالمی ادارے اور عالم اسلام سمیت ساری عالمی برادری کی توجہ کشمیریوں کو حق خودارادیت دلانے کے وعدوں کی طرف سے مبذول کرائی اور کانفرنس میں شریک تمام رہنماؤں کو مسئلہ کشمیر پر ایک متفقہ مؤقف اختیار کرنے کے جذبے کے تحت سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر کام کرنے کی پرزور اپیل کی۔

یہ کانفرنس کشمیر کی اس وقت کی صورتحال پر قومی اتحاد و یکجہتی کا ایسا بروقت اور کامیاب مظاہرہ تھی کہ جس کا تمام قائدین نے اپنی اپنی تقریروں میں برملا اظہار کیا اور بزرگ سیاستدان نوابزادہ نصر اللہ خان نے بھی بجا طور پر اس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کانفرنس کی کامیابی کا سہرا سردار سکندر حیات خان کی حکومت کے سر ہے۔ کانفرنس کے اختتام پر تمام جماعتوں و رہنماؤں نے ایک متفقہ قرارداد کے تحت مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کا سختی سے نوٹس لیا اور کشمیری حریت پسندوں سے مکمل اظہار یکجہتی کرتے ہوئے انہیں ہر ممکن امداد کا یقین دلایا گیا۔ حکومت پاکستان سے مسئلہ کشمیر ایک مرتبہ پھر اقوام متحدہ میں مؤثر انداز میں اٹھانے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عملدرآمد کا مطالبہ کیا گیا اور عالمی برادری سے کشمیریوں کو خودارادیت کا پیدائشی حق اور انہیں بھارتی دہشت گردی سے نجات دلانے کے لئے اس پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔

1990ء کے عام انتخابات

سردار سکندر حیات خان نے 1988ء میں مسلم کانفرنس کا چوتھی مرتبہ متفقہ صدر منتخب ہونے کے بعد بوجہ جماعت کی سربراہی سے دستبرداری کے وقت یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ آئندہ عام انتخابات میں وزارت عظمیٰ کے امیدوار نہیں ہوں گے چنانچہ اپنی اسی سوچ کے مطابق

انہوں نے مئی 1990ء کے انتخابات میں وزارت عظمیٰ کا انتخاب نہ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اپنی آئینی مدت پوری ہونے کے بعد مقررہ وقت پر صاف وشفاف اور آزادانہ ومنصفانہ انتخابات کی ذمہ داری بطریق احسن پوری کرتے ہوئے اقتدار آنے والی حکومت کو پُرامن طور پر منتقل کر کے نومنتخب وزیراعظم ممتاز حسین راٹھور کے گلے میں ہار ڈال کر انہیں مبارکباد دی۔ اپنی وزارت عظمیٰ کی گاڑی سے خود جھنڈا اتار کر ان کی گاڑی پر لگایا اور ان سے گلے مل کر نہ صرف وزارت عظمیٰ کی ذمہ داریاں بڑی خوش دلی سے ان کے سپرد کر کے ان کے انتخاب کا خیر مقدم کیا بلکہ جماعتی فیصلے کے مطابق اپوزیشن لیڈر کی ذمہ داریاں سنبھال کر نئی حکومت کو اہم قومی مسائل کے حل کے لئے اپنے ہر ممکن تعاون کا بھی یقین دلایا۔ اس طرح آزاد کشمیر کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی حکومت نے اپنی آئینی مدت پوری کرنے کے بعد پرامن طور پر منصفانہ انتخابات کا انعقاد کر کے آئینی تقاضوں کے عین مطابق اقتدار آنے والی حکومت کو منتقل کر دیا اور سبکدوش ہونے والے وزیراعظم نے نومنتخب وزیراعظم کے گلے میں ہار ڈال کر وزارت عظمیٰ ان کے سپرد کر کے ایک تاریخ ساز جمہوری روایت قائم کی۔

وزیراعظم پاکستان کی پیشکش

1990ء کے انتخابات کے نتیجے میں صورتحال نے جو رخ اختیار کیا تھا بالخصوص جس طرح پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بینظیر بھٹو جو اس وقت پاکستان کی وزیراعظم تھیں نے سردار سکندر حیات خان کو دوبارہ وزیراعظم بننے کی پیشکش کی تھی۔ اگر سردار سکندر حیات خان چاہتے تو دوبارہ وزیراعظم بن سکتے تھے۔ پی پی ان کی حمایت نہ بھی کرتی تب بھی وہ اپنی جماعت کے سترہ اور چند دوسرے ممبران کے تعاون سے وزیراعظم بننے میں کامیابی حاصل کر سکتے تھے لیکن وہ خود ہی ذمہ داریوں سے دستبردار ہونا چاہتے تھے، جس کا اظہار انہوں نے الیکشن سے بہت پہلے

جب ابھی امیدواروں کو ٹکٹ بھی الاٹ نہیں ہوئے تھے سردار عبدالقیوم خان سے بھی کیا تھا اور حج کے دوران حرم شریف میں اپنے بعض ساتھیوں کی موجودگی میں بھی انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ انتخابات میں وزیراعظم کے عہدہ کے امیدوار نہیں ہوں گے۔ اس طرح انہوں نے خرابی صحت اور سیاست کے مخصوص ناروا مزاج کے پیش نظر مستقبل کی سیاست میں کوئی فعال کردار ادا کرنے سے دستبرداری کا ارادہ کرلیا تھا اور محض جماعتی فیصلے کے احترام میں اپوزیشن لیڈر نے ذمہ داریاں سنبھالیں تھیں تاہم وقت اور حالات کے نشیب و فراز نے انہیں اس وقت دوبارہ فعال سیاسی کردار ادا کرنے پر مجبور کردیا جب اپنوں اور سیاسی مخالفین نے تمام سیاسی و اخلاقی اور آئینی و قانونی آداب کو پس پشت ڈال کر ان کی کردار کشی کی مہم چلانا شروع کردی اور انہیں سیاست میں اپنے راستے کا پتھر سمجھ کر سیاسی منظر سے ہٹانے کے لئے ان کے خلاف کردار کشی کی مہم کا ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کیا گیا' ان پر کرپشن اور بے ضابطگیوں و بے قاعدگیوں کے انتہائی لغو الزامات عائد کئے گئے۔ انہیں گرفتار کرنے اور جانی و مالی نقصانات پہنچانے کی انتقامی کارروائیاں کی گئیں اور قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے ان کو تمام جائز اور قانونی مراعات سے محروم رکھا گیا حالانکہ جب اس وقت کے صدر سردار عبدالقیوم خان نے ممتاز راٹھور کو کبیرہ گناہوں کا مرتکب قرار دے کر ان کا حلف لینے سے انکار کردیا تھا اور سردار سکندر حیات خان نے سردار صاحب کے اس رویے کے باوجود ان کا حلف لینے کی تحریری سفارش کی تھی اور بنفس نفیس حلف برداری کی تقریب میں شریک ہو کر وزارت عظمیٰ کا قلمدان ان کے سپرد کیا تھا جس کے باعث ان کو حکومت سازی کا موقع ملا لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ راٹھور حکومت نے 9 ماہ تک یہ سلوک جاری رکھا' تاہم اس دوران جب ممتاز راٹھور نے مسلم کانفرنس سے گٹھ جوڑ کر کے اسمبلی توڑ کر نئے انتخابات کا اعلان کیا اور صدر مسلم کانفرنس سردار

عبدالقیوم ان کے بڑے بیٹے سردار خلیق احمد کو اپنا معاون خصوصی مقرر کیا تو سردار سکندر حیات خان کے خلاف الزامات اور ان کی کردار کشی کے ڈرامہ کا ڈراپ سین ہوا اور اس کے سارے کردار اس طرح بے نقاب ہوئے کہ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ ان کے بارے میں راٹھور حکومت کی مہم کے پس پردہ کون لوگ تھے اور ان کے کیا مقاصد تھے۔ اس صورتحال پر سردار سکندر حیات خان نے آواز اٹھائی اور جماعت کی ہائی کمان سے وابستہ بعض کرداروں کا ذکر کیا اور سردار عبدالقیوم خان کے بیٹے کی ممتاز راٹھور کی مشاورت سے واپسی اور پی پی مسلم کانفرنس انتخابی گٹھ جوڑ کی شدید مخالفت کی اور پاکستان مسلم لیگ کی قیادت کو اس صورتحال سے آ گاہ کیا۔ مسلم لیگ کی ہائی کمان بالخصوص وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف اور ان کے بعض ساتھیوں نے ممتاز راٹھور اور سردار عبدالقیوم خان کے بیٹوں کے گٹھ جوڑ پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ پی پی مسلم کانفرنس انتخابی اتحاد کے منصوبے کو مسترد کرتے ہوئے سردار سکندر حیات خان کے اصولی مؤقف کی حمایت کی اور ان کے انکار کے باوجود انہیں آئندہ انتخابات میں حصہ لینے اور آزاد کشمیر میں مسلم لیگ بنانے کے علاوہ دو کروڑ روپے کے فنڈز کی فراہمی اور آزاد کشمیر کا وزیراعظم بنانے کی بھی پیشکش کی، تاہم سردار سکندر حیات خان نے ان کی اس پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کے بجائے مسلم لیگ بنا کر اپنے والد محترم کی جماعت کے ساتھ بے وفائی نہیں کریں گے۔

سردار سکندر حیات خان کے نام
سردار عبدالقیوم خان کا خط

اس دور میں ایک ایسا مرحلہ بھی آیا کہ سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان کے اختلافات کھل کر سامنے آ گئے اور سردار سکندر حیات خان نے سردار صاحب کے بڑے بیٹے

سردار خلیق کے پیپلز پارٹی کے وزیر اعظم ممتاز حسین راٹھور کا معاون خصوصی بننے کے واقعہ اور مسلم کانفرنس پی پی انتخابی گٹھ جوڑ کی اطلاعات کا سخت نوٹس لیتے ہوئے راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس کر کے اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ پیپلز پارٹی اور اس کی راٹھور حکومت کے ساتھ مسلم کانفرنس کے کسی بھی قسم کے تعاون یا گٹھ جوڑ کو برداشت نہیں کریں گے۔ اس پُرہجوم ہنگامی پریس کانفرنس میں سردار سکندر حیات خان نے نہ صرف سردار عبدالقیوم خان سے ان کے بیٹے کی ممتاز حسین راٹھور کی مشاورت سے واپسی کا مطالبہ کیا تھا بلکہ انہوں نے ممتاز راٹھور کے ساتھ اس مفاہمت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے راٹھور حکومت کے نو ماہ کے دور حکومت میں اپنی کردار کشی کے پس پردہ اپنوں اور مخالفین کی ملی بھگت کی تفصیلات بھی بیان کیں تھیں۔

ان دنوں سردار سکندر حیات خان کو سردار عبدالقیوم خان نے ایک خط تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے دیگر باتوں کے علاوہ یہ بات بھی لکھی تھی کہ اگر وہ سردار سکندر حیات خان ذہنی طور پر کوئی فیصلہ کر چکے ہیں تو پھر یہ الگ بات ہے' جس کا مفہوم یہ تھا کہ سردار سکندر حیات نے مسلم کانفرنس سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ سردار سکندر حیات خان نے سردار صاحب کے خط کے جواب میں تحریر کردہ خط میں 1985ء میں وزیر اعظم بننے کے بعد ان کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی تمام تفصیلات بیان کرتے ہوئے سردار صاحب پر واضح کر دیا تھا کہ ذہنی طور پر فیصلہ کر لینے کے الفاظ استعمال کر کے سردار عبدالقیوم خان نے ان کی بیس سالہ جوانی کی تمام جماعتی خدمات کو یکسر فراموش کر دیا ہے' وہ ان تمام باتوں کے باوجود مسلم کانفرنس میں ہی رہیں گے اور اپنے خلاف کی جانے والی تمام سازشوں کا مقابلہ کریں گے' تاہم بعدازاں جب سردار صاحب نے اپنے بیٹے کو ممتاز راٹھور کی مشاورت سے واپس کیا اور 1991ء کے انتخابات کا مرحلہ آیا تو مسلم لیگی قیادت اور مسلم کانفرنس کے بعض سینئر رہنماؤں کی کوششوں سے دونوں

رہنماؤں میں مفاہمت ہوئی اور انتخابات کے آخری دنوں میں وزیر اعظم کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو سردار سکندر حیات خان نے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سردار عبدالقیوم خان کی وزارت عظمیٰ کے امیدوار کی حیثیت سے حمایت کر کے ایک مرتبہ پھر مسلم کانفرنس کو تقسیم ہونے سے بچالیا۔

سردار سکندر حیات خان کے خلاف الزامات کی تحقیقات کے لئے عدالتی کمیشن کا قیام

راٹھور حکومت نے سردار سکندر حیات خان کے خلاف عائد الزامات کی تحقیقات کے لئے عدالت عالیہ کے جج جسٹس خواجہ سعید اور ایک ڈسٹرکٹ جج چودھری بوستان کی سربراہی میں جو دو کمیشن قائم کئے تھے ان میں سے چودھری بوستان کمیشن کی رپورٹ پر وزیر اعظم کی حیثیت سے خود ممتاز راٹھور نے لکھا کہ اس رپورٹ کی تفصیلات سب سنی سنائی باتیں ہیں اور اس کو کالعدم قرار دے دیا جبکہ خواجہ سعید کمیشن کے ذمہ لوکل باڈیز' زکوٰۃ اوقات اور جہیز فنڈز کے معاملات تھے جن میں محکمہ مالیات کا کوئی ڈسپلن نہیں ہوتا لیکن اس کمیشن کی رپورٹ میں بھی سردار سکندر حیات خان کے خلاف لگائے گئے الزامات میں سے کوئی الزام درست ثابت نہ ہوا ۔اس کی رپورٹ میں صرف اس بات کی نشاندہی کی گئی تھی کہ وہ کروڑ روپے کے جہیز فنڈز میں سے صرف پانچ ہزار روپے ڈپٹی کمشنر کے ذریعہ سردار سکندر حیات خان کے حکم سے ادا کیے گئے۔

1991ء کے عام انتخابات نگران راٹھور حکومت کے زیر اہتمام ہی جماعتی بنیادوں پر ہوئے ۔انتخابات میں ممتاز راٹھور اور ان کی پیپلز پارٹی کو زبردست شکست ہوئی اور مسلم کانفرنس کی چالیس نشستوں کے مقابلے میں انہیں بمشکل دو سیٹوں پر کامیابی حاصل ہو سکی۔

سردار سکندر حیات خان کا صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے انتخاب

انتخابات کے بعد مسلم لیگی قیادت کے وعدے اور جماعتی سطح پر طے شدہ فیصلوں کے

مطابق مسلم کانفرنس کا آئندہ پارلیمانی لیڈر سردار سکندر حیات خان کو منتخب کیا جانا چاہئے تھا۔ مسلم کانفرنس کے کل 40 میں سے 22 ممبران پارلیمان نے بھی راولپنڈی کے ایک اجلاس میں سردار سکندر حیات خان کو وزیراعظم بنانے کی حمایت کی تھی لیکن سردار عبدالقیوم خان جنہوں نے براہ راست الیکشن لڑا تھا اور نہ ہی وہ پارلیمانی پارٹی یا اسمبلی کے رکن تھے نے انتخابات کے بعد اچانک خود وزیراعظم بننے کا اعلان کر کے وزارت عظمٰی کا منصب ان کو سونپنے کا مطالبہ کر دیا جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال میں مسلم لیگ کی قیادت نے سردار سکندر حیات ان سے کیئے جانے والے وعدوں اور مسلم کانفرنس کے جماعتی فیصلوں کی ذمہ داری پوری نہیں کی اور سردار سکندر حیات خان سے میاں نواز شریف اور ان کے ساتھیوں نے درخواست کی کہ وہ آزاد کشمیر کی صدارت کا منصب قبول کر لیں حالانکہ سردار سکندر حیات خان نے میاں نواز شریف کو ابتداہی میں یہ کہہ دیا تھا کہ وہ آئندہ انتخابات میں براہ راست الیکشن لڑنا چاہتے ہیں نہ ہی وزارت عظمٰی کے امیدوار ہوں گے۔ سردار سکندر حیات خان کا کہنا تھا کہ انہوں نے مسلم کانفرنس میں انتشار کو ختم کرنے کے لئے جماعت کی ورکنگ کمیٹی میں سب سے پہلے سردار عبدالقیوم خان کو وزیراعظم کا انتخاب لڑنے کی تجویز دی تھی جس کو انہوں نے یہ کہہ کر قبول نہیں کیا تھا کہ ان کی سیاسی جدوجہد کسی عہدے یا اقتدار کے لئے نہیں بلکہ قومی مقاصد کے لئے ہے؛ تاہم مسلم لیگ کی ہائی کمان مسلم کانفرنس کے بعض ساتھیوں کے اصرار پر سردار سکندر حیات خان نے جماعتی فیصلے کے مطابق آزاد کشمیر کی صدارت کی ذمہ داریاں قبول کر کے ایک مرتبہ پھر مسلم کانفرنس کو تباہی سے بچایا اور اس کی یکجہتی قائم رکھی۔ اس طرح سردار عبدالقیوم خان نے وزارت عظمٰی اور سردار سکندر حیات خان نے صدرات کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ 12 اگست 1991ء کو سردار سکندر حیات خان مسلم کانفرنس کے متفقہ امیدوار کی حیثیت سے بلا مقابلہ آزاد کشمیر کے

صدر منتخب ہو گئے اور اسی روز انہوں نے اسمبلی ہال مظفر آباد کے سبزہ زار میں صدر کی حیثیت سے اپنی نئی ذمہ داریوں کا حلف اٹھایا۔

صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے

12 اگست 1991ء کو آزاد جموں وکشمیر کا صدر منتخب ہونے کے بعد اگر چہ سردار سکندر حیات خان کی ذمہ داریوں کی نوعیت بدل گئی تھی اور بحیثیت سربراہ ریاست اور ایک آئینی سربراہ کے طور پر ملکی امور میں ان کا وہ کردار نہیں رہا تھا جو آزاد کشمیر کے وزیر اعظم اور صدر مسلم کانفرنس کی حیثیت سے وہ گزشتہ دس پندرہ سال سے ادا کرتے چلے آرہے تھے۔اس کا اظہار انہوں نے اپنی صدارت کے منصب کا حلف اٹھاتے وقت بھی اپنی پالیسی تقریر میں برملا کہا تھا کہ آئینی سربراہ ہونے کے باعث ان کے منصبی تقاضے وزارت عظمیٰ سے مختلف ہوں گے لیکن بنیادی طور پر وہ ایک سیاسی کارکن ہونے کے باعث اپنی سیاسی ذمہ داریوں سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

جماعتی فیصلے کے مطابق متفقہ طور پر سردار سکندر حیات خان کے صدر اور سردار عبدالقیوم خان کے وزیر اعظم منتخب ہونے کے بعد بجا طور پر یہ توقع کی جارہی تھی کہ ملکی وقومی امور اور حکومتی و جماعتی معاملات میں آئندہ صدر اور وزیر اعظم کے تعلقات کار اسی طرح خوشگوار اور مثالی ہوں گے جس طرح مسلم کانفرنس کے گزشتہ دور میں تھے۔اس بات کی توقع اس لئے بھی بڑھ گئی تھی کہ جب سردار سکندر حیات خان کو صدر منتخب کیا گیا تو وزیر اعظم سردار عبدالقیوم خان نے اسمبلی اور کونسل کے مشترکہ ایوان میں ان کے انتخاب کا خیر مقدم کرتے ہوئے جہاں ان کے پانچ سالہ دور حکومت (85ء تا 90ء) کی کارکردگی اور پارلیمانی نظام کو مستحکم بنیادوں پر آگے بڑھانے کی مثبت کوششوں کا یہ کہہ کر برملا اعتراف کیا تھا کہ سردار سکندر حیات خان نے

اس دور میں مشکل حالات میں پارلیمانی جمہوری نظام کو کامیابی سے چلایا ہے اور پرُ امن انتقال اقتدار کی جمہوری روایات کی داغ بیل ڈالی وہاں انہوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا تھا کہ سردار سکندر حیات خان اب صدر ہیں لیکن اس بات کا اہتمام کیا جائے گا کہ ان کے پارلیمانی اور انتظامی تجربے سے استفادہ کیا جائے اور کوئی ایسی صورت نکالی جائے گی کہ وہ ایوان کی براہ راست راہنمائی کر سکیں لیکن بد قسمتی سے سردار سکندر حیات خان کے منصب صدارت سنبھالنے کے بعد اس امید کے بالکل برعکس ایسی کارروائیوں کا آغاز کر دیا گیا کہ اپنوں نے ہی ان کے بارے میں عجیب و غریب انداز اختیار کئے۔ بدگمانیوں اور سازشوں کا ایک نیا دور شروع ہو گیا اور یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ سردار سکندر حیات خان کے منصب صدارت سنبھالنے سے ایک روز قبل نئی کابینہ کی حلف برداری کی تقریب کشمیر ہاؤس میں اس قدر عجلت میں کیوں منعقد کی گئی کہ حلف اٹھانے والے کئی وزراء وہاں بروقت نہ پہنچے جس کے باعث تقریب کے مقررہ وقت میں تاخیر کی گئی۔ سردار عبدالقیوم خان کو اس طرح کے اقدامات کرنے پر کن لوگوں نے کن مقاصد کے تحت مجبور کیا تھا اور جذبہ خیر سگالی اور جماعتی یکجہتی کی خوشگوار فضا کو غلط فہمیوں و اختلافات اور نفرتوں میں تبدیل کرنے کی کارروائیوں کے پس پردہ کیا عزائم تھے۔

سردار سکندر حیات خان کے خلاف سازشیں

در حقیقت سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان نے اس دیرینہ تعلق و رفاقت اور 1991ء کے انتخابات کے بعد دونوں میں بھرپور مفاہمت کی فضا کو خراب کر کے ان میں اختلافات کی خلیج حائل کرنے والے وہی لوگ تھے جنہوں نے سردار سکندر حیات خان کے دور حکومت میں ان سے ناجائز مراعات اور عہدے لینے کی دوڑ میں امور حکومت میں غیر قانونی و غیر آئینی مداخلت کر کے ایسی صورتحال پیدا کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ حکومت کو اپنی

خواہشات کے تابع رکھ کر چلانا چاہتے تھے لیکن جب انہیں اس میں ناکامی ہوئی اور سردار سکندر حیات خان نے بحیثیت وزیراعظم آئین وقانون اور میرٹ سے ہٹ کر ان کی خواہشات پوری نہ کیں تو انہوں نے سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان کے درمیان اختلافات کے ایسے بیج بوئے اور سردار سکندر حیات خان کے خلاف جماعتی کارکنوں اور سردار عبدالقیوم خان کے خاندان کے افراد کو نظر انداز کرنے کا ایسا پراپیگنڈا کیا کہ جس کے مسلم کانفرنس اور آزاد کشمیر کی سیاست پر ایسے اثرات مرتب ہوئے کہ جن سے دونوں رہنماؤں کی بیس سالہ سیاسی و جماعتی رفاقت کو زبردست دھچکا لگا اور ایک ہی جماعت کے کارکن انتخابات میں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے اور صدر و وزیراعظم کے درمیان کئی کئی ماہ تک ملاقات کا ڈیڈلاک رہا۔ سردار عبدالقیوم خان کو سردار سکندر حیات خان کے بارے میں بے بنیاد کہانیاں سنا کر ان کے اور سردار سکندر حیات خان کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنے والوں میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جن کی سردار صاحب سے ہمیشہ بڑی قربت رہی اور وہ ان کے سامنے اس انداز سے اپنی نیازمندی اور وفاداری کا دم بھرتے رہے کہ سردار صاحب کو ان کو بڑے خیر خواہ اور وفادار سمجھتے تھے حالانکہ ان میں سے بیشتر لوگوں کی کبھی کوئی معتبر جماعتی حیثیت رہی اور نہ ہی ان کے اپنے خاندان کے لوگوں نے ان کو کبھی نمائندگی کے اہل سمجھا جس کے باعث ان کی ہر دور میں یہ مجبوری رہی ہے کہ وہ سردار عبدالقیوم خان کو ذاتی اور جماعتی وفاداری کا یقین دلا کر بڑی بڑی مراعات حاصل کرنے اور اہم عہدوں تک پہنچنے کی تگ ودو کرتے رہے۔

سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان میں دوری پیدا کر کے ان کے راستے جدا جدا کرنے اور جماعتی وحکومتی معاملات پر کنٹرول کی ان کی یہ کارروائیاں کچھ عرصہ تک تو اپنا رنگ جماتی رہیں لیکن سردار سکندر حیات خان کو مسلم کانفرنس سے الگ کر کے خود سردار عبدالقیوم

خان کا سیاسی جانشین بننے کی ان کی کوششیں ان کی توقعات کے مطابق بار آور نہ ہوسکیں۔ سردار سکندر حیات خان اپنے اصولی مؤقف سے پیچھے ہٹے نہ کسی دباؤ‘ سازش یا لالچ میں آ کر انہوں نے سردار عبدالقیوم خان سے اپنا تعلق اور جماعت سے وفاداری پر آنچ آنے دی اور نہ ہی مخالفین کی کسی سازش کا شکار ہو کر سردار سکندر حیات خان نے اپنا کندھا مسلم کانفرنس کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت دی بلکہ جماعتی اور حکومت امور میں اختلاف رائے کے باوجود سردار سکندر حیات خان نے قومی اور جماعتی مفاد میں ہمیشہ خلوص‘ ایثار و قربانی اور سردار عبدالقیوم خان سے تعاون کا مظاہرہ کیا اور شدید اختلاف کے باوجود آزمائش کے وقت میں مسلم کانفرنس کو متحد رکھنے اور سرخرو کرنے میں صحیح وقت پر میں نے ہمیشہ صحیح فیصلے کر کے سیاسی تدبر اور قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

سردار سکندر حیات خان مضبوط قد و قامت کے رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی کھلے دل و دماغ کی حامل شخصیت ہیں۔ ان کو اس دور میں ذہنی کوفت دینے کے لئے بھی طرح طرح کے نفسیاتی حربے استعمال کئے جاتے رہے جن کا انہوں نے بڑی بردباری سے مقابلہ کیا۔

صدارتی اختیارات میں مداخلت:

سردار سکندر حیات خان نے سردار عبدالقیوم خان سے کبھی کسی حکومتی یا جماعتی عہدے کے باعث کوئی اختلاف کیا نہ کسی مخالف سے سودے بازی کر کے ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔

بحیثیت صدر ان کی ابتداء ہی سے یہ کوشش رہی کہ تمام معاملات کو ملکی اور جماعتی مفاد میں آئین و قانون کے مطابق باہمی مشاورت سے چلایا جائے اور تمام فیصلے میرٹ کے مطابق کئے جائیں اور وہ صدر کے منصبی تقاضوں سے قطع نظر سیاسی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے اپنا

رول ادا کرتے رہیں۔ ابتداء سے آخر تک ان کی حکومتی اقدامات پر تنقید کا مقصد یہی رہا لیکن سردار عبدالقیوم خان کے زیر سایہ وہ لوگ جو صدر اور وزیراعظم کے درمیان خوشگوار تعلقات کو اپنے مخصوص مفادات کے راستے کا پتھر سمجھتے تھے انہوں نے سردار سکندر حیات خان کے ان مثبت مقاصد کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ سردار سکندر حیات خان کو صدر کی حیثیت سے جائز قانونی و آئینی مراعات اور اختیارات بھی نہ دیئے گئے بلکہ ان کو غیر مؤثر رکھنے کے لئے اہم ملکی و سیاسی معاملات انہی سے دور کرنے کی خاطر کشمیر پالیسی اور تعمیر و ترقی کے ان معاملات میں بھی اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی جس کی حکومت پر آئینی طور پر پابندی ہے۔

اصلاح احوال کے لئے کوششیں

تحریک آزادی کشمیر اور آزاد علاقے کی ترقی کے سلسلہ میں حکومت کی غیر تسلی بخش کارکردگی اور آئین و قانون اور میرٹ کے برعکس حکومتی اقدامات سے پیدا ہونے والی صورتحال کے پیش نظر سردار سکندر حیات خان نے اہم ملکی اور آئینی و قانونی اور انتظامی معاملات میں اصلاح کے لئے ابتداء ہی سے وزیراعظم سردار عبدالقیوم خان کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی پالیسی اختیار کی اور مثبت تجاویز دے کر امور حکومت آئین و قانون کے دائرہ میں رہ کر نمٹانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی تجاویز و آراء اور اختلاف رائے کا اپنی تقاریر اور بیانات میں برملا اظہار کیا اور مختلف سیاسی و عوامی تقریبات اور اخباری انٹرویوز کے دوران خرابیوں کی مسلسل نشاندہی کرتے رہے۔ وزیراعظم سردار عبدالقیوم خان سے ملاقاتوں اور ان سے نجی و سرکاری خط و کتابت میں بھی اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے رہے۔

آئینی ترامیم کی واپسی

1992ء میں صدارتی اور اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات کم کر کے بعض اہم ملکی امور میں صدر آزاد کشمیر کے اختیارات حکومت کو منتقل کرنے کے لئے حکومت نے یکطرفہ آئینی ترامیم کا بل اسمبلی میں پیش کیا جو صدر آزاد کشمیر اور بعض دوسرے اہم آئینی وقانونی اور سیاسی حلقوں کی مزاحمت کے باعث منظور نہ ہو سکا۔ بالخصوص جب صدر آزاد کشمیر نے ان کی مخالفت کی اور اس وقت کے صدر پاکستان غلام اسحاق خان سے ملاقات کر کے انہیں اس سلسلہ میں صحیح صورتحال سے آگاہ کیا تو نہ صرف صدر پاکستان نے سردار سکندر حیات خان کے مؤقف کو درست قرار دیتے ہوئے حکومت آزاد کشمیر کو ترامیم واپس لینے کی ہدایت کی بلکہ آزاد کشمیر اور پاکستان کے مؤثر قانونی وسیاسی حلقوں خاص کر تمام بار ایسوسی ایشنز نے بھی سردار سکندر حیات خان کے موقف کی حمایت کی جس سے حکومت ان ترامیم کو واپس لینے پر مجبور ہوئی۔ اس طرح اس دور میں سردار سکندر حیات خان نے صدر آزاد کشمیر کے منصب اور اعلیٰ عدالتوں سمیت دیگر ریاستی اداروں کے تقدس اور اختیارات کے تحفظ کے لئے جو رول ادا کیا وہ ان کا ایک عظیم قومی کارنامہ ہے۔

وزیراعظم کے نام طویل خط

تین سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود سردار سکندر حیات خان جب اس نتیجے پر پہنچے کہ حکومت نے تحریک آزادی اور تعمیر وترقی کے علاوہ آئینی وقانونی اور انتظامی امور میں کماحقہ اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں اور بنیادی حقوق کے منافی سول سرونٹس ایکٹ منظور کر کے مسلم کانفرنس سے تعلق رکھنے والے بعض وزراء اور دوسرے مؤثر حکومتی حلقوں نے بندر بانٹ کر کے سینکڑوں نااہل افراد کو بھرتی کرا دیا ہے اور سول سرونٹس ایکٹ کی خلاف ورزی اور پبلک سروس کمیشن کو نظر انداز کر کے محض ذاتی پسند کی بنیاد پر پانچ سو افراد کو غیر قانونی طور پر

سرکاری ملازمتوں میں تعینات کرنے کی کارروائی کیخلاف اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں پر عمل نہیں کیا جارہا اور حکومتی امور میں غیر متعلقہ افراد کی غیر قانونی اور غیر آئینی مداخلت کا راستہ نہیں روکا گیا۔ غیر ضروری اخراجات اور بھاری بھرکم کابینہ کم کرنے کے لئے ان کی مثبت تجاویز پر عمل نہیں کیا جارہا اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے مطلوبہ اقدامات نہیں کئے گئے تو اس صورتحال کی اصلاح کے لئے سردار سکندر حیات خان نے جنوری 1995ء میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے سردار عبدالقیوم خان کو 22 صفحات پر مشتمل ایک طویل خط تحریر کر کے انہیں بعض سنگین آئینی وقانونی خلاف ورزیوں' میرٹ کے منافی اقدامات' کشمیر پالیسی اور تعمیر وترقی کے معاملات میں حکومت کی عدم توجہی' صدر ریاست کو اہم معاملات سے بے خبر رکھنے' صدارتی اختیارات اور حکومتی امور میں غیر متعلقہ افراد کی غیر قانونی مداخلت کے بارے میں انہیں صورتحال سے آگاہ کیا اور ان پر زور دیا کہ وہ سربراہ حکومت کی حیثیت سے اصلاح احوال کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ صدر آزاد کشمیر کے اس خط کو اپوزیشن کے بعض حلقوں نے سردار قیوم حکومت کیخلاف ان کی چارج شیٹ قرار دیا' تاہم سردار سکندر حیات خان کے اس خط کا مقصد وزیراعظم کی حیثیت سے سردار عبدالقیوم خان کی توجہ حکومتی خرابیوں اور ان کی ذمہ داریوں کی طرف مبذول کرانا تھا جو وہ بحیثیت صدر اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔

آزاد کشمیر کے معاملات میں حکومت کی سرد مہری

ایک قومی راہنما اور صدر ریاست کی حیثیت سے ان کے لئے یہ ذمہ داری پوری کرنا اس لئے بھی ضروری ہو گیا تھا کہ آزاد کشمیر اپوزیشن کے غیر سنجیدہ اور غیر مؤثر کردار کے باعث حکومت پر کوئی چیک اینڈ بیلنس نہیں رہا تھا۔ اپوزیشن راہنماؤں اور جماعتوں کی صورتحال یہ تھی کہ وہ تین سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود اپنا اپوزیشن لیڈر تک اتفاق رائے سے منتخب نہ کر سکی

تھیں اور اپوزیشن کی سب سے بڑی جماعت کے لیڈر اپنے مخصوص مالی مفادات کے باعث حکومت کیخلاف کوئی جاندار رول ادا کرنے سے قاصر تھے جبکہ وفاقی حکومت کی طرف سے بھی آزاد کشمیر کے معاملات کو درست کرنے کے لئے زبانی جمع خرچ سے زیادہ عملی طور پر کوئی مثبت کارروائی نہیں کی گئی' تاہم وزیر اعظم سردار عبدالقیوم خان کی طرف سے سردار سکندر حیات خان کے اس خط کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ وزیر اعظم اس سلسلے میں مسلسل اسی رائے کا اظہار کرتے رہے کہ وہ مناسب وقت پر سردار سکندر حیات خان کے خط کا ضرور جواب دینگے اور خرابیوں کی ضرور اصلاح کرینگے۔ سردار سکندر حیات خان ان کے گھر کے (مسلم کانفرنس) کے آدمی ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کی مسلم کانفرنس کے لئے بڑی قربانیاں ہیں۔ وہ مسلم کانفرنس کے مفاد کیخلاف کام نہیں کر سکتے۔ وہ خود وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔ اپنے تجربے کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں ان کے درمیان کوئی ذاتی اختلاف ہے نہ کوئی دشمنی۔ سردار سکندر حیات خان کے تحریر کردہ خط کا چھ ماہ تک تو سردار عبدالقیوم خان کی طرف سے کوئی تحریری جواب نہیں دیا گیا تاہم جب وزیر اعظم پاکستان بینظیر بھٹو کا ایک خط سردار سکندر حیات خان نے سردار صاحب کو بھیجا تو اس کے جواب میں انہوں نے سردار سکندر حیات خان کو ایک خط تحریر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ کس اختیار کے تحت ان کو خطوط لکھ رہے ہیں۔ سردار سکندر حیات خان نے تو سردار عبدالقیوم خان کے خط کا اس لئے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا کہ اس سے تلخیاں بڑھ جائیں گی تاہم مبصرین سردار صاحب ایک طرف اس طرح کی رائے کا اظہار کر رہے ہیں جبکہ ماضی میں انہوں نے بحیثیت صدر آزاد کشمیر اس وقت کے صدر پاکستان غلام اسحاق خان کو وزیر اعظم ممتاز راٹھور کیخلاف کئی خطوط لکھے اور اسمبلی توڑنے سے قبل ممتاز راٹھور کو خط لکھ کر ان کی حکومتی پالیسیوں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا اور اس دور میں ان کے ان خطوط کے متن

اخبارات میں بھی شائع ہوئے تھے۔

مسلم کانفرنس سے الگ کرنے کی کوشش

مسلم کانفرنس ریاست جموں وکشمیر کی سب سے پرانی سیاسی جماعت ہے۔ 1932ء میں اس کے قیام سے لیکر 1928ء تک اس کی قیادت مختلف ادوار میں چودھری غلام عباس مرحوم' شیخ محمد عبداللہ مرحوم' میر واعظ مولوی محمد یوسف مرحوم' سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم اور سردار محمد ابراہیم خان جیسے قد آور راہنماؤں کے ہاتھوں میں رہی۔ چودھری غلام عباس کی وفات کے بعد اس کی سربراہی کی باگ ڈور سردار عبدالقیوم خان کو سنبھالنے کا موقع ملا۔

کہا جاتا ہے کہ چودھری غلام عباس کی راحلت کے بعد مسلم کانفرنس کو نظریاتی خطوط پر اس کے حقیقی منشور و دستور اور کارکنوں کی خواہشات کے مطابق چلانے کے بجائے اس کو شخصیات کے گرد گھومانے اور قبیلہ پرستی کے گرداب میں دھکیلنے کی پالیسی اختیار کی گئی اور سردار عبدالقیوم خان کے زیر سایہ ایک مخصوص گروپ' جماعت اور سردار صاحب سے وفاداری کے لبادے میں مناپلسٹ بن کر جماعت کے اہم راہنماؤں اور کارکنوں کی کردار کشی کر کے انہیں جماعت سے علیحدہ ہونے پر مجبور کرتا رہا۔ مخصوص علاقوں اور قبائل کے مخلص اور شریف لوگ اس گروپ کی کارروائیوں سے تنگ آ کر اور ہمت ہار کر جماعت چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے رہے۔ سردار محمد ابراہیم خان' چودھری نور حسین' کے ایچ خورشید مرحوم کے ساتھ اپنے اپنے وقت میں یہی پریکٹس کی گئی جس کے باعث وہ مجبور ہو کر مسلم کانفرنس سے علیحدہ ہوئے۔

سردار عبدالقیوم خان کے بعض قریبی ساتھیوں کی طرف سے 1990ء کے بعد سردار سکندر حیات خان کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کی پریکٹس کی گئی اور کردار کشی کی من گھڑت اور بے بنیاد کارروائیاں کر کے انہیں اس بات پر مجبور کیا جاتا رہا کہ وہ جماعت چھوڑ دیں یا الگ

پارٹی بنالیں لیکن سردار سکندر حیات خان غصہ میں آئے نہ ہمت ہاری بلکہ انہوں نے تمام کارروائیوں اور سازشوں کا بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور ہمیشہ دوٹوک الفاظ میں یہ واضح کیا کہ جماعت کسی کے باپ دادا کی میراث نہیں۔ اگر کسی کے آباؤ اجداد کا اس پر کوئی حق ہے تو ان کے آباؤ اجداد کا زیادہ ہے۔ مسلم کانفرنس ان کا گھر ہے وہ اس گھر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ اسی میں رہ کر مقابلہ کرینگے۔

دورہ سعودی عرب

فروری 1992ء میں صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے سردار سکندر حیات خان نے سعودی عرب کا دورہ کیا' اس دوران سردار سکندر حیات خان نے مکہ مکرمہ میں عمرہ کی ادائیگی اور مدینہ منورہ میں روضہ رسولؐ پر حاضری دینے کے علاوہ سعودی عرب کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے وہاں کشمیری و پاکستانی تارکین وطن' سعودی حکومت کے نمائندوں اور وہاں مقیم دنیا بھر کی دوسری ممتاز شخصیات سے تفصیلی ملاقاتیں کر کے ان سے کشمیر کی سنگین صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔

سردار سکندر حیات خان نے 6 فروری کو جدہ پہنچنے کے بعد وہاں کشمیری و پاکستانی باشندوں سے ملاقاتیں کرنے کے بعد مکہ مکرمہ کا دورہ کیا' جہاں انہوں نے عمرہ ادا کیا اور اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر الحامد الغابد سے ملاقات کر کے ان سے مسئلہ کشمیر پر تفصیلی بات چیت کی۔ انہوں نے سیکرٹری جنرل سے کہا کہ عالمی نظام میں عدم توازن کے بعد بعض قوتیں بھارت کو سلامتی کونسل کا مستقل ممبر بنانے کے درپے ہیں جو ساری اسلامی دنیا کے لئے خطرات کا باعث ہوگا۔ انہوں نے ڈاکٹر الحامد الغابد کو تجویز پیش کی کہ سلامتی کونسل کی رکنیت او آئی سی بھی حاصل کر سکتی ہے۔ وقت کی ضرورت ہے کہ او آئی سی سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت کے لئے اپنی

کوششوں کا آغاز کرے۔ ان کا کہنا تھا کہ او آئی سی اسلامی ملکوں کی نمائندہ کی حیثیت سے یہ رکنیت حاصل کرنے کے بعد باری باری تمام اسلامی ممالک کو مخصوص مدت کے لئے اس کا ممبر مقرر کرسکتی ہے۔ اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل نے سردار سکندر حیات خان کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کی تجویز کو او آئی سی میں زیر غور لائیں گے۔

دورہ یورپ

آزاد جموں و کشمیر کے صدر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد سردار سکندر حیات خان نے یورپی ممالک کا بھی تین ہفتے کا تفصیلی دورہ کیا اور وہاں کے عالمی راہنماؤں اور ممتاز سیاسی و سفارتی شخصیات سے مسئلہ کشمیر کے بارے میں اہم بات چیت کی۔ اس طرح سردار سکندر حیات خان پہلے کشمیری راہنما تھے جنہوں نے صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے فرانس اور بعض دوسرے یورپی ملکوں کا دورہ کر کے وہاں کے ذمہ دار لوگوں کو کشمیر کی صورتحال سے آگاہ کیا۔ وہ 30 اگست 1992ء کو برطانیہ پہنچے رات لندن کے سہر کنگسٹن میں قیام کیا۔ وہاں انہوں نے کشمیری اور پاکستانی تارکین وطن کی ایک استقبالیہ تقریب سے خطاب کے دوران مسئلہ کشمیر کی صورتحال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم سے یورپی اقوام کو آگاہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے تارکین وطن پر زور دیا کہ وہ اپنے ملک کے سفیر کی حیثیت سے کشمیر کاز اور ملک کی ترقی و استحکام کے لئے کام کریں۔

لندن میں دو روز قیام کے بعد یکم ستمبر کی شام وہ فرانس کے دو روزہ دورے پر پیرس پہنچے۔ پیرس میں کشمیری و پاکستانی باشندوں کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ اپنے کشمیری بھائیوں کو بھارتی جارحیت سے نجات دلانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

3 ستمبر کو فرانس کے دارالحکومت پیرس میں فرانسیسی صحافیوں کو مسئلہ کشمیر کے بارے میں بریفنگ دیتے ہوئے کہا کہ مسئلہ کشمیر کا واحد حل کشمیر میں اقوام متحدہ کی زیرنگرانی آزادانہ و منصفانہ رائے شماری ہے۔ جب تک کشمیر کا مسئلہ کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق حل نہیں ہوجاتا جنوبی ایشیا میں پائیدار امن قائم نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے یورپی صحافیوں اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے کہا کہ وہ کشمیر میں ڈھائے جانیوالے انسانیت سوز بھارتی مظالم سے عالمی برادری کو آگاہ کریں اور کشمیریوں کے حق خودارادیت کے لئے اپنا رول ادا کریں۔

4 ستمبر کو سردار سکندر حیات خان نے فرانس میں متعین پاکستانی سفیر الیس کے دہلوی کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب کے دوران کہا کہ کشمیری بھارت سے کوئی نئی چیز نہیں مانگ رہے بلکہ وہی مطالبہ کر رہے ہیں جو اس نے اقوام متحدہ کے فورم پر 44 سال قبل کیا تھا۔

پیرس میں قیام کے دوران صدر آزاد کشمیر نے یورپ کی جن دیگر ممتاز شخصیات سے ملاقاتیں کر کے مسئلہ کشمیر پر بات چیت کی ان میں فرانس کی قومی اسمبلی کے پاک فرانس گروپ کے ڈپٹی لیڈر برنارڈ کالٹ' سینیٹر این منصوری' فرانس کی وزارت خارجہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر برائے ایشیا علین پالوڈی بیوپائے' سینیٹر جیں پورچٹ' سینیٹر پیئر لیکر' سینیٹر گوٹے رابرٹ' سینیٹ کی ایڈمنسٹریٹو سیکرٹری مسز مری راجز' فرانس کے جرنلزم کی خواتین عہدیداروں مسز اینڈو' مسز ورجینی جیکو برگر' سینیٹر واہر ویلیین' نائب صدر یورپی پارلیمنٹ' ڈائریکٹر وزارت خارجہ برائے ایشیا جین ڈیوڈ' متراخ ڈیول جیکوبی' صدر بین الاقوامی تنظیم برائے انسانی حقوق' ممتاز خاتون صحافی اینڈو ٹیلیفر' یورپی پارلیمنٹ کے سیکرٹری اور پاک فرانس فرینڈ شپ کے صدر سینیٹر کل' سینیٹر ایک جیکو ہیمرٹ' سینیٹر پولٹ بریسی پیٹر اور سینیٹر ایم جین برین شامل ہیں۔

صدر آزاد کشمیر فرانس کا دورہ مکمل کرنے کے بعد 4 ستمبر کو جرمنی پہنچے تو بون ائیر پورٹ پر پاکستانی سفیر مجاہد حسین اور کشمیریوں اور پاکستانیوں کی بڑی تعداد نے وہاں ان کا والہانہ استقبال کیا۔ 5 ستمبر کو جرمنی کے ممتاز جریدے انز یگر کی ایڈیٹر مسز ریگنار گریجر کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر آزاد کشمیر نے کہا کہ اقوام متحدہ کا عالمی ادارہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ کشمیر میں رائے شماری کرائے اور بھارت کو عالمی فورمز پر کئے گئے وعدوں کی پاسداری پر مجبور کرے۔ کشمیریوں کی تحریک تقسیم ہند کے اسی منصوبے کا حصہ ہے جس کے تحت برطانیہ نے ہندوستان اور پاکستان کو آزادی دی تھی۔ صدر آزاد کشمیر نے اسی روز ریڈیو جرمنی کو بھی ایک تفصیلی انٹرویو دیا اور جرمنی کی حکومت' سفارتکاروں' صحافیوں' دانشوروں' عوامی نمائندوں اور رائے عامہ کے دوسرے ذمہ دار لوگوں پر زور دیا کہ وہ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی تحریک کی سفارتی و بین الاقوامی طور پر مؤثر حمایت کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ انہوں نے فرینکفرٹ میں کشمیر ایکشن کمیٹی کے صدر کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ میں کشمیری و پاکستانی تارکین وطن اور ان کے نمائندوں سے خطاب کر کے انہیں کشمیر کی صورتحال سے آگاہ کیا اور وہاں کی وزارت خارجہ کے جنوبی ایشیا ڈویژن کے سربراہ ڈاکٹر نار برٹ ہال' وائس آف جرمنی کی اردو سروس کے سربراہ گوٹیلڈ گراس' نامور صحافی ٹانی روزینی' ممتاز آئینی ماہر پروفیار کال نیومین' جرمنی کے ارکان پارلیمنٹ اور ممتاز سفارتکار ہینیٹر ڈیلر' چانسلر کے خارجہ امور کے مشیر ڈاکٹر ہارٹ مین' ڈاکٹر کلاؤس کبلر اور دوسرے اہم راہنماؤں اور احکام سے ملاقاتیں کر کے ان سے مسئلہ کشمیر کی تازہ ترین صورتحال پر بات چیت کی اور ان سے کہا کہ وہ کشمیریوں کو حق خود ارادیت دلانے کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ صدر جرمنی کا دورہ مکمل کرنے کے بعد ہالینڈ بھی گئے اور ہیگ میں عالمی عدالت انصاف کے دفتر کا بھی دورہ کیا۔ عدالت کے حکام اور ماہرین قانون سے مسئلہ

کشمیر کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔

رات ہالینڈ میں قیام کے بعد 7 ستمبر کی صبح واپس لندن پہنچے۔ برطانیہ میں قیام کے دوران 7 ستمبر سے 20 ستمبر تک دو ہفتے میں سردار سکندر حیات خان نے شیفلڈ‘ نوٹنگھم‘ برمنگھم‘ بولٹن‘ ڈربی‘ بریڈفورڈ‘ اولڈھم اور دوسرے شہروں کا دورہ کیا اور وہاں مقیم کشمیریوں و پاکستانیوں کی طرف سے منعقدہ استقبالیہ تقریبات میں شرکت کی۔ نمائندہ وفود سے ملاقاتیں کیں اور ان سے کشمیر کی تازہ ترین صورتحال کے بارے میں بات چیت کی۔ انہوں نے وہاں قیام کے دوران پارلیمنٹ کے ہاؤس آف کامنز میں کشمیر کمیٹی کے چیئرمین راجر گارڈسف ایم پی ڈاکٹر ڈیوڈ ینگ‘ انسانی حقوق کمیشن کی چیئرمین مس سرسان اور ڈاکٹر برین ڈیوس سے ملاقاتیں کیں اور ان سے مسئلہ کشمیر کے پس منظر اور کشمیر کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔

صدر آزاد کشمیر اپنا برطانیہ‘ فرانس‘ ہالینڈ اور جرمنی کا تین ہفتے کا طوفانی دورہ مکمل کرنے کے بعد 20 ستمبر کی صبح اسلام آباد واپس پہنچے اور اسی روز شام 4 بجے کشمیر ہاؤس میں ایک پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے اپنے 4 ملکوں کے دورے کے دوران یہ محسوس کیا ہے کہ یورپ میں مسئلہ کشمیر پر بڑی واضح تبدیلی آ رہی ہے اور وہاں کی نئی صورتحال کے عالمی سطح پر بڑے دوررس اثرات مرتب ہوں گے اور اب وہاں ہر جگہ یہ بات بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ بھارت ایک بڑا ملک ہے اس سے کشمیریوں کے حق خودارادیت کو کیسے تسلیم کرایا جائے؟

قومی حکومت کی تجویز

تحریک آزادی پر آزاد کشمیر میں سیاسی اور قومی اتفاق رائے کے لئے سردار سکندر حیات خان نے 1993ء میں آزاد کشمیر سے انتخابی سیاست کو مقبوضہ کشمیر کی آ زادی

تک ترک کر کے تمام معروف جماعتوں اور مکاتب فکر کے نمائندوں پر مشتمل ایک قومی حکومت کے قیام کی تجویز بھی دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ تجربے کیبعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انتخابی سیاست اور سیاسی و گروہی مفادات کی دوڑ نے آزاد کشمیر کے لوگوں و جماعتوں کو مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے اصل مقصد سے دور کر دیا ہے اور تحریک آزادی کی صورتحال میں سنگینی اور آزاد کشمیر کی سرحدات پر بڑھتے ہوئے خطرات کے پیش نظر یہ بات ناگزیر ہوگئی ہے کہ آزاد کشمیر کے اندر مکمل اتحاد و یکجہتی کی فضا قائم کی جائے اور سب اکٹھے ہوکر اپنا وزن تحریک آزادی کے پلڑے میں ڈالیں۔ سردار سکندر حیات خان کی قومی حکومت کی تجویز کی آزاد کشمیر کی کئی سیاسی' دینی و عسکری و پارلیمانی جماعتوں نے بھرپور حمایت کی۔ بالخصوص 1994ء میں میرپور میں یونین آف جرنلسٹس آزاد کشمیر کے زیر اہتمام منعقدہ آل پارٹیز کشمیر کانفرنس میں ایک دو جماعتوں کے سوا تمام جماعتوں نے اس کی تائید کرتے ہوئے آزاد کشمیر میں قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا۔ وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان نے بھی اس کی مشروط حمایت کرتے ہوئے یقین دلایا تھا کہ جو فیصلہ سب اکٹھے ہوکر کریں گے وہ ان کو قبول ہوگا۔

1995ء میں سکندر حیات خان نے اسی مقصد کے لئے ایک مرتبہ پھر کوشش کی کہ تمام جماعتوں و رہنماؤں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کی طرف سے مسلمانوں کے مقدس مقامات کی بے حرمتی اور ریاستی زعماء اور حریت کانفرنس کی لیڈرشپ کو قتل کرانے اور ان کے گھروں کو گھیراؤ و جلاؤ کی کارروائیوں کے علاوہ سیز فائر لائن پر بڑھتے ہوئے بھارتی خطرات کے پیش نظر ایک آل پارٹیز کانفرنس منعقد کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ چنانچہ سردار سکندر حیات خان کی تجویز پر حکومت آزاد کشمیر کی دعوت پر 1995ء میں مظفرآباد میں منعقدہ کل جماعتی گول میز کانفرنس کے فورم پر آزاد کشمیر و مقبوضہ جموں و کشمیر کی تمام

جماعتوں کے راہنماؤں کو اکٹھے بیٹھنے کا موقع ملا اور سردار سکندر حیات خان‘ سردار محمد ابراہیم خان‘ زوزیراعظم سردار عبدالقیوم خان‘ سابق وزیراعظم ممتاز حسین راٹھور‘ سابق صدر اور آزاد کشمیر مسلم لیگ کے سربراہ جنرل حیات خان‘ پی پی آزاد کشمیر کے سربراہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری‘ لبریشن لیگ کے سربراہ جسٹس (ریٹائرڈ) عبدالمجید ملک‘ لبریشن فرنٹ کے چیئرمین امان اللہ خان‘ جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے امیر عبدالرشید ترابی سمیت تمام ریاستی جماعتوں اور تنظیموں کے نمائندوں کے اتفاق رائے سے آزاد کشمیر میں ایک کل جماعتی سپریم کونسل قائم کر کے تحریک آزادی کشمیر کے کاز کے لئے ایک متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنے کے لئے سردار محمد ابراہیم خان کی تجویز پر سردار سکندر حیات خان کی سربراہی میں ایک 11 رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی میں تمام بڑی جماعتوں کے راہنماؤں کو شامل کر کے کمیٹی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ سپریم کونسل کے تنظیمی اور آئینی ڈھانچے کے لئے سفارشات مرتب کر کے کونسل کو تحریک آزادی کے سلسلے میں آئینی و انتظامی طور پر ایک بااختیار ادارہ بنانے کے لئے اقدامات کرے۔ اس طرح سردار سکندر حیات خان اور بعض دوسرے سیاسی راہنماؤں کی کوششوں سے مسئلہ کشمیر کی بدلتی ہوئی صورتحال میں ایک مرتبہ پھر آزاد کشمیر میں کشمیر کاز کے لئے ہماری تمام جماعتوں اور راہنماؤں کو بھرپور اتفاق رائے کا موقع ملا تھا جس کے یقیناً سرحد کے اس طرف اور اس پار جدوجہد آزادی پر بڑے مثبت اثرات مرتب ہوئے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے حکومت آزاد کشمیر اور اپوزیشن کی سب سے بڑی جماعت پیپلز پارٹی کے عدم تعاون کے باعث سپریم کونسل کے اس پلیٹ فارم کو بااختیار اور مؤثر بنانے کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔

تحریک آزادی اور آزاد کشمیر کی سلامتی کی لئے قومی اور سیاسی سطح پر اتحاد و یکجہتی کی کوششوں اور اقدامات کے ساتھ ساتھ سردار سکندر حیات خان نے اپنے دور صدارت میں

آزاد کشمیر کے بعض دیرینہ واہم انتظامی' سیاسی' آئینی اور ترقیاتی مسائل کے حل کے لئے بھی بڑی موئثر ومربوط کوششیں کیں۔

سردار سکندر حیات خان نے 1995ء میں پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت کی طرف سے گلگت وبلتستان میں اصلاحات کے آئینی پیکج اور غیر ریاستی چیف ایگزیکٹو کی تعیناتی سمیت یکطرفہ اور غیر منصفانہ اقدامات پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے بارہا حکومت پاکستان سے ان اقدامات پر نظر ثانی کرنے اور وہاں کے لوگوں کو درپیش مسائل کے حل کے لئے ضروری اقدامات کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔

کونسل کو فعال بنانے کی کوششیں

آزاد جموں وکشمیر کونسل کے آئینی ادارے کا قیام 1974ء میں بھٹو صاحب کی حکومت نے آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے عمل میں لایا تھا۔ وزیر اعظم پاکستان بلحاظ عہدہ اس کے چیئرمین اور صدر آزاد کشمیر وائس چیئرمین جبکہ اس کے منتخب ممبران میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے چھ اور آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے چھ ممبران بھی شامل ہوتے ہیں جن کا انتخاب آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کرتی ہے۔ اس طرح آزاد کشمیر کونسل کا یہ ادارہ آزاد کشمیر اور پاکستان کی سطح پر ایک بہت بڑے آئینی' جمہوری اور قومی فارم کی حیثیت رکھتا ہے جو تحریک آزادی اور دوسرے اہم ملکی مسائل کے حل کے لئے ایک موئثر رول ادا کرسکتا ہے لیکن اس ادارے کے قیام کے بعد اس کی اصل حیثیت بحال کرنے کے لئے پاکستان کی کسی بھی حکومت نے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں۔

سردار سکندر حیاتخان نے اگست 1991ء میں جب منصب صدارت سنبھالا تو پاکستان میں میاں نواز شریف کی حکومت تھی لیکن مسلم لیگ کی ہم خیال حکومت ہونے کے

باوجود اس وقت کے وزیر امور کشمیر (جو کونسل سیکرٹریٹ کے انچارج وزیر بھی تھے) کا رویہ کونسل اور آزاد کشمیر کے دیگر معاملات میں بڑا نارواتھا اور وہ مخصوص مفادات کے تحت کونسل کے وسائل اور اختیارات کو اپنی خواہشات کے مطابق چلانے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے اور کونسل کے کروڑوں روپے کے ترقیاتی فنڈز آزاد کشمیر کی تعمیر و ترقی کے بجائے بیرون آزاد کشمیر اپنے حلقہ انتخاب میں استعمال کر رہے تھے اور کونسل کے بجٹ اجلاس اور اس کے دوسرے معاملات کو ایسے خطوط پر چلایا جا رہا تھا جس کی آئین و قانون میں گنجائش نہ تھی۔ سردار سکندر حیات خان نے قطع نظر اس کے کہ پاکستان میں مسلم لیگ کی حکومت ہے اور آزاد کشمیر کی مسلم کانفرنس حکومت کا کیا رول ہے آزاد کشمیر کونسل کے آئینی و جمہوری ادارے کی آئینی حیثیت کی بحالی اور آزاد علاقے کی تعمیر و ترقی کے مفادات کے لئے آواز اٹھائی اور نواز شریف حکومت پر واضح کر دیا کہ وہ آزاد کشمیر کے معاملات میں وزارت امور سے کشمیر کی غیر آئینی و غیر قانونی مداخلت اور کونسل کے ادارہ کو ذاتی پسند و ناپسند کے تحت چلانے کی کارروائیوں کو برداشت نہیں کرینگے اور وفاقی حکومت ان کارروائیوں کو رکوانے اور کونسل کی سیاسی و آئینی حیثیت کی بحالی کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ چنانچہ سردار سکندر حیات خان کی دو سال کی مسلسل کوششوں اور جدوجہد کے باعث نواز شریف حکومت کو کونسل کے امور سے متعلق کئے جانیوالے کئی اقدامات پر نظر ثانی کرنا پڑی اور پہلی مرتب کونسل کے وائس چیئرمین کے اسلام آباد آفس کے قیام اور واپس چیئرمین و ممبران کونسل کو ترقیاتی سکیموں کے لئے کروڑوں روپے کے منصوبوں کے فنڈز واپس کر کے آزاد کشمیر حکومت کو منتقل کئے گئے۔ اس طرح پہلی مرتبہ سردار سکندر حیات خان نے وفاقی حکومت اور حکومت آزاد کشمیر کے نہ چاہنے کے باوجود تنہا صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے کونسل کے ادارے کو مؤثر بنانے کے لئے ایسا منفرد رول ادا کیا جس کی آزاد کشمیر کی پارلیمانی و

جمہوری تاریخ اور کسی دوسرے سربراہ ریاست کے دور میں مثال نہیں ملتی۔

مسلم کانفرنس کی تنظیم نو

اپنی آئینی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ سردار سکندر حیات خان نے آزاد کشمیر کے صدر کی حیثیت سے سیاسی معاملات میں بھی بڑا اہم اور فعال کردار ادا کیا اور جماعت کے ایک مقتدر راہنما کی حیثیت سے انہوں نے مسلم کانفرنس کے تنظیمی امورمیں خرابیوں کو دور کرنے کے لئے بھی ہر مرحلہ پر آواز اٹھائی اور جماعت کو اس کے دستور ومنشور کے برعکس چلانے کی کارروائیوں کو نوٹس لے کر جماعتی قیادت کی توجہ اس کی ذمہ داریوں کی طرف مبذول کراتے رہے۔

10 مارچ 1995ء کو مسلم کانفرنس کی تنظیم نو کے موقع پر جب صدر جماعت کی عدم موجودگی میں مسلم کانفرنس کے ایک اجلاس میں اس کے مرکزی عہدیداروں کی نامزدگیوں کا اعلان کر کے سینئر جماعتی کارکنوں اور اہم علاقوں کے ارکان کو نظر انداز کر دیا گیا تو سردار سکندر حیات خان نے اس کارروائی کا سختی سے نوٹس لیا اور کہا کہ جماعت کے کنونشن میں جماعتی عہدیداروں کی نامزدگیوں کا اختیار صدر جماعت کو دیا گیا تھا اور پارٹی مینڈیٹ کے مطابق یہ صرف ان کا ہی حق ہے' کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ جماعتی عہدیداروں کا اعلان سے قبل ان سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا بلکہ اعلان کے بعد سیکرٹری جنرل نے انہیں فون پر اس کی اطلاع دی ہے۔ یہ کوئی بادشاہی نہیں' جماعت کو وراثت بنا کر نہیں چلایا جا سکتا۔ آئندہ یہ یک طرفہ ٹریفک نہیں چلے گی۔ یہ کوئی کھیل تماشا نہیں اور نہ ہی اس طرح جماعتیں چلتی ہیں۔ مجھ سے پوچھ لیا جاتا تو اس میں کونسی نامناسب بات ہوتی۔ میرے آباؤ اجداد اس جماعت کو بنانے والے تھے' مجھے ڈر لگتا ہے' میں جماعت کو انتشار کا شکار ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ میں جماعت کا دس سال صدر اور پانچ سال وزیر اعظم رہا اور ہر مرتبہ سردار عبدالقیوم خان صاحب کو

جماعتی ارکان کا پینل بھیج کر ان کی منظوری کے بعد عہدیداروں کا اعلان کرتا تھا۔ جو نام سردار صاحب فہرست سے کاٹ دیتے تھے اس کو عہدیداروں میں شامل نہیں کرتا تھا لیکن آج مجھ سے پوچھا تک نہیں جاتا۔ جب بات کرتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ سکندر حیات اختلاف کرتا ہے' جماعت میں اختلافات ہو گئے۔

ان کا کہنا تھا کہ رولز آف بزنس میں سیاسی اور تعمیر و ترقی کے معاملات میں حکومت پر صدر کو باخبر رکھنے کی پابندی ہے لیکن اس کے باوجود نہ صرف ان معاملات میں مجھے کبھی اعتماد میں نہیں لیا گیا بلکہ گزشتہ تین سالوں میں اہم ملکی اور سرکاری معاملات سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی۔

آزاد کشمیر کا صدارتی انتخاب

آزاد کشمیر کے عبوری آئین ایکٹ 1974ء کی دفعہ 5 ذیلی دفعہ (1) کے تحت صدر آزاد کشمیر کا انتخاب قانون ساز اسمبلی اور آزاد جموں و کسمیر کونسل کے مشترکہ ایوان ''الیکٹرول کالج'' جوائنٹ سٹنگ کے ارکان کرتے ہیں۔ عبوری ایکٹ 74ء کی اسی دفعہ کی ذے لی دفعہ 5 کے تحت صدر آزاد کشمیر کے عہدہ کی مدت پانچ سال مقرر کی گئی ہے۔

صدارتی انتخاب کا انعقاد صدر آزاد کشمیر کی پانچ سال کی معیاد (جو صدر کے منصب صدارت کا حلف اٹھانے اور صدارتی منصب کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے روز سے شروع ہوتی ہے) پوری ہونے سے کم از کم تیس (30) روز قبل نئے صدر کا انتخاب آئینی طور پر لازمی تقاضا ہے۔ تاہم اگر اسمبلی توڑ دی گئی ہو اور یہ انتخاب ممکن نہ ہو تو پھر نئے عام انتخابات کے تیس روز کے بعد یہ انتخاب کرایا جا سکتا ہے۔

آزاد کشمیر کے عبوری آئین 74ء کی دفعہ 5 کی ذیلی دفعہ 3 الف (5) میں صدر آزاد

کشمیر کے انتخاب کا جو آئینی طریقہ کار درج ہے اس کا متن درج ذیل ہے۔

(3-A) **Election to the office of President shall be held not earlier than 60 days and not later than 30 days before the expiration of the term of President in office or if the Election cannot be held with in the period because the Assembly is dissolved, with in 30 days of the general Eleciton to the Assembly.**

(5) **Subject to provisions of this Act, the President shall held office for a period of five years from the date on which he enters upon his office.**

جبکہ پاکستان کے 1973ء کے آئین کی دفعہ 41 (4) میں صدر پاکستان کے انتخاب کا جو طریقہ کار درج تھا وہ آٹھویں ترمیم میں بھی اسی طرح برقرار ہے جو درج ذیل ہے۔

(4) **Election to the office of the president shall be held not earlier than 60 days and not later than 30 days the expiration of the term of the President in office.**

Provided that if the Election cannot be

held within the period because the National Assembly is dissolved. It shall be held with in 30 days of the general Election to the Assemboly.

صدر آزاد کشمیر کے استعفیٰ' موت یا دیگر وجوہ کی بناء پر اگران کا عہدہ خالی ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں سپیکر قانون ساز اسمبلی کو قائم مقام صدر کی حیثیت سے منصب صدارت سنبھال کر آئین کے تحت 30 دن کے اندر اندر نئے صدر کا انتخاب کرانا ہوتا ہے۔

آزاد کشمیر کے عبوری ایکٹ 74ء کی دفعہ 9 کے تحت ایسے ضمنی انتخاب میں منتخب ہونے والے صدر کے عہدے کی معیاد بھی پورے پانچ سال ہی ہوگی اور یہ انتخاب وہی مشترکہ ایوان (جائنٹ سٹنگ) کرے گا جو 30 دن کی مقررہ مدت کے دوران موجود ہوگا۔ بشرطیکہ اسمبلی توڑ نہ دی گئی ہو۔ اسمبلی توڑنے یا موجود ہونے کی صورت میں اسمبلی کے نئے انتخابات کے بعد تیس روز میں نئے صدر کا انتخاب کرایا جائیگا اور اس وقت تک سپیکر اسمبلی قائم مقام صدر کی حیثیت سے صدر آزاد کشمیر کے فرائض بھی سرانجام دیں گے۔

آزاد کشمیر کے عبوری آئین ایکٹ 74ء کی دفعہ 9 کے تحت جو آئینی طریقہ کار استعفیٰ' موت یا دوسری وجوہ کی بناء پر صدارتی منصب خالی ہونے کی صورت میں نئے صدر کے انتخاب کے لئے آئین میں درج کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

(9) Casual vacancy in the office of the President falls vacant due to death, resignation ; or any other cause the Speaker of the Assembly

shall,

(a) performs the functions of the President till such time as a new President is elected, and

(b) Cause on Election of President to be held with in a period of 30 days from the date on which the office falls vacantor, if the Election cannot be held with in 30 days of the general Election to the Assembly.

سردار سکندر حیات خان کا انتخاب

آزاد جموں وکشمیر میں صدر آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان کا انتخاب 1991ء کے عام انتخابات کے بعد 12 اگست 1991ء کو آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی اور جموں وکشمیر کونسل کے مشترکہ اجلاس (جوائنٹ سیٹنگ) میں کیا گیا تھا اس طرح ان کے منصب صدارت کی مدت آئین کے تحت 12 اگست 1996ء تک تھی۔ اور اس مدت کے ختم ہونے سے کم از کم 30 دن پہلے 12 جولائی 1996ء کے دوران آزاد کشمیر کے آئندہ صدر کا انتخاب لازمی تھا چونکہ 12 جون اور 12 جولائی 1996ء کے اس عرصے کے دوران نئے صدر کے انتخاب کے دوران نئے صدر کے انتخاب کے لئے مشترکہ ایوان ''الیکٹرول کالج'' موجودہ قانون ساز اسمبلی اور کونسل کے ارکان ہی تھے اس لیے یہ صدارتی انتخاب اسی الیکٹرول کالج نے کرنا تھا کیونکہ آزاد کشمیر کی موجودہ قانون ساز اسمبلی کی آئینی مدت 29 جولائی 1996ء تک تھی۔ آزاد کشمیر کے

عبوری آئین ایکٹ 1947ء کی دفعہ 22 کے ضمن (3) کے مطابق اس اسمبلی کی معیاد کے خاتمے سے 60دن پہلے نئی اسمبلی کے انتخابات کے شیڈول کا اعلان ضروری تھا تا کہ اسمبلی کی مدت پوری ہونے سے کم از کم 15 روز قبل انتخابات کے نتائج کا اعلان یقینی ہو جائے۔ موجودہ اسمبلی اپنی مدت 29 جولائی 1996ء مکمل کرنے تک ان تمام اختیارات کو بروئے کار لا سکتی ہے جو آئین کے تحت اس کو حاصل ہیں۔ اس طرح 12 جون اور 12 جولائی 1996ء کے دوران یہ اسمبلی اور کونسل کسی بھی وقت آزاد کشمیر کے نئے صدر کا انتخاب کرنے کی مجاز تھی اور اسمبلی کو توڑنے یا آئین میں ترمیم کے بغیر 12 جون اور 12 جولائی کے درمیانی عرصہ میں صدارتی انتخاب نہ کرانے یا مؤخر کرنے کی کوئی آئینی وقانونی صورت نہیں تھی۔ کیونکہ 29 جولائی 1996ء تک عام انتخابات کے نتیجے ہونے والی نئی اسمبلی نہ اپنا اجلاس منعقد کر سکتی تھی نہ اس کے ارکان صدارتی انتخابات میں حصہ لے سکتے تھے۔ بلکہ نئی اسمبلی کے معرض وجود میں آنے کے باوجود بھی صدارتی انتخاب موجودہ (پرانی) اسمبلی کے ارکان نے ہی کرنا ہے۔ لیکن صدارتی انتخاب کے سلسلے میں اس ناگزیر آئینی وقانونی تقاضے کے باوجود آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے لیڈروں نے اس انتخاب میں ابہام پیدا کر کے اس کو متنازعہ بنانے اور اس میں مسلم کانفرنس کی متوقع کامیابی کو روکنے کے لئے اس وقت اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ایک بلا جواز بحث کا دوازہ کھول دیا۔ جب وزیر اعظم سردار عبدالقیوم خان آزاد کشمیر کی اپوزیشن جماعتوں بالخصوص پی پی کے لیڈروں کی طرف سے وفاقی حکومت سے دفعہ 56 کا استعمال کر کے آزاد کشمیر اسمبلی کو توڑنے، حکومت آزاد کشمیر کی برطرفی اور آئندہ عام انتخابات ایک عبوری حکومت کی نگرانی می قبل از وقت کرانے کے مطالبے پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعظم ہاؤس مظفر آباد میں ایک پریس کانفرنس کے دوران یہ کہا کہ موجودہ اسمبلی

29 جولائی 1996ء تک اپنی پانچ سال کی مدت پوری کرے گی اور اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے جون' جولائی 1996ء کے بجٹ کی منظوری کے علاوہ آئندہ صدر کا انتخاب بھی کرے گی۔

اخباری نمائندوں کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے سردار عبدالقیوم خان نے کہا کہ اگر سردار سکندر حیات خان آئندہ وزیر اعظم بننا چاہیں تو وہ وزارت عظمیٰ کا منصب چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ تاہم سردار عبدالقیوم خان نے کہا کہ ان کی خواہش ہے کہ سردار سکندر حیات خان ہی آئندہ صدر ہوں اور وہ جون' جولائی 1996ء کے صدارتی انتخاب میں مسلم کانفرنس کے امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیں۔ سردار سکندر حیات خان نے سردار عبدالقیوم خان کے بیان پر کسی فوری ردعمل کا اظہار نہیں کیا لیکن آزاد کشمیر پی پی کے لیڈروں سابق وزیر اعظم ممتاز حسین راٹھور اور صاحبزادہ اسحاق ظفر نے سردار عبدالقیوم خان کی طرف سے صدارتی انتخاب جون' جولائی 1996ء میں موجودہ اسمبلی سے کرانے کے بیان کو آئینی غنڈہ گردی قرار دیتے ہوئے دھمکی دی کہ وہ موجودہ اسمبلی سے کسی صورت صدارتی انتخاب نہیں ہونے دیں گے۔ اور نہ موجودہ حکومت کے زیر نگرانی آئندہ انتخابات کو تسلیم کریں گے۔ انہوں نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ وہ دفعہ 56 کے تحت آزاد کشمیر میں ایک عبوری حکومت قائم کر کے نئے انتخاب کروائے اور آئندہ صدارتی انتخاب موجودہ کے بجائے انتخابات کے بعد قائم ہونے والی نئی اسمبلی سے کرایا جائے۔

سردار سکندر حیات خان کی نامزدگی کا اعلان

مارچ 1996ء کے اواخر میں جب مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی اور پھر پارلیمانی پارٹی نے سردار عبدالقیوم خان کے اعلان کی توثیق کرتے ہوئے سردار سکندر حیات خان کو باضابطہ طور

پر مسلم کانفرنس کا صدارتی امیدوار نامزد کرنے کا فیصلہ کیا تو آزاد کشمیر پی پی کے لیڈروں نے صدارتی انتخاب کے آئینی وقانونی تقاضوں کی پرواہ کیے بغیر آزاد کشمیر کے آئین کو محض ایک قصہ کہانی تصور کرتے ہوئے صدارتی انتخاب کے خلاف اپنی مہم تیز تر کردی اور وفاقی حکومت سے اس انتخاب کو روکنے' آئندہ صدر کا انتخاب نئی اسمبلی سے کرانے اور پی پی کی صدارتی انتخاب میں کامیابی کی رٹ لگانا شروع کردی اور وزیر امور کشمیر محمد افضل خان' وزیر اعظم پاکستان کے مشیر جلال حیدر زیدی' وفاقی وزیر خورشید شاہ اور دیگر وفاقی حلقوں سے اپنی خواہش کے مطابق نتائج حاصل کرنے کے لئے من پسند بیانات جاری کرنے لگے اور وزیر امور کشمیر نے اس بات پر بغیر غور کیے کہ ان کے منصب کے کیا تقاضے ہیں اور صدارتی انتخاب کے سلسلے میں آئین وقانون کیا ہے یہ بیان جاری کردیا کہ پانچ سال کے لئے منتخب اسمبلی دس سال کے لئے صدر کا انتخاب کیسے کرسکتی ہے؟ صدارتی انتخاب نئی اسمبلی سے ہی کرایا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ وزیر امور کشمیر نے سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان سے آزاد کشمیر کے آئندہ صدارتی انتخاب اور عام انتخابات میں مفاہمت کے لئے بھی بات چیت کی۔ دونوں رہنماؤں نے وزیر امور کشمیر اور وفاقی حکومت کے دوسرے نمائندوں کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران انہیں دوٹوک الفاظ میں بتادیا کہ وہ صدارتی انتخاب کے سلسلے میں آئین وقانون کے منافی کسی دباؤ یا سودے بازی میں آکر دستبردار نہیں ہوں گے۔

سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان پہلے ہی متعدد مرتبہ یہ بھی اعلان کر چکے تھے کہ وہ آئین وقانون کے مطابق صدارتی وعام انتخابات مقررہ وقت پر ضرور کرائیں گے۔ اگر کسی کو صدارتی انتخابات کے سلسلے میں کوئی اعتراض ہو تو وہ عدالت سے رجوع کرے ہم عدالت کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔

سردار سکندر حیات خان کی صدر پاکستان سے ملاقات

جب آزاد کشمیر پی پی کے لیڈروں اور بعض وفاقی وزراء نے صدارتی انتخاب کے بارے میں ابہام پیدا کر کے اس کو متنازعہ بنانے اور جون' جولائی 1996ء میں مقررہ وقت پر اس انتخاب کے انعقاد میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کارروائیاں تیز تر کر دیں تو سردار سکندر حیات خان نے اپریل 1996ء کے آخری دنوں میں صدر پاکستان سردار فاروق احمد خان لغاری اور پارلیمانی کشمیر کمیٹی کے چیئرمین نوابزادہ نصراللہ سے ملاقاتیں کر کے انہیں صدارتی وعام انتخابات سے متعلق آئینی پوزیشن اور تقاضوں کے برعکس اس انتخاب میں ابہام پیدا کرنے کی کوشش سے آگاہ کیا اور ان کو بتایا کہ اگر ایک خالص آئینی معاملے کے خلاف اس طرح کی کوششیں جاری رہیں اور آزاد کشمیر میں آئینی وجمہوری عدم استحکام پیدا کرنے کی کارروائیاں بند نہ کی گئیں تو وہ منصب صدارت سے استعفٰی دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ صدر پاکستان نے ابتداء میں ہی آزاد کشمیر کا صدارتی الیکشن نئی یا پرانی اسمبلی سے کرانے کی بحث کو سٹوپڈ (احمقانہ) بات قرار دیتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ اس سلسلے میں وزیراعظم پاکستان سے بات کریں گے اور آزاد کشمیر کے انتخابات میں وفاقی حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ نوابزادہ نصراللہ خان نے بھی اس طرح کی یقین دہانی کرائی۔

سردار سکندر حیات خان سے ملاقاتوں کے دوران پاکستان کے صدر' چیئرمین کشمیر کمیٹی اور وزیر خارجہ کی یقین دہانی کے باوجود بھی جب آزاد کشمیر پی پی کے لیڈروں کی صدارتی انتخاب کے خلاف کی جانے والی غیر آئینی وغیر قانونی کارروائیاں بند نہ ہوئیں اور بعض حلقوں کی طرف سے سردار سکندر حیات خان کے لئے سیاست کے تمام راستے بند نے کی کوششیں عروج پر پہنچ گئیں تو مسلسل ایک ماہ تک اس صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد سردار سکندر حیات

خان کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ نہ رہا کہ وہ آزاد کشمیر کے صدارتی و عام انتخابات کے آئین و قانون کے مطابق انعقاد اور جمہوری استحکام کے لئے منصب صدارت سے استعفیٰ دے دیں۔ اس طرح انہوں نے ان وجوہات کے پیش نظر 12 مئی 1996ء کو منصب صدارت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کرلیا اور اسی روز ایوان صدر مظفر آباد میں وزیر اعظم سردار عبدالقیوم خان اور وزیر اعظم ہاؤس مظفر آباد میں مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی کے ممبران سے ملاقاتیں کر کے انہیں استعفے کی وجوہات سے آگاہ کر کے ان کے مشورے سے اپنا تحریری استعفیٰ سپیکر قانون ساز اسمبلی عبدالرشید عباسی کو پیش کرتے ہوئے اپنے استعفے کے بعد کی ذمہ داریاں قائم مقام صدر (سپیکر) کے سپرد کریں۔ اور دوسرے روز 13 مئی کو ایوان صدر مظفر آباد میں ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں بتایا کہ انہوں نے کن حالات میں استعفیٰ دیا ہے۔ سردار سکندر حیات خان نے صحافیوں سے کہا کہ انہوں نے مرکزی حکومت کے دباؤ سے نکلنے اور آزاد کشمیر میں جمہوریت کی بقا کے لئے استعفیٰ دیا۔ وفاقی حکومت کا گزشتہ 5'6 ماہ سے ان پر دباؤ تھا۔ بعض لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے جان بوجھ کر صدارتی انتخاب کو متنازعہ بنا رہے تھے۔ حالانکہ صدارتی انتخاب تنہا اسمبلی نہیں بلکہ اسمبلی اور کونسل کے مشترکہ اجلاس میں کیا جاتا ہے۔ آزاد کشمیر کے عبوری آئین کی دفعات پاکستان کے آئین کا ہی چربہ ہیں فرق صرف یہ ہے کہ پاکستان کے آئین میں جوائنٹ سیشن اور آزاد کشمیر کے آئین میں جوائنٹ سٹنگ کے الفاظ درج ہیں۔ یہ بات بھی عجیب ہے کہ 11 مئی 1996ء کو اسمبلی کونسل کے ممبر کا تو انتخاب کر سکتی ہے۔ لیکن صدر کا انتخاب کرنے کی اہل نہیں سمجھی جاتی۔ اس موقع پر سردار سکندر حیات خان نے بتایا کہ وہ استعفیٰ نہ بھی دیتے تب بھی ایک ماہ بعد 12 جون اور 12 جولائی کے درمیان صدارتی انتخاب موجودہ اسمبلی اور کونسل نے ہی کرنا تھا یہ ایک آئینی تقاضا تھا جب آزاد کشمیر کا آئین

پاکستان کے آئین ہی کا چربہ ہے تو آزاد کشمیر میں دوہرا معیار کیوں رکھا گیا۔ایسی صورتحال میں میں نے مستعفی ہو کر جمہوریت' الیکشن کمیشن اسمبلی اور حکومت کی خدمت کی ہے۔اب صدر کا انتخاب تیس روز کے اندر اندر کرنا ہوگا۔جبکہ استعفیٰ سے پہلے صدارتی وعام انتخابات کی جو صورتحال تھی اس کے مطابق صدارتی اورعام انتخابات اکٹھے ہونے سے بھی الجھن پیدا ہوسکتی تھی۔جس کو میں نے استعفیٰ دے کر ختم کر دیا ہے۔

سردار سکندر حیات خان نے کہا کہ استعفیٰ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیاست میں مجھے بند گلی میں دھکیل کر میرے راستے بند کیے جارہے تھے۔میں صدارتی وعام انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتا تھا اور استعفیٰ نہ دینے کی صورت میں آئندہ میرے لیے ضلع کونسل کے انتخابات میں ہی حصہ لینے کی گنجائش باقی رہ جاتی۔

13 مئی کے روز ہی وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان نے وزیراعظم ہاؤس مظفرآباد میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ استعفیٰ دینا سردار سکندر حیات خان کا حق تھا۔یہ بات بھی درست ہے کہ سردار سکندر حیات خان کے لئے تمام راستے بند کرنے کی کوششیں کی جارہی تھی۔جس کے باعث وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئے۔انہوں نے کہا کہا سردار سکندر حیات خان نے مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی کو اعتماد میں لے کر استعفیٰ دیا ہے۔اسی شام مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی نے وزیراعظم ہاؤس میں منعقدہ اپنے اجلاس میں سردار سکندر حیات خان کے استعفیٰ دین کے فیصلے کی حمایت کرتے ہوئے ان کو مسلم کانفرنس کا صدارتی امیدوار نامزد کرنے کے فیصلے کی توثیق کردی اور اعلان کیا کہ آزاد کشمیر کے صدارتی انتخاب میں وفاقی حکومت کی کوئی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔

صدارتی انتخاب کے شیڈول کا اعلان

ادھر سردار سکندر حیات خان کے منصب صدارت سے مستعفی ہونے کے بعد سپیکر قانون ساز اسمبلی عبدالرشید عباسی نے قائم مقام صدر کی حیثیت سے صدر آزاد کشمیر کا منصب سنبھال لیا اور آئین کے تحت بحیثیت سپیکر صدارتی انتخاب کے لئے 22 مئی 1996ء کو اسمبلی اور کونسل کا مشترکہ اجلاس طلب کرتے ہوئے چیف الیکشن کمشنر آزاد کشمیر جسٹس ریٹائرڈ سردار محمد اشرف خان کو تحریری طور پر ہدایت کی کہ وہ 22 مئی 1996ء کو صدارتی انتخاب کا انعقاد کرے جس کی روشنی میں چیف الیکشن کمشنر نے 16 مئی کو صدارتی الیکشن کے شیڈول کا اعلان کرتے ہوئے کاغذات نامزدگی جمع کرانے کی تاریخ 21 مئی اور صدارتی انتخاب کی پولنگ کے لئے 22 مئی کی تاریخ مقرر کردی۔

نئی صورتحال میں آزاد کشمیر کے لیڈروں اور وفاقی وزراء نے صدارتی انتخاب کو رکوانے کے لئے اپنی سرگرمیاں مزید تیز کردیں۔ آزاد کشمیر پی پی نے 21 مئی کو مظفرآباد میں اسمبلی سیکرٹریٹ اور وزیراعظم ہاؤس کا گھیراؤ کی کال دے رکھی تھی جبکہ وفاقی حکومت کی طرف سے صدارتی و عام انتخابات کے سلسلے میں مفاہمت کے لئے 21 مئی کو سردار سکندر حیات خان، سردار عبدالقیوم خان اور آزاد کشمیر پی پی کے دوسرکردہ لیڈروں ممتاز راٹھور اور صاحبزادہ اسحاق ظفر کو اسلام آباد میں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی جس میں پی پی کے ان دو لیڈروں اور وزیراعظم سردار عبدالقیوم خان نے تو شرکت کی لیکن سردار سکندر حیات خان نے اس میں شرکت سے بوجوہ معذوری ظاہر کردی۔ سردار عبدالقیوم خن کو وفاقی حکومت نے پیش کش کی کہ صدارتی امیدوار کی حیثیت سے سردار سکندر حیات خان کا نام واپس لے کر ان کو دستبردار کردیں اور خود صدر بن جائیں لیکن سردار عبدالقیوم خان یہ کہہ کر وفاقی حکومت کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا کہ سردار سکندر حیات خان کو دستبردار کرنے سے مسلم کانفرنس انتشار کا شکار ہو

جائے گی۔ سیاسی حلقوں نے وفاقی حکومت کی اس پیش کش کو اس کا دوہرا معیار قرار دیا اور اس رائے کا اظہار کیا کہ حکومت پاکستان نے سردار عبدالقیوم خان کو 22 مئی کے انتخاب میں صدر بننے کی پیش کش کر کے موجودہ اسمبلی سے صدر کا انتخاب کرانے کے سردار سکندر حیات خان کے مؤقف کو اصولی طور پر تسلیم کر لیا ہے جو ان کی بڑی اخلاقی فتح ہے۔ تاہم وفاقی حکومت نے صدارتی انتخاب کو روکنے کے لئے تمام حربے آزمانے کے بعد اس میں متوقع ناکامی کے پیش نظر اتمام حجت کے طور پر تعاون اور غیر جانبداری کا تاثر دینے کے لئے 30 جون کے عام انتخابات کی نگرانی کے لئے نوابزادہ نصراللہ خان کی سربراہی میں ایک اعلیٰ سطح کی کمیٹی قائم کر دی۔ لیکن سردار سکندر حیات خان اور مسلم کانفرنس کو صدارتی انتخاب میں اس وقت فیصلہ کن کامیابی حاصل ہو گئی جب 22 مئی کی صبح آزاد کشمیر ہائیکورٹ نے پیپلز پارٹی کی طرف سے صدارتی انتخاب کے خلاف دائر کردہ دونوں رٹ پٹیشنز کو مسترد کرتے ہوئے حکم امتناعی جاری کرنے کی استدعا کو بلاجواز قرار دیا اور کہا کہ استعفیٰ دینا سردار سکندر حیات خان کا آئینی اختیار تھا وہ استعفیٰ نہ بھی دیتے تب بھی ایک ماہ بعد صدر کا انتخاب یہی اسمبلی کرتی۔

صدارتی انتخاب میں دوبارہ کامیابی

عدالتی فیصلے سے پیپلز پارٹی والوں کو زبردست مایوسی ہوئی اور اس سے اگلے روز کی اسمبلی سیکرٹریٹ کے گھیراؤ کی کوشش میں ناکامی کے باعث اس کی عوامی طاقت کا پول بھی کھل گیا جبکہ اس صورتحال نے مسلم کانفرنس کا مورال بہت بلند کیا۔ 22 مئی کے صدارتی انتخابات میں سردار سکندر حیات خان کی بلامقابلہ بھاری اکثریت سے کامیابی کے باعث ساری مسلم کانفرنس میں ایک نئے عزم، جوش، ولولے اور اتحاد و یکجہتی کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی اور اس صورتحال نے عام انتخابات میں مسلم کانفرنس کی شاندار کامیابی کی راہ بھی ہموار کر دی۔ 23 مئی کو نو منتخب

صدر کی حیثیت سے جلال آباد گارڈن کے سبزہ زار میں سردار سکندر حیات خان کی حلف برداری کی عظیم الشان تقریب کا تاریخی منظر جس میں چند گھنٹے کے نوٹس پر مسلم کانفرنس سمیت تمام جماعتوں اور مکاتب کفر کی ممتاز شخصیات نے جس مسرت واطمینان کے ساتھ اس قدر بڑی تعداد میں شرکت کر کے سردار سکندر حیات خان کے انتخاب کا خیر مقدم کیا۔ اس سے بھی ان کی صدارتی انتخاب کے معرکے میں کامیابی کے سیاسی اور عوامی سطح پر انقلابی اثرات کی حقیقی تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ اس تقریب میں وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان' آزاد کشمیر کابینہ وقانون ساز اسمبلی' کشمیر کونسل کے ارکان اور مسلم کانفرنس کے سینکڑوں بزرگ رہنماؤں وکارکنوں کے علاوہ جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے امیر عبدالرشید ترابی' لبریشن لیگ کے سربراہ عبدالحمید ملک سمیت آزاد کشمیر اور پاکستان سے ہزاروں افراد نے شرکت کر کے سردار سکندر حیات خان کو دوبارہ منصب صدارت سنبھالنے پر مبارکبادیں دیں۔ آزاد کشمیر کے بانی صدر سردار محمد ابراہیم خان نے صدارتی انتخاب پر تبصرہ کرتے ہوئے روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے اپنے 8 جون کے انٹرویو میں کہا کہ سلطان محمود صدارتی انتخاب کے خلاف عوامی انقلاب کیا پانچ سو افراد بھی اکٹھا نہیں کر سکے۔ صدارتی انتخاب جیت کر مسلم کانفرنس نے عام انتخابات میں 50 فیصد کامیابی حاصل کر لی ہے۔

سردار سکندر حیات خان کے اچانک استعفیٰ اور صدارتی انتخاب میں اس زبردست کامیابی کے باعث آزاد کشمیر پی پی اور وفاقی حکومت پر سیاسی اور نفسیاتی طور پر زبردست دباؤ پڑا۔ پی پی کی صفوں میں مایوسی اور شکست وریخت کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ ممتاز راٹھور کے ہمراہ پی پی کے سات ارکان اسمبلی نے احتجاجاً اپنے استعفے سپیکر کو پیش کر دیئے اور پی پی والوں نے اپنی روایتی سوچ کا مظاہرہ کرتے ہوئے سردار سکندر حیات خان کے حق میں عدالتی فیصلے

کے باوجود اپنے بلند و بانگ دعووں اور دھمکیوں کی روش کو جاری رکھا۔وزیر اعظم بے نظیر بھٹو جو پی پی پی کی چیئرپرسن بھی ہیں نے آزاد کشمیر پی پی کے لیڈروں پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے سردار محمد ابراہیم خان کو انتخابات میں حصہ لینے کی درخواست کی۔ممتاز راٹھور' سلطان محمود اور اسحاق ظفر اور اسلام آباد طلب کر کے سخت ڈانٹ پلائی اور ممتاز راٹھور کی پاکستان پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کی رکنیت ختم کر دی گئی۔جس سے پی پی واضح طور پر کئی گروپوں میں بٹ گئی۔

بے نظیر بھٹو نے 30 مئی کی شام سردار سکندر حیات خان کے ساتھ اسلام آباد میں ملاقات کے دوران کہا کہ انہیں صدارتی انتخاب کے سلسلہ میں صحیح طور پر آئینی پوزیشن سے آگاہ نہیں کیا گیا۔انہوں نے سردار سکندر حیات خان کے انتخاب کو آئینی طور پر درست تسلیم کرتے ہوئے انہیں مبارکباد دی اور کہا کہ یہ آپ کے نصیب کی بات ہے کہ آپ دوبارہ صدر منتخب ہو گئے۔جبکہ 3 جون کو اسلام آباد میں منعقدہ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں سردار عبدالقیوم خان کی تحریک پر سردار سکندر حیات خان کو صدارتی انتخاب میں کامیابی پر ایک متفقہ قرارداد کے تحت مبارکباد دی گئی اور اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ سردار سکندر حیات خان کی بصیرت' مدبرانہ حکمت عملی اور خداداد صلاحیتوں کے باعث مسلم کانفرنس نے صدارتی انتخاب جیتا جو عام انتخابات میں اسکی کامیابی کے لئے ایک سنگ میل ثابت ہوگا۔

آزاد کشمیر کے صدارتی انتخاب کے سلسلے میں سردار سکندر حیات خان کے اصولی مؤقف' وفاقی حکومت کی آزاد کشمیر کے معاملات میں بے جا مداخلت اور اس کے کشمیر کاز و ملکی سیاست پر مضر اثرات کے بارے میں پاکستان کے ممتاز صحافی مجیب الرحمٰن شامی نے روزنامہ جنگ کے 17 مئی 1996ء کی اشاعت میں ''آزاد کشمیر کی آزادی'' کے عنوان سے جو فکر انگیز کالم تحریر کیا ہے اس کے مطالعہ سے اس سلسلے میں صحیح صورتحال کی تصویر کشی ہوتی ہے۔کالم

ملاحظہ کیجئے:۔

آزاد کشمیر کی آزادی:

آزاد کشمیر کے صدر سردار سکندر حیات نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے کر یہ بحث ختم کر ڈالی ہے کہ موجودہ اسمبلی کو نئے صدر کا انتخاب کرنا چاہئے یا نہیں۔ آئینی اور قانونی معاملات کو اٹھانے اور نکتے میں سے نکتہ نکالنے والے بغلیں جھانکتے رہ گئے ہیں اب آئین کے تحت واحد راستہ یہ ہے کہ نیا صدر چنا جائے اور ایک ماہ کے اندر اندر چنا جائے۔ اسمبلی کے سپیکر نے قائم مقام صدر کا عہدہ سنبھال کر اعلان کیا ہے کہ وہ آئندہ چند روز کے اندر اندر صدارتی انتخاب کرا گزریں گے۔ الیکشن کمیشن کو اس کے لئے واضح ہدایات جاری کر دی گئی ہیں۔

سردار عبدالقیوم اور مسلم کانفرنس کے مخالفین کے سامنے اب یہی راستہ رہ گیا ہے کہ وہ وفاقی حکومت کو اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرنے پر مجبور کریں اور آزاد کشمیر اسمبلی کو توڑ ڈالا جائے۔ اگر ایسا ہوا تو تحریک آزادی کشمیر کو نقصان پہنچے گا اور کشمیریوں کے نزدیک پاکستان کی اخلاقی حیثیت اور ساکھ متاثر ہو گی۔ پاکستان اور کشمیر کے مستقبل کو ایک دوسرے سے الگ کرنے والے عناصر کی بن آئے گی اور ان کی زبانوں کو یہ زہر اگلنے کا موقع مل جائے گا کہ بھارت اپنے مقبوضہ کشمیر میں جعلی انتخابی عمل کے نام پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتا ہے تو پاکستان کے زیر انتظام کشمیر بھی آزاد نہیں ہے۔ یہاں کشمیری قیادت کی نہیں پاکستان کی مرضی چلتی ہے۔ کشمیر کے انتخابات کو متاثر کرنے اور اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا گیا ہے۔

وفاقی حکومت پر آزاد کشمیر کی ایک رکنی، دو رکنی اور سہ رکنی جماعتیں زور ڈال رہی ہیں کہ وہ سردار عبدالقیوم کے سامنے میدان میں نکل آئے۔ چند افراد کی خوشنودی کے لئے اگر اس

نے کوئی اقدام کیا تو کی سزا کشمیر اور پاکستان کے کروڑوں لوگوں کو بھگتنا پڑے گی۔ بے یقینی اور افراتفری کے سائے لمبے ہوں گے اور خدا معلوم حالات کا دریا کس طرف بہہ نکلے۔

اسے ایک دلچسپ لطیفہ ہی کہا جائے گا کہ وفاقی حکومت اور اس کے حواری یہ سارے پاپڑ سردار سکندر حیات کی صدر بننے سے روکنے کے لئے بیل رہے ہیں۔ وہ آزاد کشمیر کو سردار عبدالقیوم کی قیادت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ سردار سکندر حیات وہی ہیں جن کے گرد چند ماہ پہلے تک مسلم کانفرنس کے مخالفین اس طرح جمع تھے جیسے مکھیاں شہد کے چھتے پر جمع ہوتی ہیں۔ وہ سردار صاحب کے ذریعہ مسلم کانفرنس کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں تھے۔ سردار سکندر حیات جب ان کے بھرے میں نہیں آئے تو ان کے خلاف محاذ بنا لیا گیا۔ بے نظیر حکومت بھی اس میں شریک ہو گئی۔ اس نے اپنی بی ٹیم (چٹھہ لیگ) کے ذریعے مسلم کانفرنس کے چند ارکان کی وفاداریوں کا سودا کر لیا۔ انہوں نے فارورڈ بلاک بنا کر کشمیر کی سیاست کو ''بیک ورڈ'' بنا ڈالا۔

پاکستانی حکومت کی تو خواہش اور کوشش یہ ہونی چاہئے تھی کہ سردار سکندر حیات جیسا سرد و گرم چشیدہ شخص آزاد کشمیر کی سربراہی کا منصب سنبھالے۔ اس پائے کے سیاستدان ہیں کہ اگر نئی دہلی کی طرف ایک نظر بھی ڈال لیں تو وہ مقبوضہ کشمیر کی حکومت ان کے قدموں میں ڈال دے اور اس پر اپنے بتوں کے حضور شکر کے سجدے کر کر کے اپنی پیشانی کا رنگ بدل لے۔ یہ بات صرف ایک حقیقت کا اظہار کرنے کے لئے لکھی ہے۔ الحاق پاکستان سردار سکندر کے عقیدے کا جز ہے۔ یہ ان کے لئے کوئی سیاسی مفاد پرستی نہیں ہے۔ یہ مثال دینے پر میں سردار صاحب سے معذرت خواہ ہوں اور اپنے آپ سے بھی۔ حالات کو واضح کرنے کے لئے یہ پیرایہ اظہار ضروری تھا تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ جس شخص کی راہ کھوٹی کرنے کے لئے اسلام آبادی حکومت الٹی سیدھی حرکتیں کر رہی ہے۔ کشمیری سیاست میں اس کی حیثیت اور

قدر و منزلت کیا ہے۔

جہاں تک سردار عبدالقیوم کا تعلق ہے یہ بات پاکستان اور کشمیر کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ کشمیر کے مقبول ترین اور مضبوط ترین سیاسی رہنما ہیں۔ ان کی جڑیں عوام کے اندر اتنی گہری ہیں کہ نہ تو انہیں اکھاڑا جا سکتا ہے نہ کاٹا جا سکتا ہے۔ سردار صاحب اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے خیالات اور معاملات میں جتنا بھی فاصلہ ہو کشمیر اور پاکستان کے مفادات کے حوالے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ الجھنے سے گریز کرنا ہوگا۔ مسلم کانفرنس اور پیپلز پارٹی کا نہیں حکومت آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان کا معاملہ ہے اور اسے اسی تناظر میں دیکھنا ہوگا۔ پاکستان کی حکومت اگر مظفر آباد کی حکومت کو نشانہ بنائے گی تو اسے محترمہ بینظیر کا ذاتی معاملہ قرار دے کر چپ نہیں رہا جا سکتا۔

پاکستان کے مفاد کا تقاضا ہے کہ وفاقی حکومت آزاد کشمیر کے معاملات میں کوئی دخل اندازی نہ کرے۔ آئین کے مطابق معاملات کو چلنے دے۔ اگر اسے آئین کی کسی دفعہ کے تحت آزاد کشمیر اسمبلی کو توڑنے کا اختیار حاصل ہے تو یہ نہ بھولے کہ یہ غیر معمولی اختیار غیر معمولی حالات ہی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت آزاد کشمیر میں کوئی بحران نہیں ہے۔ حالات معمول کے مطابق چل رہے ہیں۔ جناب نواز شریف نے اپنی وزارت عظمٰی کے دوران پنجاب کی صوبائی انتظامیہ کو اپنے کنٹرول میں لینے کے لئے پارلیمان سے جو قرارداد منظور کرائی تھی وہ بھی آئین کے مطابق ہی تھی۔ میاں محمد اظہر کو ایڈمنسٹریٹر آئین کے مطابق ہی مقرر کیا گیا تھا لیکن صدر غلام اسحٰق اور فوجی قیادت نے اسے نافذ نہ ہونے دیا اور دستور کی دفعہ 234 کو ایک نظر پڑھنے کی تکلیف کو بھی گوارا نہیں کیا۔ اب تو معاملہ آزاد کشمیر کے آئین کا ہے اور آزاد کشمیر پاکستان کا زیر انتظام آزاد علاقہ ہے، اس کا کوئی صوبہ یا ڈویژن نہیں ہے۔"

30 جون 1996ء کے عام انتخابات
اور مسلم کانفرنس کی ناکامی

آزاد جموں و کشمیر میں 30 جون 1996ء کو جماعتی بنیادوں پر ہونے والے عام انتخابات آزاد کشمیر کے ماضی کے انتخابات کے مقابلے میں اس اعتبار سے مختلف اور انتخابی نتائج حیران کن ہیں کہ مسلم کانفرنس کی سردار قیوم حکومت کی زیر نگرانی ہونے والے ان انتخابات میں ریاست جموں و کشمیر کی سب سے پرانی اور بڑی جماعت مسلم کانفرنس کو انتخابات میں پہلی مرتبہ ایسی بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

مسلم کانفرنس کو 1947ء سے قبل ڈوگرہ دور میں بھی یہ منفرد اعزاز حاصل رہا ہے کہ اس جماعت کو اس طرح کی انتخابی شکست کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا اور ریاست کے ایک حصے آزاد کشمیر کی اکتوبر 1947ء میں آزادی کے بعد آزاد علاقے میں 1970ء اور اس کے بعد بالغ رائے دہی کی بنیاد پر جب بھی جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات ہوئے، مسلم کانفرنس ہر دور میں واحد اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے کامیاب ہوئی۔ لیکن 30 جون 1996ء کے انتخابات میں مسلم کانفرنس کو جس انداز سے شکست ہوئی اس میں دیگر اسباب کے علاوہ سب سے بڑی وجہ سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان کے درمیان گزشتہ کافی عرصہ خاص کر دسمبر 1990ء سے بعض سیاسی اور جماعتی امور پر پائے جانے والے اختلافات تھے جو اس وقت کھل کر سامنے آگئے جب سردار عبدالقیوم خان اور پی پی پی کے وزیر اعظم ممتاز راٹھور کے گٹھ جوڑ کے تحت پی پی پی مسلم کانفرنس انتخابی اتحاد کا منصوبہ بنایا گیا اور سردار عبدالقیوم خان کے بڑے بیٹے سردار خلیق کو ممتاز راٹھور کا مشیر مقرر کیا گیا جس کے خلاف سردار سکندر حیات خان نے کوٹلی کے ایک جلسہ عام میں آواز بلند کی۔ اور اس کے دوسرے روز راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس

میں راٹھور قیوم گٹھ جوڑ اور دونوں کی ملی بھگت سے اپنی کردار کشی کی مہم کے پس پردہ مقاصد کو بے نقاب کیا۔

سردار سکندر حیات خان اور سردار عبدالقیوم خان کے اختلافات کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ اس کی حقیقت کیا تھی؟ اس کا صحیح اندازہ سردار عبدالقیوم خان کی طرف سے سردار سکندر حیات خان کے نام تحریر کردہ 5 دسمبر 1990ء کے خط کے جواب میں سردار سکندر حیات خان کے 6 دسمبر 1990ء کو 4 صفحات پر مشتمل سردار عبدالقیوم خان کو لکھے گئے ایک خط سے بھی ہوتا ہے۔

سردار سکندر حیات خان کے خط کے مندرجات کو سامنے رکھتے ہوئے اگر 1996ء کے انتخابات میں مسلم کانفرنس کی افسوسناک شکست کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ جماعت میں سردار عبدالقیوم خان کے زیر سایہ ان کے بیٹے اور ان کے ساتھیوں نے سردار سکندر حیات خان کی ذات اور دیگر جماعتی امور کے سلسلے میں 1985ء میں مسلم کانفرنس کی حکومت کے قیام کے بعد جس انداز سیاست کا آغاز کیا تھا اور 1990ء تک اور اس کے بعد پھر سردار عبدالقیوم خان کے دور حکومت میں بھی جس انداز سے ان کی کارروائیوں کا دور دورہ رہا مسلم کانفرنس کو 1996ء کے انتخابات میں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا یہ اس کا منطقی انجام تھا۔ دونوں رہنماؤں کے خطوط کا متن درج ذیل ہے۔

سردار سکندر حیات خان کے نام

سردار عبدالقیوم خان کا خط

اور

سردار سکندر حیات خان کا سردار عبدالقیوم خان

کے نام جوابی خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایوان صدر

مظفر آباد

مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگر اخباری اطلاعات غلط نہیں ہیں تو آپ نے جو چند باتیں اپنے حالیہ بیانات میں کہی ہیں وہ یہ ہیں۔

(الف) ممتاز راٹھور کو میری حمایت حاصل ہے ورنہ اس کی حکومت ایک ماہ میں ختم ہو سکتی ہے۔

(ب) میں اپنے بیٹے عتیق احمد کو وزیر اعظم بنانا چاہتا ہوں۔

(ج) ممتاز راٹھور کے ساتھ میری ملی بھگت ہے۔

(د) جماعتی اور سرکاری عہدوں کو علیحدہ کیا جائے۔

(ر) احتساب کے بہانہ سے آپ کی کردار کشی کی جارہی ہے اور یہ کہ میں بھی اس میں ملوث ہوں۔

(ز) اس سے پہلے کوٹلی میں ایک جلسے میں آپ نے کہا تھا کہ ہم لوگ حکومت بنا سکتے تھے مگر وہ نہیں بنائی گئی۔ آپ کا روئے سخن یقیناً میری طرف ہوگا۔ اس جلسے میں عتیق احمد کے کردار کے بارے میں بھی کافی کچھ کہا گیا تھا جس کا ہلکا سا جواب میں نے اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے دیا تھا۔

(س) آپ نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ میں نے حکومت سازی کے وقت تین ووٹ پی پی

کو دلوا کر ان کی حکومت بنوائی تا کہ صدارتی انتخابات میں پی پی مجھے چار ووٹ دے۔

(ش) ممتاز راٹھور نے اکتوبر میں مجھے 10 لاکھ روپے زکوٰۃ کی رقم میں سے دیئے ہیں وغیرہ۔

اخباری بیان بازی کے بعد خط و کتابت کا مرحلہ اگرچہ نہیں رہتا مگر میری اپنی مجبوری ہے۔ یہ آپ کے علم میں ہے کیونکہ میں نے خود بھی اس کا ذکر کیا تھا کہ گزشتہ سالوں میں کئی بار میں نے آپ کو خط لکھنا چاہا اور لکھا بھی مگر وہ ضائع کر دیا۔ آپ کے ساتھ جو تعلق رہا ہے۔ محض اس کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کو مختصر سا خط لکھوں۔ آپ کے ساتھ تعلق میرے اپنے خیال ہیں جہاں جماعتی رہا ہے۔ وہاں نہایت قریبی اور ذاتی بھی رہا ہے۔ اگر آپ نے کسی بھی امر کا لحاظ نہیں رکھا تو میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میرا اپنا ایک مزاج، عقیدہ، سوچ اور طریق کار ہے۔

اگر تو آپ ذہنی طور پر کوئی فیصلے کر چکے ہیں جیسا کہ آپ کے بیانات سے پتہ چلتا ہے تو دوسری بات یہ ہے۔ میرے بارے میں گزشتہ سالوں میں آپ نے کئی بار قابل اعتراض اور تنقیدی بیانات دیئے ہیں جبکہ پرائیویٹ محفلوں میں تو جو کچھ کہا سنا جاتا رہا وہ اپنی جگہ ہے تاہم اس ضمن میں ایک تو میں اپنی پوزیشن واضح کرنا چاہتا ہوں اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی غلط فہمی ہے ہوں کہ وہ سب کے سب بالا استثنٰی یا تو مفروضے ہیں یا غلط اطلاعات پر مبنی ہیں۔ اور مجھے افسوس ہے کہ پانچ سال وزیراعظم رہنے کے باوجود آپ کی اطلاعات کا یہ عالم ہے تو ہم اور کسی سے بہتری کی توقع کر سکتے ہیں۔ میں خدا کے بھروسے پر پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کے جب آپ کی آنکھ کھلے گی یعنی ان معاملات کی اصل حقیقت آپ کو معلوم ہو گی تو یقیناً آپ کو اس طرز عمل پر قلبی افسوس ہو گا۔ مگر اس کا وقت ہو گا نہ فائدہ۔

میں یہ باتیں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ جماعت کے کارکنوں کے علاوہ ہم دونوں اس پورے ملک وقوم کے سامنے جواب دہ ہیں۔ آپ چاہتے نہ ہوں مگر میں تو بہر حال چاہتا ہوں۔ سردار صاحب اگر میری موت کے سالہا سال بعد بھی میری کوئی بات غلط ہوئی تو میری قبر سے بھی موخذہ کیا جانا چاہے۔ میں نہ اللہ کے فضل سے نہ تو آپ کے ضمن میں کوئی بد دیانتی کی ہے نہ جماعت اور قوم کے ضمن میں۔ اس کے لئے میں خداوند عالم کے سامنے بھی حاضر ہوں میرا ضمیر مطمئن ہے۔ یوں تو آپ نے کبھی بھی مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ میں آپ کو کوئی مشورہ دوں لیکن اگر آپ میں مشورہ سننے کی صلاحیت ابھی باقی ہے تو میرا نہایت ہی ہمدردانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ کو صحیح بات سمجھنے کی توفیق حاصل ہو یہ مشورہ ایک بھائی کا بھی ہے، واقف حال کا بھی اور جماعتی ہمدردی کا تقاضا بھی یہی ہے۔

میں ایک بار پھر یہ کہتا ہوں کہ آپ نے میری ذات کے خلاف لگائے الزامات میں سے کسی ایک کی بھی صداقت ثابت ہو جائے تو میں انشاء اللہ اپنے جرم کی ہر ممکنہ تلافی کرنے کا ذمہ دار ہوں گا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں تو اس کا ازالہ بھی ہو سکے علاوہ ایک امر یہ بھی ہے کہ اس تمام الزام تراشی کے باوجود اس معاملہ کو اگر آپ طے کرنا چاہیں تو اس کے لئے دو باتیں ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ اس معاملہ کو آپ اور میں دونوں اللہ کی بڑی عدالت کے سپرد کر دیں اور سب کچھ اس پر چھوڑ دیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو جماعتی طور پر طے کریں یعنی جماعت کے اندر جو ادارے ہیں وہ یقیناً جماعت کے مخلص کارکنوں پر مشتمل ہیں سب کے سامنے ان معاملات کو رکھا جائے اور پھر جو فیصلہ وہ کریں اول الذکر میں نے تو پہلے ہی اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا کیونکہ وہی ہمارے اندر اور باہر کا صحیح واقف ہے۔ اور قدرت والا ہے اور وہی فیصلہ کرے گا۔

اگر میں نے آپ کے معاملہ میں کسی قسم کی ادنیٰ سی بھی بدنیتی سے کام لیا ہے تو وہ میرے ذمہ ہے اور اپ نے جو کیا وہ آپ جانیں اور خدا جانے۔ جہاں تک جماعت کا تعلق ہے تو مجھے خوشی ہوگی کہ جماعت کے تمام کارکنوں کو براہ راست ان تمام امور سے واقف کروایا جائے۔ اگر ہم لوگوں کا کردار واقعی ایسا ہی ہے تو آپ جو مرضی ہے کریں لیکن مجھے تو حق نہیں رہتا کہ خدا کا بھی اور عاوم کا بھی مجرم بنوں۔ اس کے لئے جماعت کی جنرل کونسل ہے، مجلس عاملہ ہے، پارلیمانی پارٹی ہے۔ اور مرکزی عہدہ داروں کی مجلس ہے۔ ان سب کو اکٹھا بھی کیا جا سکتا ہے۔ رئیس الاحرار کی برسی 18 دسمبر کو ہورہی ہے 19 دسمبر کو مجلس عاملہ کا اجلاس بلا رہا ہوں اس میں سیر حاصل گفتگو ہو جائے تو اچھا ہے۔

جہاں تک مجھ پر لگائے گئے الزامات کا تعلق ہے۔ میں یکبارگی یہ کہتا کہ جب غصہ ٹھنڈا ہو اور آپ اطمینان کے ساتھ اس معاملے پر پھر سے غور کریں تو یہ معاملہ جماعت کے سامنے پیش کریں جو فیصلہ جماعت کرے سب کو اسے صمیم قلب سے تسلیم کر لینا چاہیے۔ میں تو انشاءاللہ ہر صورت اسے تسلیم کرلوں گا۔

والسلام

مخلص

(سردار محمد عبدالقیوم خان)

سردار سکندر حیات خان

سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سردار سکندر حیات خان

سابق وزیر اعظم آزاد جموں و کشمیر

مکرمی سردار صاحب

السلام علیکم

مجھے از حد افسوس ہے کہ میں آپ کے خط کے جواب میں کچھ گزارشات کر رہا ہوں۔ شاید اب بھی میں حجاب کی دیواریں نہ توڑتا۔ لیکن آپ نے خط لکھ کر مجھے بھی جواب پر مجبور کیا ہے۔ اس لئے کہ آپ ہمیشہ خط و کتابت کے ذریعے ریکارڈ پر رہتے ہیں۔ اور ایک وقت میں وہ خط و کتابت یا تو عوام میں تقسیم کرتے ہیں۔ یا اخبارات میں شائع کروا دیتے ہیں۔ اگر میں ان امور کا جواب نہ دوں تو کل ہی آپ کی طرف سے یہ محبت نامہ چارج شیٹ کی شکل میں اخبارات کی زینت بن جائیگا۔

سردار صاحب! میں ایک گنہگار اور کمزور آدمی ہوں۔ پارسائی کا دعویٰ نہیں عقل کل کا جنوں ذہن کے کسی گوشے میں نہیں اور نہ ہی سیاسی زندگی میں بلا استحقاق کوئی سیاسی عزائم تھے میں ایک سیاسی کارکن ہوں باقی سب اللہ تعالیو کی ذات کی عنایت۔ البتہ اپنی عزت نفس جو زندگی کا اثاثہ رہا ہے اس پر جب مخصوص مفادات کے تحت لوگوں نے ضرب لگانا شروع کی تو آپ کے بچے اور ان کے ساتھ اس میں اہم کردار کرتے ہوئے نظر آئے ان کو نہ روکا گیا نہ ٹوکا گیا اس سے دو ہی نتیجے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یا تو خدانخواستہ آپ کی ان کو اشیر باد حاصل ہے یا آپ شفقت پدری کے ہاتھوں اتنے بے بس ہو چکے ہیں کہ ان کے سوا باقی ساری دنیا آپ کو ہیچ نظر آنے لگی ہے۔

یہ تفصیل اتنی لمبی ہے کہ ضبط تحریر میں لانا محال ہے۔ بہر حال پانچ سال تک میں اس آگ میں جلتا رہا۔ اقتدار کے روز اول سے کبھی میرے ڈرائیور پر کبھی سکیورٹی افسر پر اور کبھی

خانساماں جیسے چھوٹے ملازم پر بھی مجھے قدرت نہ رکھنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ میں نے وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہونے سے قبل بھی اور بعد بھی متعدد بار آپ سے گذارش کی کہ یہ منصب آپ اولاد خود یا کسی دوسرے کے حوالے کریں۔ 1986ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی تو اسلام کی سربلندی کشمیر کی آزادی کے بعد جو تیسری خاہش کی وہ اقتدار سے علیحدگی تھی۔ اس امر سے میرے ساتھ گئے ہوئے ساتھی گواہ ہیں۔ اس وقت مجھے اقتدار میں آئے ہوئے ابھی آٹھ نو مہینے ہی گزرے تھے۔ اور آخری بار انتخابات سے قبل جب روزہ مبارک کی زیارت نصیب ہوئی جو جماعت کی کامیابی کی دعا کی تو ساتھ ہی اس بات کا دل میں اس مقدس مقام پر عہد کیا کہ اقتدار میں حصہ دار نہیں بنوں ں گا۔ بے نظیر کی اس پیش کش کو بھی جماعت کے لئے وقف کیا اور آخر اقتدار سے الگ ہو گیا۔ اب بھی اگر کوئی یہ باور کرے کہ میں اقتدار کا خواہش مند ہوں تو میں بھی یہ معاملہ اللہ پر چھوڑتا ہوں۔

آپ تو اللہ والے ہیں لیکن آخر ہم گنہگاروں کا بھی تو وہی مالک ہے۔ آپ نے خط میں اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ میں نے کبھی بھی آپ کا کوئی مشورہ قبول نہیں کیا۔ سردار صاحب! یہ زیادتی ہے۔ اگر میری طبیعت میں مشورہ قبول کرنے کا مادہ نہ ہوتا یا آپ کو ایک بزرگ سیاستدان گردانتے ہوئے آپ کی بات پر یقین نہ کرتا تو یہ 1970ء سے لے کر 1990ء کا زمانہ کس طرح گزرتا۔

جب آپ نے فرمایا کہ ذوالفقار علی بھٹو گھانسی رام کا بیٹا ہے تو اس پر یقین کر لیا اور کچھ ہی عرصہ بعد جب آپ نے راولاکوٹ اور دیگر مقامات پر جلسہ عام میں خود اٹھ کر بطور صدر حکومت یہ نعرے لگوائے کہ پاکستان کی عظمت کا نشان بھٹو تو میں نے بھی باقی عقیدت مندوں کی طرح زندہ باد کہنا شروع کر دیا۔

جب آپ نے فوجی جرنیلوں کو کہا کہ اگر میں یہ ملک آزاد نہ کرواتا تو یہ جرنیل آج اندرا گاندھی اور ہندوؤں کی جوتیاں صاف کرتے ہوتے ۔ حتیٰ کہ جب آپ نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کو منافق اعظم کہنا شروع کیا تو میں نے اتنا ضرور کہا کہ آپ جیسے شخص کو یہ باتیں زیب نہیں دیتی ہیں پھر آپ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے مرشد بن گئے ہیں ۔ تو پہلے ہی آپ کے مریدوں میں تھا ۔ البتہ آپ کو پیرومرشد بنانے میں میرا خاصا دخل تھا اور 1985ء کے آزاد کشمیر کے صدارتی انتخابات میں میں نے جنرل ضیاء الحق صاحب سے ذاتی درخواست کی تھی کہ وہ آپ کو آزاد کشمیر کے صدر کے طور پر دلی رنجش بھول کر قبول کر لیں ۔ اللہ جنرل صاحب مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے ۔ جنہوں نے مجھ ناچیز کی یہ خواہش اور درخواست قبول کر لی تھی ۔

پھر جونیجو صاحب کا دور آیا وہ مسلم لیگ کے صدر بھی تھے اور وزیراعظم پاکستان بھی آپ ان سے بھی الجھ پڑے اور میری موجودگی میں ان سے کہا کہ آپ مرکزی حکومت کے رویہ کے خلاف احتجاجاً استعفیٰ دینا چاہتے ہیں آپ کو یقیناً یاد ہوگا کہ میں نے اس موقع پر مداخلت کرتے ہوئے گزارش کی تھی کہ آپ اکیلے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ آپ ایک جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اس پر معاملہ رفع دفع ہوا ان کے جانے کے بعد آپ نے ان کو آم بیچنے والا ان کے ساتھیوں چودھری نثار علی' چودھری شجاعت اور ملک محمد نعیم وغیرہ کو میونسپلٹی کمیٹی کے ممبران سے بھی کم اہلیت کے افراد قرار دیا میں ان خیالات پر بھی چپ رہا ۔ حالانکہ میں اس وقت اپنی جماعت کا صدر تھا ۔

آپ کہتے ہیں کہ میں نے مشورہ قبول نہیں کیا آپ مسلم کانفرنس کو ایم آر ڈی میں لے گئے ۔ میں نے اس خیال سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی اف تک نہ کی ۔ بہرحال یہ تمام واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ کا الزام صحیح نہیں ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ

نے کبھی بھی جماعتی لوگوں کے مشورہ کو قبول نہیں کیا۔ صرف تقاریر کی سماعت پر ہی اتفاق کیا اس لئے میں نے 1988ء میں جماعتی صدارت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ دستور اور آئین کے مطابق اس وقت صدر جماعت کے طور پر میرا انتخاب ہوا تھا۔

سردار صاحب! میں بڑے ادب سے آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ دس سال تک مجھے صدر جماعت کے طور پر کیوں قبول کیا جاتا رہا بلکہ اس صدارت کو قبول کرنے کے لئے آپ کی طرف سے مجھ پر مسلسل دباؤ ڈالا جاتا رہا۔ میں محض آپ کی خواہش کے احترام اور وفاداری کی خاطر سر تسلیم خم کرتا رہا میں 1971ء سے 1975ء تک آپ کے ساتھ حکومت میں بھی رہا اور اسمبلی میں قائد ایوان بھی یہ کیا وجہ ہے کہ سارا عرصہ تو میں ٹھیک رہا۔ لیکن ماضی قریب میں اچانک مجھ میں ساری خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اس عرصہ میں! میں علیل تھا۔ بیمار تھا۔ دل کے آپریشن تک کے مرحلہ سے گزرا میری معذوری کی درخواست پر آپ ہمیشہ مجھے ناگزیر کہتے رہے۔

آپ نے مجھے حکومت کے دوران کی کارکردگی پر اللہ سے معافی مانگنے کا قیمتی مشورہ دیا ہے سردار صاحب! میرا دل، دماغ اور ضمیر حکومت کے دوران کی کارکردگی، پر مطمئن ہے۔ ہاں اگر آپ کے نزدیک میری یہ تینوں چیزیں ناقص ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ہیں۔ میرا اس پر بس نہیں ویسے جیسے کہ پہلے گزارش کی ہے اپنی زندگی کی ہر کوتاہی پر معافی کا اللہ تعالیٰ سے خواہستگار ہوں۔

آپ نے خط کے شروع میں مجھ سے منسوب جن آٹھ باتوں کا ذکر کیا ہے ان میں دو تین درست نہیں ہیں۔ خاص طور پر یہ کہ میں نے کہا کہ آپ نے پی پی کو تین ووٹ دلوا کر ان سے چار ووٹ حاصل کئے ہیں بقیہ باتیں جماعت کے وسیع تر مفاد سے تعلق رکھتی ہے اور مجھے ہی ان کا کیا جماعت کے ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی رائے دے۔ تنقید کرے اور اصلاح

احوال کی کوشش کرے میں نے اس جذبہ کے تحت یہ باتیں کی ہیں اور وہ بھی جب میں نے چار پانچ ماہ کے صبر آزما انتظار کے بعد محسوس کیا کہ اصلاح کے تمام دروازے بند کئے جا رہے ہیں اور آپ نا تجربہ کار کم عمر بچوں کے چنگل میں پھنسے جا رہے ہیں۔

مسٹر راٹھور کے متعلق آپ کے شروع سے ہی خیالات سے میں واقف ہوں۔ کیونکہ وہ بھی 1970ء میں ہمارا ساتھی تھا۔ آپ نے اسے نا قابل اعتبار اور بد کردار جانا۔ حالانکہ اس بات سے میں اور راجہ آزاد خان مرحوم سابق (ایم ایل اے) آپ سے ہمیشہ جھگڑا کرتے رہے۔ پھر اس کے خلاف کے موقع پر آپ نے کچھ لکھا اور کہا وہ نہ صرف اخبار امیں موجود ہے بلکہ سرکاری فائل بھی آپ کے ان خیالات اور میری اس بات کی گواہی دیتی ہے۔ آج آپ کو وہی شخص اچھے روپ میں نظر آ رہا ہے۔ حالانکہ اس کے ہاتھوں مسلم کانفرنس کے کارکن ہر جگہ انتقال کا نشانہ بن رہے ہیں مسٹر راٹھور کی زبان سے بھی میں نے کچھ عرصہ پہلے تک آپ کی بات بھی خیر کے کلمات نہیں سنے۔

ورکنگ کمیٹی یا کوئی بھی فورم مجھے قبول ہے بشرطیکہ آپ اپنے معمول سے ہٹ کر صبر و تحمل سے کام لیں اور بات سننے کی قوت برداشت پیدا کریں۔ آخر میں پورے خلوص نیت سے یہ گزارش کروں گا کہ میں مسلم کانفرنس کا صدر بھی رہ چکا اور وزیر اعظم بھی۔ آئندہ خرابی صحت اور دیگر متذکرہ وجوہات کی بنیاد پر کسی چیز کا اپنے طور پر خواہش مند بھی نہیں۔ تو میری نیت پر کیوں شک کیا جا رہا ہے اور میرے مخالفین کو کیوں شہ دی جا رہی ہے۔ جو ہو سکتا ہے غیر ارادی ہی ہو۔ میں آپ کے اس خیال کی نفی کرتا ہوں کہ شاید میں نے کوئی ذہنی فیصلہ کر لیا ہے۔ ذہنی فیصلہ کا لفظ استعمال کر کے آپ نے میری ان تمام قربانیوں کو یکسر بھلا دیا ہے جو میں نے جوانی کے بیس قیمتی سالوں میں پیش کی ہیں ذرا 1978ء اور اس کے بعد کے دور پر آنکھیں بند

کر کے غور کریں اس سارے عرصے میں آپ کو دائیں بائیں اور آگے پیچھے جو بھی تصویریں نظر آئے گی وہ صرف اور صرف سکندر حیات خان کی ہوں گی۔ حالانکہ اقتدار کی منزل کا اس وقت دور دور تک سایہ نہ تھا۔ آج آپ صاحب اقتدار بھی ہیں اور جماعت کے صدر بھی مجھے انشاءاللہ کوئی یہ طعنہ نہ دے سکے گا کہ میں نے اپنے خیالات کا اظہار ایسے وقت میں کیا ہے جب آپ کسی آزمائش میں ہیں۔

میں جماعت اور صرف جماعت ہی کے لئے ہوں میرے خون میں جماعت اور اس پر ہر وقت کی آزمائشوں میں قربانیاں پیش کرنے کا جذبہ شامل ہے اور انشاءاللہ رہے گا۔

والسلام

آپ کا مخلص

سکندر حیات خان

6-12-1990

جناب سردار محمد عبدالقیوم خان

کشمیر ہاؤس اسلام آباد

سردار سکندر حیات خان کے عادت واطوار

سردار سکندر حیات خان اپنی پر کشش جوش رنگ مشکل وشباہت اور باوقار پر رعب شخصیت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ انسانی واخلاقی اوصاف سے وقف سیاسی رہنما ہیں۔ وہ اپنے والد گرامی سردار فتح محمد خان کریلوی کی طرح انتہائی پر عزم اور غور وفکر کے بعد بات کرتے ہیں ان کی گفتگو کا انداز بڑا حلیمانہ اور پر اثر ہے سچی اور کھری بات کرنے کے عادی ہیں جب کوئی بات کہہ دیں تو چٹان کی طرح اس پر قائم رہتے ہیں قوامی اور سیاسی معاملات میں انکی کمٹمنٹ اصولی

اور پختہ ہے حالات کے نشیب و فراز اور مشکلات و آزمائش ان کے ارادوں کو متزلزل نہیں کر سکتیں وہ سیاست میں سودے بازی عجلت پسندی کے جائے ثابت قدمی اور سنجدگی و متانت کی حامل شخصیت ہیں۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی جذباتی فیصلے کرنے سے اجتناب کرتے ہیں سردار سکندر حیات خان سیاسی جدوجہد اور کاروبار حکومت میں نظم و نسق اور اخلاق وسیاسی آداب کو ہمیشہ مقدم گردانتے ہیں اور سی سی و پارلیمانی زندگی کے اصولوں کی طرح نجی زندگی میں بھی ان کا انداز منفرد ہے وہ متنازع باتوں کی الجھنوں میں پڑنے سے گریزاں رہتے ہیں ایسی آراء اور دعووں کا اظہار نہیں کرتے جن پر ان کا کامل یقین نہ ہو۔ سیاسی رفقا مروت اور مخالفین سے رواداری ان کی شخصیت کا امتیازی پہلو ہے منافقت کی سیاست اور جوڑ توڑ سے انہیں نفرت ہے۔ دوسروں کی باتیں تحمل سے سنے۔ دلائل سے بات کرنے اور سیاسی معاملات میں مشاورت ان کی سوچ کا خاصا ہے ان کی گفتگو اور تقاریر میں ٹھوس دلائل ان کے طرز فکر و عمل کا سب سے منفرد و موثر پہلو سمجھا جاتا ہے مذاکرات کی میز پر اپنی اسی خصوصیت کے باعث وہ ہمیشہ اپنوں اور مخالفین پر سبقت لے جاتے ہیں سیاسی تدبر اور کٹھن جدوجہد سے سیاست میں وہ ایک بلند مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے بھٹو صاحب مرحوم اور جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور حکومت کی سختیاں اور دباؤ لالچ بھی ان کے پایہ استقلال میں کوئی لغزش نہ پیدا کر سکا۔ اور وہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہے کہ انہیں اپنی سیاسی جدوجہد میں جھکایا جا سکتا ہے نہ خریدا جا سکتا ہے۔

سیاسی اور پارلیمانی آداب

آپ بنیادی طور پر ایک سیاسی کارکن اور قانون دان ہیں۔ بنیادی جمہوریتوں کے الیکشن سے اپنی سیاسی جدوجہد کا آغاز کرنے اور پیشہ وکالت سے وابستگی کے باعث سیاست

کے پارلیمانی آداب آپ کو ابتدائی طور پر اپنانے کا موقع ملا جو قومی سیاسی زندگی میں آپ کے مزاج کا حصہ بن گئے۔ آئینی و قانونی آداب کی پاسداری ان کی عادت بن گئی ہے اور عدالتوں اور اداروں کے معاملات میں رائے زنی ان کی عادت میں شامل نہیں۔ 5 سال آزاد کشمیر کے وزیر اعظم اور پانچ سال صدر رہنے کے باوجود اپنے عزیز و اقارب اور خاندان کو کار حکومت و اقتدار میں دخل دینے دیا نہ ان کی کسی خواہش یا دباؤ میں آ کر اپنے مزاج کے برعکس ایوان وزیر اعظم اور ایوان صدر میں ان کو شاہانہ مراعات سے استفادہ کرنے کی اجازت دی بھائیوں اور بیٹوں کو مفادات حاصل کرنے اور معاملات ان کے سپرد کرنے کی کوئی روایت قائم ہونے دی نہ دوستوں اور پارٹی کارکنوں کو آئین و قانون سے ہٹ کر کوئی ناجائز رعایت دی بلکہ اپنی حکومت اور صدارت کو سارے لوگوں اور پورے ملک کے لئے یکساں سمجھا۔ جماعتی لوگوں کا کوئی سخت سے سخت دباؤ قبول کر کے اس سے دستبردار ہوئے نہ انتظامیہ اور اداروں پر انہیں اثر انداز ہونے دیا۔ کسی کو کسی سیاسی انتقام کے باعث نظر انداز کیا نہ انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا غریب پروری اور ظلم و زیادتی کے ہاتھ روکنے کے خاندانی روایت کو قائم رکھنے کو اولیت دی اور سیاسی مخالفین کے خلاف توہین آمیز رویہ اختیار کرنے کے پالیسی نہیں اختیار کی بلکہ اقتدار کے ایوانوں میں مخالفین کو زیادہ عزت احترام دینے کی روش کو اپنایا جو ان کی صحت مند سیاست جذبہ خیرسگالی کی شاندار روایات کے طور پر یاد کی جاتی ہیں۔ یہی ان کی سیاسی زندگی اور انداز حکمرانی کا ایک انفرادی باب بھی اور ان کی سیاسی شخصیت کی نمایاں خوبی بھی ہے۔